کاروانِ حرم

امیر المومنین وسید المجاہدین حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمہ کے سفرِ حج کی داستان مع مختصر حالاتِ زندگی

ترتیب

عارف باللہ حضرت **مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب** نور اللہ مرقدہ
بانی مدرسہ سراج العلوم سراج نگر چھپرا ضلع مئو۔ یوپی

و

محمد عرفات اعجاز اعظمی

مدرسہ عربیہ سعیدیہ اشرف العلوم مصطفی ایجوکیشنل سوسائٹی
کرتھیا کچھی پور مہراج گنج۔ یوپی Pin: 273162
فون نمبر۔ 9170439388

کاروانِ حرم

ترتیب

عارف باللہ حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب نور اللہ مرقدہ و محمد عرفات اعجاز اعظمی

مدرسہ عربیہ سعیدیہ اشرف العلوم مصطفی ایجوکیشنل سوسائٹی

کرتھیا کچھی پور مہراج گنج۔ یوپی

مدرسہ عربیہ اشرف العلوم کرتھیا، مہراج گنج، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کی ایما پر صوبہ بنگال کے رہنے والے ان کے ایک شاگرد و مسترشد مولانا سعید اللہ صاحب نے ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۰ء میں سنولی سے گورکھپور جانے والی ہائی وے سڑک سے متصل کرتھیا گاؤں میں قائم کیا۔ مولانا سعید اللہ صاحب اپنے استاد و شیخ کے حکم پر انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں محض اللہ کی ذات پر بھروسہ کر کے اس گاؤں میں بیٹھ گئے، ان کے خلوص وللہیت کا اثر یہ ہوا کہ شائقین علم کی ایک بڑی تعداد یہاں پہونچنے لگی،، اور اس کا فیض قرب وجوار کے علاقوں کے ساتھ دور دراز خطوں تک بھی پہونچنے لگا، قدیم رودادوں سے پتہ چلتا ہے کہ ایک وقت میں یہاں طلبہ کی تعداد پانچ سو سے متجاوز تھی۔ جس سے اس کی مقبولیت کا پتہ چلتا ہے، بانی مدرسہ کے انتقال کے بعد ایک دوسری شخصیت جس نے اس کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا، وہ مولانا محمد مصطفی صاحب کی ذات گرامی تھی۔ جنھوں نے اسی مدرسہ سے تعلیم حاصل کی اور دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد یہیں آگئے اور اس طرح جم کر رہے کہ موت ہی نے انھیں یہاں سے اٹھایا، ان کے انتقال کے بعد ادارہ اپنی قدیم شناخت کھو بیٹھا، اور پرائمری اور حفظ وفارسی کے درجات تک محدود ہو کر رہ گیا۔

نشأۃ ثانیہ : یہ صورتحال دیکھ کر گاؤں کے کچھ باحوصلہ افراد مسلسل فکرمند تھے اور اس بات کیلئے کوشاں تھے کہ کسی طرح اس ادارہ کا پرانا دور لوٹ آئے اور قبول عام کی وہی فضا پھر پیدا ہو۔ اس کے لئے امسال ان لوگوں نے دارالعلوم دیوبند کے ایک نوجوان فاضل مولانا قمر الحسن صاحب مہراج گنجی کی خدمات حاصل کیں، مولانا موصوف استاذ العلماء حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کے شاگرد اور تربیت یافتہ ہیں، اور گزشتہ دس گیارہ سالوں سے مدرسہ تعلیم الاسلام اعظم گڈھ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے، مولانا نے یہاں کے قیام کو منظور کیا اور شوال میں تشریف لائے، مولانا کے آنے کے بعد طلبہ کی ایک معتد بہ تعداد آگئی، اور تعلیم وتعلم کا ایک ماحول پیدا ہو گیا ہے، اور عربی دوم تک کی جماعت قائم ہو گئی، اللہ کی ذات سے امید ہے کہ آگے چل کر یہ ادارہ اپنے پرانے مقام کو حاصل کرے گا۔ ان شاء اللہ

حضرات اہل خیر سے گزارش ہے کہ مدرسہ کا دامے درمے سخنے ہر طرح سے تعاون کر کے مستحق اجر وثواب بنیں۔

آئینہ مدرسہ

سن تاسیس: ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۰ء — تعلیم: درجہ فارسی سے عربی دوم تک — شعبہ حفظ
شعبہ تجوید وناظرہ: — درجہ پرائمری (درجہ پانچ تک) — بیرونی طلبہ: ۸۰ — مقامی طلبہ: ۲۰۰
مدرسین وملازمین: ۱۳ — اخراجات: تقریباً ۲۰ ر لاکھ

یہ کتاب اور حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی تمام کتابوں کے لئے رابطہ کریں۔
مولانا ضیاء الحق خیرآبادی۔۔ مکتبہ ضیاء الکتب خیرآباد ضلع مئو یوپی۔(276403)
Mob.: 9235327576, zeyaulhaquekbd@gmail.com

کاروانِ حرم

امیر المومنین وسید المجاہدین حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمہ
سفر حج کی داستان مع مختصر حالات زندگی

ترتیب

عارف باللہ حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب نور اللہ مرقدہ

بانی مدرسہ سراج العلوم سراج نگر چھپرا ضلع مئو۔ یوپی

و

محمد عرفات اعجاز اعظمی

ناشر

مدرسہ عربیہ سعیدیہ اشرف العلوم مصطفیٰ ایجوکیشنل سوسائٹی

کرتھیا پچھمی پور مہراج گنج۔ یوپی pin:273162
فون نمبر۔ 9170439388

تفصیلات

نام کتاب	کاروان حرم
مرتب	حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب و محمد عرفات اعجاز اعظمی
صفحات	۳۱۵
سنہ طباعت	۲۰۱۷ء
ناشر	مدرسہ عربیہ سعیدیہ اشرف العلوم مصطفیٰ ایجوکیشنل سوسائٹی کرتھیا مہراج گنج (یوپی) pin:273162
قیمت	250/=
برقی پتہ	*arfatazmi89@gmail.com*

ملنے کے پتے

☆ مولانا اعجاز احمد اعظمی لائبریری، چھپرا، چریا کوٹ، ضلع مئو 9936029463

☆ مکتبہ ضیاء الکتب خیرآباد محلّہ اتراری ضلع مئو 9235327576

(ای میل: *zeyaulhaquekbd@gmail.com*)

☆ فرید بک ڈپو پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۲

☆ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

☆ مکتبہ الفہیم صدر چوک مئو ناتھ بھنجن 9236761926

☆ مفتی روح اللہ صاحب، فلاح المسلمین گواپوکھر مدھوبنی 9852685298

”شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے“

حکیم مومن خان مومن سید صاحب کے مرید اور ان کے دامن تربیت سے وابستہ تھے۔ جس وقت سید احمد شہید علیہ الرحمہ کا جہاد آزادی شباب پر تھا، مومن ہندوستانی مسلمانوں کو اس مقدس تحریک میں شامل ہونے کی دعوت دے رہے تھے۔ ان کی شہرہ آفاق مثنوی جہادیہ مومن کے دل کی آواز ہے، جس میں انھوں نے وطن کے لیے جہاد کرتے ہوئے شہادت کی آرزو کی ہے۔ مومن نے سید احمد شہید علیہ الرحمہ کو امام زمانہ قرار دیتے ہوئے اہل وطن کو آواز دی تھی:

جو داخل سپاہِ خدا میں ہوا
فدا جی سے راہ خدا میں ہوا
حبیبِ حبیبِ خداوند ہے
خداوند اس سے رضا مند ہے
امامِ زمانہ کی یاری کرو
خدا کے لیے جاں نثاری کرو

(فاروق ارگلی صاحب کے مضمون ”شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے“ سے ماخوذ)

فہرست مشمولات

○ تقریب — حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی ۱۹
○ اپنی بات — مولانا قمر الحسن صاحب قاسمی ۲۰
○ پیش لفظ — مولانا محمد عابد اعظمی صاحب ۲۲
○ سخن گفتنی — محمد عرفات اعجاز اعظمی ۲۵
○ **حضرت سید احمد شہید کا ارادہ حج ۳۰**
○ خطوط ۳۱
○ خاندان والوں کو آخری تلقین ۳۵
○ سید صاحب کی ایمان افروز تقریر ۳۵
○ سید محمد جامع کی بیعت ۳۷
○ گھر سے روانگی ۳۸
○ توکل کی کیفیت ۳۸
○ رحمت الٰہی کا ظہور ۳۹
○ شوق دعوت ۴۰
○ مواعظ ۴۱
○ حضرت سید صاحب کا وعظ ۴۱
○ ڈلمئو سے کوچ ۴۳
○ نصرت حق ۴۳
○ شان دل نوازی ۴۳

○ برکت کے روپے ۴۴
○ موضع ڈگڈگی ۴۵
○ انوکھی میزبانی ۴۵
○ الٰہ آباد میں قدرے قیام اور اس کے برکات ۴۷
○ شیخ غلام علی صاحب ۴۷
○ کچی دعوت ۴۹
○ برکت کی انتہا ۴۹
○ حضرت کی دعا کی برکت ۵۰
○ الٰہ آباد اور اس کے اطراف ونواح کا انتظام ۵۲
○ پیرزادوں کے کرتوت ۵۴
○ حضرت کا حکیمانہ جواب ۵۴
○ حافظ اکرام الدین دہلوی کو خلافت ونصیحت ۵۵
○ شیخ غلام علی کی بلند ہمتی ۵۶
○ چوراسی بستیوں کی تعلیم کا انتظام ۵۶
○ شیخ غلام علی کا معمول ۵۶
○ شیخ غلام علی کی دریا دلی ۵۷
○ شیخ غلام علی کے قرض کا قصہ اور سید صاحب کی دعا ۵۸
○ مقصد برآری کے لیے مجرب عمل ۵۹
○ قلعہ کی سیر ۵۹
○ میزبانوں کی پریشانی ۶۰
○ سید صاحب کی کرامت ۶۰
○ غیر مسلموں کے لیے ہدایت کی دعا ۶۱
○ مبتدعین کا استفتا ۶۱
○ شاہ عبدالعزیز صاحب کا جواب ۶۲

○ بادشاہی مسجد کی آبادکاری ۶۲
○ ایک غلط رسم پر تنبیہ ۶۲
○ الٰہ آباد سے کوچ ۶۳
○ مرزاپور میں داخلہ ۶۳
○ ملاحوں کے ساتھ حسن سلوک ۶۴
○ محمد خان کے حق میں دعا ۶۵
○ دعا کی قبولیت ۶۵
○ فاحشہ کی توبہ اور اس کی عرضداشت ۶۶
○ مولانا اسماعیل صاحب کا حسن انتظام ۶۶
○ شیخ عبداللطیف کے مکان پر تشریف بری ۶۷
○ محمد خان کے مکان پر دعوت ۶۷
○ سید صاحب کی برکت ۶۷
○ صلاح دنیا اور فلاح آخرت کے لیے وظیفہ ۶۸
○ باغ کا حال ۶۸
○ بہترین مشورہ ۶۹
○ گدھے والے ۶۹
○ گدھے والوں کے یہاں دعوت ۷۰
○ گدھے والوں کا اصرار اور سید صاحب کی احتیاط ۷۰
○ مرزاپور سے رخصتی ۷۱
○ چنار گڑھ کی دعوتیں اور بیعتیں ۷۱
○ چنار گڑھ سے بنارس ۷۲
○ مکان کا انتظام ۷۲
○ خفیہ ملاقات ۷۲
○ بسیسر کی کہانی ۷۳

○ سید صاحب کا حسن خلق ۷۳
○ مولوی شکر اللہ کے داماد کا جنون اور سید صاحب کا علاج ۷۴
○ جن کی شکایت ۷۵
○ مرزا ابلاقی کے گھر ۷۵
○ بنارس کی ضیافتیں ۷۵
○ راج گھاٹ کے اہل بدعت کی بیعت ۷۶
○ بیماروں کے لیے دست شفا ۷۶
○ راج گھاٹ میں دعوت ۷۷
○ تلو کا چمار کا واقعہ ۷۸
○ لعل محمد کی بیعت ۷۹
○ صلح کے لیے سید صاحب کی دعا ۷۹
○ صلح کے لیے وظیفہ ۸۰
○ لعل محمد کی دعوت اور سید صاحب کا ارشاد ۸۰
○ معززین کی گزارش ۸۰
○ سید صاحب کا پیغام دین محمد اور اللہ رکھو کے نام ۸۱
○ دین محمد اور اللہ رکھو کی مسجد میں ۸۱
○ سید صاحب کی نصیحت اور اس اثر ۸۲
○ دین محمد کی دعوت ۸۳
○ دین محمد کے گھر والوں کی بیعت اور خرافات سے توبہ ۸۳
○ دین محمد کے برادری کے لوگوں کی دعوت ۸۴
○ اللہ رکھو کی دعوت و بیعت ۸۴
○ سید صاحب کی نصیحت ۸۵
○ نذر قبول کرنے کے لیے سید صاحب کی شرط ۸۶
○ دعوتوں کی بھرمار ۸۶

○ شہر بنارس کا انتظام ۸۶
○ رافضی کی بیعت ۸۷
○ ایک عورت کے لیے سید صاحب کی دعا ۸۷
○ بنارس کا ایک واقعہ ۸۸
○ حضرت کے خادم دین محمد کی کہانی انھیں کی زبانی ۹۰
○ ’’اچانک‘‘ چمار کے لیے دعا ۹۰
○ بنارس سے زمانیہ ۹۲
○ کبڈی کی اجازت ۹۲
○ برہنہ مجذوب سے ملاقات ۹۲
○ زمانیہ میں قیام کے دوران ۹۳
○ غازی پور گھاٹ ۹۳
○ پیرزادے کی ہٹ دھرمی ۹۳
○ غازی پور سے کوچ اور مختلف مقامات ۹۴
○ چیران چھپرے میں ۹۵
○ کسبیوں کے لیے دعا کی درخواست ۹۵
○ کسبیوں کی حاضری ۹۵
○ کسبیوں کے لیے سید صاحب کا حکم ۹۶
○ داناپور گھاٹ پر ۹۷
○ شیخ علی جان کی صاف گوئی ۹۷
○ مسجد کی بنیاد ۹۸
○ صدرالدین سے ملاقات ۹۸
○ سپاہیوں کی بیعت اور ان کی گزارش ۹۹
○ عظیم آباد کے لیے روانگی ۹۹
○ عظیم آباد میں رہائش کا انتظام ۹۹

○ شہر عظیم آباد میں ۱۰۰

○ تبت کے لوگ ۱۰۱

○ تبت کی ہدایت کا انتظام ۱۰۲

○ کھانے میں برکت ۱۰۳

○ دعا کی درخواست ۱۰۴

○ خلافت نامہ ۱۰۵

○ رافضیوں کی فتنہ انگیزی ۱۰۵

○ انگریز کی دانائی ۱۰۶

○ پھر سے فتنہ انگیزی کی کوشش ۱۰۶

○ رافضیوں کی دعوت اور ہدایت ۱۰۷

○ پہلے نواب زادے کے یہاں ۱۰۸

○ نذرانے ۱۰۹

○ دوسرے نواب زادے کے یہاں ۱۰۹

○ تیسرے نواب زادے کے یہاں ۱۱۰

○ ڈومنی کی توبہ اور ارادہ حج ۱۱۰

○ رحیم خان سوداگر کے گھر ۱۱۱

○ عبدالرحمان خان سوداگر کے گھر ۱۱۱

○ رحیم خان کی دعوت ۱۱۲

○ عظیم آباد سے کوچ اور قصبہ باڑہ میں ۱۱۲

○ شرفا سے ملاقات ۱۱۲

○ سلام اور اس کا جواب ۱۱۳

○ شاہ گھسیٹا کی آمد اور بیعت وخلافت ۱۱۴

○ ناشتہ کی دعوت ۱۱۴

○ فاحشہ کی توبہ ۱۱۴

○ مختلف بستیوں میں لوگوں کی بیعت ۱۱۶
○ انصاری بھائی کی بستی میں ۱۱۶
○ مرشد آباد میں ۱۱۷
○ حق گوئی کا حکم ۱۱۷
○ حق گوئی کا اثر ۱۱۸
○ صورت حال کا درست علم اور اس کا اثر ۱۱۸
○ مرشد آباد کا انتظام ۱۱۹
مرشد آباد سے کوچ اور کلکتہ میں آمد ۱۱۹
○ مسابقت الی الخیر ۱۱۹
○ مولانا اسماعیل صاحب کی سادگی ۱۲۰
○ دعوت عدمِ دعوت پر ۱۲۱
○ تردد کی بات اور خدائی انتظام ۱۲۲
○ کلکتہ شہر میں جانے کا انتظام ۱۲۳
○ رہائش کا انتظام ۱۲۴
○ کھانے کا انتظام ۱۲۴
○ سید صاحب کی بشاشت ۱۲۶
○ بشاشت کی وجہ ۱۲۶
○ منشی امین الدین کی بیعت اور ان کے حق میں دعا ۱۲۷
○ دعا اور وعظ ۱۲۷
○ بیعت کی کثرت ۱۲۸
○ رافضیوں کی فتنہ انگیزی ۱۲۸
○ انگریز کی عقیدت ۱۲۹
○ منطقی عالم سے سوال و جواب ۱۳۰
○ مدرسہ آنے کی دعوت ۱۳۰

○ شاہزادوں کی خواہش ۱۳۱
○ شہزادے کی دعوت ۱۳۴
○ منشی امین الدین کی آپ بیتی ۱۳۵
○ کلکتہ کی حالت زار اور اس کا تدارک ۱۳۷
○ غیر مسلم کا خواب اور اس کی ہدایت ۱۳۸
○ دست شفا ۱۳۹
○ دست شفا ۱۴۰
○ مولوی امام الدین کی تلقین ۱۴۰
○ ڈھاکہ کے لوگ ۱۴۱
○ سلہٹ، چاٹگام اور آسام کے لوگ ۱۴۱
○ بنگالے کی حالت زار ۱۴۱
○ بنگالہ کا انتظام ۱۴۲
○ سید صاحب کی خلفا کو نصیحت ۱۴۲
○ سیاہ فام لوگوں کی ہدایت ۱۴۳
○ پیر بغدادی سے ملاقات ۱۴۴
○ پیر بغدادی کا اعتراض ۱۴۴
○ سید صاحب کا جواب ۱۴۴
○ ایفائے عہد ۱۴۵
○ قافلہ کے اہل حاجت کا انتظام ۱۴۵
○ مزید کپڑے اور احرام ۱۴۶
○ سید صاحب کا توکل ۱۴۶
○ خوشی کی انتہا ۱۴۷
○ سبقت الی الخیر ۱۴۷
○ سید صاحب کی دعا ۱۴۸

○ سعدالدین ناخدا کی دعوت ۱۴۸
○ سید صاحب کی ہدایت ۱۴۹
○ دیگ میں ہاتھ لگانے کی وجہ ۱۴۹
○ برکت کا حال ۱۴۹
○ شیخ امام بخش کے گھر میں ۱۵۰
○ عورتوں کے لیے وعظ کا انتظام اور ان کے لیے دعا ۱۵۱
○ تعزیہ کا چبوترہ ۱۵۱
○ شیخ امام بخش کو خلافت ۱۵۱
○ سید صاحب کا استغنا ۱۵۲
○ نجومی پیرزادے سے ملاقات ۱۵۲
○ پیرزادے کی آمد اور دعوت ۱۵۴
○ کھلی کرامت ۱۵۴
○ دریائی سفر کے لیے خوراک کی خریداری ۱۵۵
○ جہاز کا انتظام ۱۵۶
○ مخلوق کے بار احسان سے گریز ۱۵۶
○ شیخ غلام حسین کی ریشہ دوانی ۱۵۷
○ حسن انتظام ۱۵۷
○ جہازوں کی سیر ۱۵۸
○ اہل قافلہ کی تعداد اور ان کا انتظام ۱۵۸
○ انتظام کی تفصیلات ۱۵۸
○ جہاز رانوں کو نصیحت ۱۶۰
○ ناخداؤں کی عقل مندی ۱۶۰
○ دریابقی کے ستارہ قسمت کا عروج ۱۶۱
○ افواہوں کی قبل از وقت تردید ۱۶۱

- جہازوں پر سامان رکھنے کی تفصیل ۱۶۱
- فتح الکریم کی روانگی کا اذن ۱۶۳
- سید صاحب سے رخصتی ملاقات ۱۶۳
- دیگر جہازوں کی تفصیلات ۱۶۴
- سید صاحب کی روانگی کا دن ۱۶۵
- معاملہ کی تحقیق اور معلم کو فہمائش ۱۶۹
- حضرت کی دائی کی وفات اور تدفین ۱۶۹
- جہاز کی روانگی ۱۶۹
- جمع بین الصلاتین ۱۷۰
- وضو کا انتظام ۱۷۰
- کھانے کا انتظام ۱۷۰
- حضرت کا جہاز میں معمول ۱۷۱
- سیلان قمری ۱۷۱
- قلعہ لنکا رقلعۃ العفاریت ۱۷۲
- مشتاقان دید ۱۷۲
- تہذیب سے عاری قوم ۱۷۳
- بوقتِ رخصت ۱۷۳
- گلی کوٹ کی بندرگاہ ۱۷۴
- امینے جزیرہ ۱۷۴
- مچھلیوں کا کھیت ۱۷۵
- مچھلی کا شکار ۱۷۵
- عدن پہاڑی ۱۷۶
- ملک عدن میں ۱۷۶
- دعا اور قبولیت دعا ۱۷۶

○ عدن سے روانگی ۱۷۷
○ مخہ میں قیام ۱۷۷
○ لنگی باندھ کر نہانے کا قضیہ ۱۷۷
○ بزرگ سے ملاقات ۱۷۸
○ قاضی محمد شوکانی کے نام خط ۱۷۸
○ قاضی کی لاچاری ۱۷۸
○ برہنوں کا علاج ۱۷۹
○ حدیدہ میں ۱۷۹
○ یلملم/میقات ۱۸۰
○ جدہ ۱۸۰
○ حضرت حوا کی قبر ۱۸۰
○ میاں دین محمد کی عیادت ۱۸۱
○ حضرت کا ارادہ ۱۸۱
○ حضرت کی جدہ سے مکہ کے لیے روانگی ۱۸۱
○ حرم میں داخلہ اور عمرہ کی ادائیگی ۱۸۲
○ رمضان شریف میں کھانے پینے کے انتظامات ۱۸۳
○ معمولات اور تراویح کا انتظام ۱۸۴
○ نماز کی صورت حال ۱۸۵
○ حرم میں قبل فجر کے معمولات/حرم کی رات ۱۸۵
○ عید کا دن ۱۸۷
○ حفاظ کا قافلہ ۱۸۷
○ غلط فہمی ۱۸۸
○ سید صاحب کے لوگوں کا کمال ۱۸۸
○ سید قدرت اللہ کا رجوع اور توبہ ۱۸۹

○ جاوے کے تین افراد ۱۸۹
○ ادائیگی حج اور وطن واپسی ۱۹۱
○ فریضہ حج کی ادائیگی ۱۹۱
○ حج کے بعد مکہ مکرمہ کی مشغولیتیں ۱۹۲
○ شاہ اسماعیل صاحب کی والدہ ۱۹۲
○ سفر مدینہ منورہ ۱۹۲
○ بدوؤں کی چھیڑ چھاڑ ۱۹۳
○ شہدا کی مدفن ۱۹۴
○ زیارت نبوی ﷺ ۱۹۵
○ مدینہ طیبہ میں داخلہ ۱۹۵
○ محفل میلاد سے احتراز ۱۹۵
○ بیت المقدس کا عزم ۱۹۶
○ زیارات ۱۹۶
○ مدینہ طیبہ سے واپسی کا قصد ۱۹۶
○ روانگی ۱۹۷
○ مشغلہ علوم دینیہ ۱۹۷
○ قصد وطن ۱۹۷
○ بمبئی ۱۹۸
○ الپی ۱۹۹
○ کلکتہ ۱۹۹
○ غلام مرتضی کی فیاضی ۱۹۹
○ مونگیر ۲۰۰
○ عظیم آباد ۲۰۰
○ یوسف پور، غازی پور ۲۰۰

○ بنارس ۲۰۱
○ مرزاپور ۲۰۱
○ شیخ غلام علی دریادلی ۲۰۱
○ رائے بریلی ۲۰۲
○ سفر حج کے اخراجات ۲۰۲
○ قصیدہ ۲۰۳
○ **مختصر حالات زندگی سید المجاہدین سید احمد شہید علیہ الرحمہ ۲۰۸**
○ سید صاحب کے والدین اور بھائی بہن ۲۰۸
○ سید صاحب کی ولادت اور ابتدائی حالات ۲۰۹
○ لکھنؤ اور دہلی کا سفر ۲۱۲
○ شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں ۲۱۵
○ شادی ۲۱۸
○ نواب امیر خان سے تعاون ۲۱۹
○ نواب امیر خان سے علاحدگی ۲۱۸
○ بیعت واصلاح کا آغاز ۲۲۱
○ دوآبے کا دورہ ۲۲۲
○ سوئے وطن ۲۲۴
○ ۲۶ر مہینے وطن میں ۲۲۵
○ ایک سنت کا احیا (نکاح بیوگاں) ۲۲۷
○ واقعہ نصیر آباد ۲۲۹
○ تبلیغی واصلاحی دورے ۲۳۰
○ سفر حج کا عزم ۲۳۳
○ سفر ہجرت (رائے بریلی سے کوچ) ۲۳۶
○ چارسدہ میں قیام ۲۴۴

○ جنگ اکوڑہ	۲۴۶
○ حضرو پر چھاپہ	۲۴۸
○ بیعت امامت جہاد	۲۴۹
○ جنگ شیدو	۲۵۰
○ سفر چنگلئی	۲۵۳
○ بونیر وسوات کا دورہ	۲۵۵
○ دعوت جہاد	۲۵۷
○ خہر میں قیام	۲۵۹
○ مولانا عبدالحی صاحب کی وفات	۲۶۰
○ تیسرا نکاح	۲۶۰
○ جنگ اوتمان زئی	۲۶۱
○ بیعت قامت شریعت	۲۶۳
○ قلعہ اٹک کی تسخیر	۲۶۵
○ جنگ پنج تار	۲۶۶
○ تنگی پر شب خون	۲۶۸
○ قلعہ ہنڈ کی تسخیر	۲۶۹
○ جنگ زیدہ	۲۷۱
○ تربیلہ پر حملہ کی دعوت	۲۷۲
○ ستھانہ	۲۷۳
○ پائندہ خان سے ملاقات	۲۷۳
○ ہنڈ کے قلعہ پر سکھوں کا قبضہ	۲۷۴
○ پائندہ خان کی بدعہدی اور مزاحمت	۲۷۵
○ عشرہ اور امب کی جنگیں	۲۷۶
○ جنگ پھولڑہ	۲۷۸

- مرکز امب کے حالات ۲۸۰
- سمہ میں عشر کا انتظام ۲۸۱
- مردان کی جنگ ۲۸۳
- سرداران پشاور کی فتنہ انگیزی ۲۸۵
- جنگ مایار ۲۸۷
- درانیوں کی مصالحت ۲۸۹
- اہل پشاور کی سازش اور درندگی ۲۹۳
- ہجرت ثانیہ ۲۹۵
- مظفر آباد کی جنگ ۳۰۰
- بالاکوٹ کی جنگ ۳۰۲
- رزم گاہ بالاکوٹ ۳۰۴
- آخری رات اور صبح شہادت ۳۰۶
- جنگ کا آغاز ۳۰۹
- سید صاحب کی شہادت ۳۱۰
- مولانا اسماعیل صاحب کی شہادت ۳۱۱
- سید صاحب کا مدفن ۳۱۲
- سید صاحب کی پیش گوئی ۳۱۳
- غیوبت کا مسئلہ ۳۱۴

❑❑❑

تقریب

عارف باللہ حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی نور اللہ مرقدہ

امیر المومنین وسید المجاہدین حضرت سید احمد شہید قدس سرہ کے سفر حج کا تذکرہ عجیب وغریب روشن حالات سے معمور ہے۔ یہ تذکرہ ہم حضرت سید صاحب کے حالات و واقعات پر مشتمل کتاب ''وقائع سید احمد شہید'' سے اخذ کر کے مرتب کر رہے ہیں۔ یہ کتاب اسی جماعت کا مرتب کیا ہوا مجموعہ ہے جس کو سید صاحب کے مسترشد خاص نواب وزیر الدولہ مرحوم (والی ریاست ٹونک) نے سید صاحب کی وقائع نگاری اور تاریخ نویسی کے لیے مقرر کیا تھا۔ اس میں سید صاحب کے بعض اعزہ آپ کے رفقائے سفر و جہاد اور آپ کے خدام تھے۔ ہر ایک اپنی معلومات اور چشم دید واقعات بیان کرتا اور کاتب اسے لکھ لیتا۔ یہ مجموعہ حضرت سید صاحب اور ان کی دعوت وتحریک سے متعلق مراجع میں سب سے وسیع ذخیرہ ہے۔

اعجاز احمد اعظمی

□□□

اپنی بات

مولانا قمرالحسن صاحب قاسمی، نوتنواں
صدرالمدرسین مدرسہ عربیہ سعیدیہ اشرف العلوم کرتھیا مہراج گنج

استاذ محترم حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب نوراللہ مرقدہ بیسویں صدی میں آیۃ من آیات اللہ تھے۔ اپنے معاصرین میں کئی پہلوؤں سے منفرد تھے۔ آج بھی لوگ ان کی باتوں کو یاد کرکے اوران کی تحریروں کو پڑھ کر یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں ’’قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید‘‘۔

یوں تو مولانا کی تقریریں اور تحریریں کسی ایک موضوع پر نہیں ہیں۔ جب جس عنوان کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس پر سیر حاصل کلام کیا اور قلم کو مہمیز لگائی تو مکمل مضمون تیار ہوگیا۔ آپ کا زرنگار قلم جب کسی اہل دل کے حالات سے نقاب کشائی کرتا ہے تو وہ منظر قابل دید ہوتا۔ ان کو جاننے والے، ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے حیرت میں پڑ جاتے ہیں کہ کیا یہ وہی شخصیت ہے جس کی ہم نے کئی صحبتیں اٹھائی ہیں یا کوئی اور!

بہرکیف! حضرت مولانا کی لافانی قلمی فتوحات میں سے ایک ’’کاروان حرم‘‘ بھی ہے، جس میں حضرت مولانا نے دل والوں کے امام، سیدالمجاہدین حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمہ کے سفرحج کی داستان کو عشق ومستی میں ڈوب کر اپنے زرنگار قلم سے مزین کیا ہے۔

یہ ہمارے ادارے ’’مدرسہ عربیہ سعیدیہ اشرف العلوم مصطفیٰ ایجوکیشنل سوسائٹی‘‘ کی خوش قسمتی ہے کہ ایسی اہم کتاب منظر عام پر لانے کی سعادت حاصل کررہا ہے، جس کی نسبت دو عظیم شخصیتوں سے جڑی ہوئی ہے۔ جو اپنے اپنے وقت میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک تھے۔ اللہ نے ان کے ذریعہ ایک امت کو فائدہ پہنچایا۔

دعا فرمائیں کہ اللہ تعالی ان دونوں بزرگوں کی نسبت کی برکت سے کتاب کو قبول عام عطا فرمائے اور ادارے کے لیے خیر کے دروازے کھول دے، مزید ترقیات سے نوازے اور نظر بد سے حفاظت فرمائے۔ اور جو لوگ ادارہ کا تعاون دامے، درمے، قدمے، سخنے جس اعتبار سے بھی کر رہے ہیں ان کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

قمر الحسن قاسمی
خادم اشرف العلوم کرتھیا
۸؍ربیع الاول ۱۴۳۸ھ

❑❑❑

پیش لفظ

مولانا محمد عابد اعظمی صاحب
مدرسہ شیخ الہند قاسم آباد انجان شہید

تیرہویں صدی ہجری اسلامیان ہند کے لیے مذہبی، اخلاقی، اعتقادی اور سیاسی لحاظ سے زوال وانحطاط کا دور تھا۔ ایک طرف ان کی سیاسی طاقت وقوت زوال پذیر تھی اور دوسری طرف ان میں مشرکانہ رسوم وبدعات اور اخلاقی واعتقادی بگاڑ کا زور تھا۔ اسلام محض چند ظاہری رسوم وآثار کے انجام دینے تک محدود تھا۔ اسلامی تہذیب ومعاشرت اور آداب واخلاق بے روح کے ڈھانچے بن چکے تھے۔ فرائض وعبادات اور دیانات ومعاملات سے غفلت عام تھی۔ سیاسی قوت وغلبہ دم توڑ چکا تھا۔ سلطنت مغلیہ کا شیرازہ مدت ہوئی بکھر چکا تھا۔ پورے ہندوستان پر یا تو ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط تھا یا اس کی باج گزار راجاؤں کے ترک راز یوں کے زیر اثر تھا۔ غرض یہ کہ اسلامی دنیا ہر لحاظ سے اپنے ضعف کی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اقتدار وغلبہ کے آثار کہیں نظر نہیں آتے تھے۔ ہر جگہ جمود وتنزل نمایاں تھا۔ ایسے انحطاط پذیر اور زوال آشنا دور میں سید المجاہدین حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمہ کی مجاہدانہ کوششوں نے تجدید دین وایمان کی نئی تحریک شروع کی اور ان کے اصحاب عزیمت رفقا نے اپنی بلند ہمتی اور اولوالعزمی سے اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا علم اٹھایا اور مسلمانوں کو تجدید دین وایمان، جہاد واصلاح اور احیائے سنت کی دعوت دی۔ جس کے آوازے سے پورا غیر منقسم ہندوستان خواب غفلت سے بیدار ہو کر جوق در جوق اس کے علم کے نیچے جمع ہونے لگا۔ روحوں میں ایمان ویقین کی شمعیں روشن ہونے لگیں۔ افسردہ چمن میں اصلاح و انقلاب کی باد بہاری چلنے لگی۔ یہ مسلمانوں کی وہ عظیم الشان تحریک تھی جس نے ہندوستان کے ہر

خطے اور علاقے میں اپنے بابرکت اثرات کے نقوش ثبت کیے۔ سید صاحب کا قافلہ اصلاح وتجدید جدھر سے گزر جاتا وہاں کی کایا پلٹ جاتی۔ ہندوستان کیا پورے عالم اسلام میں شاید کوئی ایسی مذہبی تحریک ہو جو سید صاحب کی اس تحریک احیائے سنت وجہاد سے زیادہ منظّم، وسیع، ہمہ گیر اور دوررس اثرات کی حامل ہو۔

سید احمد شہید علیہ الرحمہ نے ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۱ء میں حج بیت اللہ کا قصد فرمایا اور اپنے اہل تعلق کو اس کی اطلاع دی اور خطوط لکھوائے کہ ''ہماری نیت پہلے سفر ہجرت کی تھی مگر اب مرضی الٰہی یہی ہے کہ پہلے حج کو جائیں۔ لہٰذا جن بھائیوں کا ارادہ ادائے حج کے واسطے ہمارے ساتھ چلنے کا ہو، یہاں آکر حاضر ہوں۔'' اس کے بعد ہندوستان کے طول وعرض میں اس کا اعلان فرمادیا اور زبردست اشاعت وتبلیغ کی، جس کی ان حالات میں سخت ضرورت تھی۔ کیوں کہ علمائے ہند کی ایک جماعت نے بحری سفر میں ہلاکت کے اندیشہ کے پیش نظر فریضہ حج کے ساقط ہونے کا فتوی دیدیا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ فریضہ کچھ مدت سے بالکل متروک یا بہت ہی کم ہوگیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا فتنہ تھا جس کا اگر بروقت سد باب نہ کیا جاتا تو اسلام کے اس عظیم الشان رکن کو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ سید صاحب کی دوراندیشی اور بصیرت نے اس کی حساسیت کو پہلے ہی بھانپ لیا تھا۔ اس لیے انھوں نے محض علما کے ذریعہ زبانی اور تحریری طور پر اس کے رد وابطال کو کافی نہ سمجھا بلکہ عملی طور پر حج کا قصد فرمایا اور مسلمانوں میں عام اعلان فرمادیا کہ 'جس کا جی چاہے تیار ہوجائے، سفر خرچ وغیرہ کی فکر نہ کرے۔ اللہ پر توکل وبھروسہ رکھے۔ اس کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے ہماری مراد پوری کرے گا۔'

اس تحریک وترغیب سے محبت الٰہی کی دبی ہوئی چنگاریاں لو دینے لگیں اور بجھی ہوئی آتش شوق فراواں ہوگئی۔ سید صاحب جیسے برگزیدہ ولی کی صحبت، علما وصلحا کی رفاقت اور دیار قدس کا سفر! اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہوگی! لوگ جوق در جوق قافلہ میں شامل ہونے لگے اور کاروان ایمان وعزیمت منزل شوق کی طرف رواں دواں ہوگیا۔ سفر حج کی یہ داستان عجیب وغریب بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ نصیحت آمیز بھی ہے اور ایک اللہ والے کی کرامت بھی۔

سید صاحب کے حالات وواقعات پر مشتمل کتاب ''وقائع سید احمد شہید'' میں سفر حج کے

احوال تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ اسی کتاب سے اخذ کر کے زیر نظر کتاب ’’کاروان حرم‘‘ مرتب کی گئی ہے۔ والدنا المعظم حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی نور اللہ مرقدہ نے اپنی حیات کے آخری پڑاؤ میں اس کی ترتیب وتہذیب شروع کی تھی مگر تکمیل کے مرحلہ سے پہلے خود ہی اپنی آخری منزل پر پہنچ گئے اور یہ کام تشنہ رہ گیا۔ مقام مسرت ہے کہ برادر عزیز مولانا محمد عرفات اعظمی سلمہ نے...... جنھیں اللہ نے تحریر وانشا پردازی کا خاص ذوق عطا فرمایا ہے، جن کی ترتیب وادارت میں والد صاحب علیہ الرحمہ کی کئی ایک کتابیں قلیل عرصہ میں طبع ہوکر مقبول خاص وعام ہو چکی ہیں....... اس کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا اور اب یہ مکمل صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی مرتب کی اس کاوش کو سید صاحب اور ان کے برگزیدہ رفقا ومجاہدین کے طفیل حسن قبولیت عطا فرمائے اور عزیز موصوف کے علم وقلم میں مزید قوت وتوانائی بخشے۔ آمین

محمد عابد اعظمی
۲۸؍صفر المظفر ۱۴۳۸ھ

* * *

سخن گفتنی

محمد عرفات اعجاز اعظمی

امیر المومنین وسید المجاہدین سید احمد شہید علیہ الرحمہ کا نام نامی ایمان وعزیمت اور اولوالعزمی کی چلتی پھرتی علامت اور زندہ نشان ہے۔ سید صاحب کے بارے میں کچھ کہنا خود اپنے ذی ہوش ہونے کی دلیل دینا ہے۔ جیسے سورج کے بارے میں کچھ کہنا اپنی بصارت کا اعلان کرنا ہے۔ سید صاحب اس کاروان ایمان وعزیمت کے سرخیل تھے جو اپنی مثال آپ تھا۔ آفتاب نبوت سے زمانی اعتبار سے بارہ سو سال کے بعد کے باوجود آپ نے اس سے جس انداز سے کسب نور کیا اور پوری زندگی اس کا اجالا پھیلایا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ سید صاحب کی زندگی اور آپ کے کارنامے نہ صرف یہ کہ انتہائی غیر معمولی ہیں بلکہ تعجب انگیز اور حیرت زا بھی ہیں۔ آپ نے جس ماحول اور جس زمانہ میں آنکھیں کھولیں وہ ماحول اور زمانہ ہمارے ماحول وزمانہ سے یکسر مختلف تھا۔ مسلمانوں کے ہاتھ سے اقتدار منتقل ہوکر غیروں کے قبضہ میں جا چکا تھا۔ انتقال اقتدار کے بعد مغلوب قوم کی جو حالت ہوسکتی ہے وہی حالت اہل اسلام کی تھی۔ اپنے مذہب اور اپنی تہذیب سے ناواقفیت اور حاکم قوم سے مرعوبیت عام تھی۔ اس زمانہ میں رؤوسا اور نوابوں کی معراج یہ تھی کہ کسی طرح بھی حاکم قوم کے نام کی مہندی ہاتھ میں لگ جائے اور اس کی خوشنودی حاصل ہوجائے۔ جس کے پاس بھی ایک قطعہ زمین ہوتی وہ بجائے اس کے کہ ملک ووطن اور ملت کی آزادی کے لیے کچھ جد جہد کرتا اور حریت کے پیدائشی وفطری حق کو بحال کرتا، مصالحت کی مہندی لگا کر ایوان تعیش میں بیٹھ جاتا اور اس کے چلمن سے جھانک کر اپنے اپنی قوم کی حالت زار کو دیکھنے کی بھی

ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

اس ذلت ونکبت اور دناءتِ فکر کے ماحول میں سید صاحب نے ایمان وعزیمت کا قافلہ ترتیب دیا اور حریت وآزادی کی بات کی اور لوگوں کو اس پر اکسایا۔ چوں کہ اس وقت ماحول کچھ ایسا بن گیا تھا کہ کوئی بھی شخص ذرا سا ہمت سے کام لیتا اور ایک لشکر ترتیب دے کر کسی قطعہ زمین پر قابض ہو کر بیٹھ رہتا اور حکمران قوم کی کٹھ پتلی بن جاتا۔ اس لیے جب سید صاحب نے حریت وآزادی کی بات کی تو لوگوں کے ذہن میں یہی آیا کہ یہ بھی اپنے اقتدار کے انتظام کے لیے ایسی بات کر رہے ہیں۔ مگر سید صاحب کی عزیمت وہمت نے ثابت کر دیا کہ ان کا مقصد نہ حصول اقتدار ہے اور نہ کسب زر۔ بلکہ ان آلودگیوں سے ان کا دامن دل پاک ہے۔ ان کے عزائم اور حوصلے بہت بلند ہیں، اتنے بلند کہ خدا شناسوں کے علاوہ کسی کے لیے اس بلندی کو سمجھنا بھی شاید ممکن نہ ہو۔ یہ سید صاحب ہی کا جگر تھا کہ انھوں نے کہا کہ:

> ’’تاج فریدون اور تخت سکندر میری نظر میں جو کے برابر نہیں ہیں۔ قیصر وکسری کی مملکت کا خیال تک دل میں نہیں لاتا۔ صرف یہ آرزو ہے کہ اکثر افراد بنی آدم بلکہ دنیا کے تمام خطوں میں رب العالمین کے احکام جاری ہو جائیں، جنھیں ہم شریعت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس بارے میں کسی طرف سے کشمکش کا امکان باقی نہ رہے۔ صرف اس کام کی تکمیل مقصود ہے خواہ میرے ہاتھ سے پورا ہو یا کسی دوسرے کے ہاتھ سے۔ جو حیلہ اس مدعا کے حصول کا باعث ہو سکتا ہے، اسے بروئے کار لاتا ہوں اور جو تدبیر اس مقدمہ کے لیے مفید نظر آتی ہے اس سے کام لیتا ہوں۔‘‘ (مکاتیب شاہ اسماعیل: ۵۰۔ بحوالہ تحریک سید احمد شہید: ج۱ ص۳۵۷)

> ’’..........ہم گھر بار چھوڑ کر اس نیت سے یہاں آئے ہیں کہ وہ کام کریں جس میں پروردگار کی خوشنودی اور رضامندی ہو۔ مخلوق کی خوشی اور ناخوشی سے کوئی غرض نہیں۔ نادان سمجھتے ہیں کہ ملک گیری اور دنیا طلبی ہمارا مقصد ہے، حالاں کہ حب وبغض محض للہ فی اللہ ہے۔ اس جہاد میں نہ نفسانیت ہے نہ جنبہ داری......‘‘

> ’’رضائے حق کے سامنے ہفت اقلیم کی تاجداری ہیچ ہے..........‘‘

سید صاحب کی پوری زندگی رشد وہدایت کا استعارہ ہے۔ آپ جہاں سے گزر گئے

وہاں ہدایت کی باد بہاری چلنے لگی۔ نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں کہ ”اگر چہ سید صاحب نے علم ظاہری میں پوری دستگاہ حاصل نہیں کی تھی لیکن علم باطن میں وہ درجہ کمال کو پہنچ گئے تھے۔ خلق خدا کو راہ ہدایت پر لگانے میں انھیں خدا کا ایک نشان سمجھنا چاہیے۔ ان کے خلفا نے وعظ ونصیحت کے ذریعے سرزمین ہند کو شرک وبدعت کے خس وخاشاک سے پاک کر دیا اور لوگ شاہراہ کتاب وسنت پر چلنے لگے۔ ان کے مواعظ ونصائح کے برکات اب تک جاری ہیں۔ حضرت سید صاحب کا پایہ سلوک ظاہر وباطن میں اتنا بلند تھا کہ انھیں دوسروں سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔“

”خلاصہ یہ کہ ماضی قریب میں سید صاحب جیسے صاحب کمال کا نشان کسی خطہ میں نہیں ملتا۔ اوران کی جماعت منصورہ سے خلق خدا کو فیوض کی جو دولت ملی اس کے عشر عشیر کا سراغ بھی دنیا کے دوسرے مشائخ کے ہاں نہیں مل سکتا۔“ (تحریک سید احمد شہید: ج۲ص۶۰۴)

شاہ عبدالعزیز سے اجازت وخلافت ملنے کے بعد سید صاحب جب وطن آئے تو آپ کا ارادہ ہجرت وجہاد کا تھا مگر اچانک ایک دن آپ نے اعلان فرمایا کہ ’ہم پہلے حج کے لیے جائیں گے۔ اس کے بعد ہجرت وجہاد کا سفر کریں گے۔‘ سید صاحب کے یہ دونوں ارادے یعنی حج اور ہجرت وجہاد، ایسے ہیں کہ ان پر عمل کرنا تو دور کی بات، ان کو سوچنے کے لیے بھی پرعزم ذہنی سطح سے بھی بہت ہی زیادہ بلند سطح درکار ہے۔ سید صاحب نے صرف ذہنی خاکہ نہیں بنایا بلکہ اس پر عمل کر کے ایک تاریخ رقم کر دی۔ ایسا کرنا نہ ان کی مجبوری تھی اور نہ ہی ان کا شوق۔ بلکہ یہ ان کے ایمان وعمل کی قوت تھی جس کی وجہ سے وہ لذائذ دنیا سے یکسو ہو گئے اور عزیمت کے راستے پر چل پڑے۔ ورنہ اس بے عملی کے ماحول میں وہ بھی ایک عمدہ سا حیلہ تراش کر عام پیروں کی طرح بیٹھ سکتے تھے۔

سید صاحب کے سفر حج کے بارے میں اگر کہا جائے کہ یہ دراصل سفر ہدایت ہے تو غلط نہیں ہوگا۔ آپ کے سفر حج کے اثرات صدیوں پر محیط ہیں۔ ہمارے اس زمانہ میں سفر حج کے سلسلہ میں عام طور سے ذہنوں میں کوئی وسوسہ اور خرخشہ نہیں ہے تو یہ سید صاحب ہی کے سفر حج کا رہین احسان ہے۔ ورنہ جس آسانی کے ساتھ اس زمانہ میں سہل پسند لوگوں نے اور بہانہ جو طبیعتوں نے حج کی منسوخی کا فتوی دیدیا تھا، اگر سید صاحب نے عملی طور سے اس کے خلاف کر کے

نہیں دکھلا دیا ہوتا تو بہت ممکن تھا کہ وہ فتنہ ہمارے اس زمانہ تک ممتد ہو جاتا اور آج بھی کچھ لوگ اس کی حمایت میں دلائل مہیا کرتے اور ذہنوں میں خرخشے ڈالتے۔ ''گربہ کشتن روز اول'' کے مصداق سید صاحب نے پہلے ہی دن اس فتنہ کی جڑ میں اپنے عمل کا گرم پانی ڈال دیا اور یہ فتنہ اسی زمانہ میں سوکھ سمٹ کر ختم ہو گیا۔

آپ کا سفر حج از اول تا آخر پانی کا سفر رہا ہے۔ وطن سے کلکتہ تک دریائی سفر، اس کے بعد سمندری سفر ہوا۔ آپ اس سفر میں جس گاؤں جس بستی اور جس شہر کے کنارے ٹھہر گئے پڑاؤ ڈال دیا اس کی قسمت بدل گئی کایا پلٹ گئی۔ وہ بستیاں جو کفر و شرک کے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھیں وہ ایمان و عمل صالح کے نور سے منور ہو گئیں۔ جہاں بدعات و خرافات کا زور تھا، تعزیہ داری اور پیر پرستی کو ایمان کا جز سمجھا جاتا تھا، وہاں سے ہر طرح کے خرافات کا خاتمہ ہوا اور سنت نبوی کی ضیاء پاشیوں سے ایک روشن ماحول تشکیل پایا۔ بلا مبالغہ آپ نے اس سفر میں سینکڑوں تعزیے توڑے اور تعزیوں کے چوک کھودے، امام باڑوں کو ختم کر کے مسجد کی بنیاد رکھی۔ لاکھوں گم کردہ راہ لوگوں کو راہ ہدایت پر لگایا۔

یہ کتاب آپ کے اسی پر عزیمت سفر ہدایت کی داستان ہے۔ آپ اس کتاب میں دیکھیں گے کہ سید صاحب جس بستی کے پاس سے گزرے اس کی ہدایت کا سامان کر کے آگے بڑھے۔ چوں کہ سید صاحب کا مزاج مزاج نبوت سے بہت قریب تھا۔ جب شاہ عبدالعزیز صاحب نے آپ کو تصور شیخ کا حکم دیا تھا تو آپ نے پوچھا تھا کہ 'اس میں اور بت پرستی میں کیا فرق ہے؟ اگر دلائل کے ساتھ اس کی وضاحت فرما دی جائے تو میں فرماں بردار ہوں، ورنہ تو میرا دل اس طریق عمل پر مطمئن نہیں ہے۔' تو شاہ صاحب نے سید صاحب کو گلے لگا لیا اور فرمایا کہ 'مبارک ہو، تم کو ولایت انبیا عطا ہوئی ہے۔' آپ کا یہ ارشاد فرمانا اسی وجہ سے تھا کہ سید صاحب کا مزاج مزاج نبوت سے بہت قریب تھا۔ اسی قرب کی وجہ سے سید صاحب کی چند لمحوں کی صحبت بھی لوگوں کو کندن بنا دیا کرتی تھی۔ آپ اس کتاب میں جگہ جگہ دیکھیں گے کہ سید صاحب ایک دن یا آدھے دن کے لیے کسی بستی میں ٹھہرے اور کسی کو خلافت دے کر اپنا خلیفہ نامزد کر دیا۔ یہ آپ کی توجہ کا اثر اور برکت تھی کہ چند لمحوں کی صحبت بھی زندگی بدل دیتی تھی۔ اور رشد و ہدایت کا بازار گرم ہو جاتا تھا۔

سید صاحب کے سفر حج کی داستان ''وقائع سید احمد شہید'' سے مرتب کی گئی ہے جس میں خاصی تفصیل سے آپ کے اس سفر کو قدیم اردو زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ اس داستان کو مرتب کرنے میں اس بات کا خیال کیا گیا ہے کہ قدیم زبان کا تھوڑا بہت لطف باقی رہے اور اِس زمانہ میں بولی اور لکھی جانے والی زبان سے قریب تر ہوجایے اور پڑھنے والوں کو بات سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

کتاب کا دوسرا حصہ جسے ضمیمہ بھی کہہ سکتے ہیں، اس میں سید صاحب کے حالات کو اختصار کے ساتھ مرتب کر دیا گیا ہے کہ سفر حج کے ساتھ کوئی اگر سید صاحب کی زندگی کے بارے میں جاننا چاہے تو اس حصہ سے استفادہ کر لے۔ ضمیمہ از اول تا آخر غلام رسول مہر صاحب کی کتاب ''سید احمد شہید'' جو کہ دیوبند سے ''تحریک سید احمد شہید'' کے نام سے شائع ہوئی ہے، سے ماخوذ ہے۔ بلکہ یہ کہہ لیجیے کہ ایک طرح سے اس کی ابتدائی دو جلدوں کی تلخیص ہے۔ کسی بھی طرح کی تفصیل یا حوالہ کے لیے اسی کتاب سے رجوع کیا جائے۔

والد صاحب (حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب نور اللہ مرقدہ) نے اس کتاب کو ''کاروان حرم'' کے نام سے مرتب کرنا شروع کیا تھا مگر اس کی تکمیل سے قبل ہی ان کی زندگی کا سفر مکمل ہوگیا اور منزل آخرت پر جا کر کمر کھول دی۔ یہ کتاب ان کے اسی تشنہ کام کی تکمیل ہے۔ ابتدا کے تیس صفحات ان کے مرتب کیے ہوئے ہیں اور اس کے بعد کی ترتیب محض فضل ایزدی سے میں نے دی ہے۔

یہ کتاب مولانا قمر الحسن صاحب صدر المدرسین مدرسہ عربیہ سعیدیہ اشرف العلوم کرتھیا مہراج گنج اپنے مدرسہ سے شائع کر رہے ہیں۔ مولانا کے اس تعاون اور حوصلہ افزائی پر ہم ان کے شکر گزار ہیں اور ساتھ ہی مولانا محمد عابد اعظمی صاحب، مولانا محمد عامر اعظمی صاحب اور مولانا محمد اشہد اعظمی صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ان حضرات کا کتاب کی تیاری میں خاصا تعاون حاصل رہا ہے۔ اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی سید صاحب اور ان کے برگزیدہ رفقا و مجاہدین کے طفیل ان حضرات کے حق میں اور مدرسہ کے حق میں خیر کے دروازے کھول دے اور مزید ترقیات سے ہم کنار کرے۔ آمین

❑❑❑

امیر المومنین وسید المجاہدین حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمہ
کا
ارادۂ حج

ایک دن حضرت سید صاحب اپنے وطن تکیہ رائے بریلی کی مسجد کی چھت پر اکیلے بعد نماز اشراق تشریف فرما تھے۔ زینہ پر عبدالرحیم صاحب کاندھلہ والے تھے۔ آپ نے پکارا ’یہاں کوئی ہے؟‘ عبدالرحیم صاحب حاضر خدمت ہوئے۔ فرمایا ’نیچے جو لوگ موجود ہوں انہیں بلالاؤ۔‘ انھوں نے نیچے کی طرف دیکھا، حضرت کے خادم ’دین محمد‘ صاحب نظر آئے۔ ان سے کہا کہ حضرت بلا رہے ہیں، تم آؤ، اور جو لوگ وہاں ہوں انہیں بھی بلالاؤ۔

دین محمد صاحب کہتے ہیں کہ میں پہلے حاضر ہوا، حضرت کو دیکھا کہ چھت کی منڈیر پر ہاتھ ٹیکے ہوئے سئی ندی کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمایا:

”دین محمد تمہارا خواب مبارک ہو۔“

میں نے عرض کیا ’کون سا خواب؟‘ فرمایا ’جو بیت اللہ شریف جانے کا تم نے کئی ماہ پہلے دیکھا تھا‘ [۱] مجھے جناب الٰہی سے الہام ہوا ہے کہ تم پہلے حج کرنے جاؤ، وہاں سے آکر جہاد کرنا۔‘

---

(۱) میاں دین محمد نے حضرت سید صاحب سے اس وقت ایک خواب بیان کیا تھا جب حضرت مغربی یوپی کے دورے سے واپس تشریف لا رہے تھے، راستے میں میاں دین محمد حضرت سے ملے تھے، وہ دہلی سے حضرت کی طلب پر آئے تھے، حضرت نے ان سے دہلی کی خیر وعافیت دریافت کی، انہوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی علیہ الرحمہ کی خیریت اور اپنے احوال بیان کئے، حضرت نے مکرر فرمایا کہ ہم یہ نہیں پوچھتے، اس کے سوا اور جو تم پر گزرا ہو بیان کرو، تب ان کو ایک معاملہ یاد آیا، جسے انہیں کی زبان میں سنئے، کہتے ہیں:

بقیہ اگلے صفحہ پر

اس وقت تک حضرت سید صاحب کے پاس متعدد اصحاب آ چکے تھے۔ حضرت نے سب سے کہا اور اس وقت خوشی آپ کے چہرۂ مبارک سے ظاہر ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا:

''بھائیو! اب اپنے اپنے سامان کی تیاری کرو۔''

حاجی عبدالرحیم صاحب نے عرض کیا کہ 'آپ تو سفر ہجرت و جہاد کی تیاری میں تھے؟ بیچ میں یہ معاملہ کیا آ گیا؟'

آپ نے فرمایا 'منظور الٰہی یوں ہی ہے۔ اس میں بڑی حکمت اور اسرار الٰہی کے معاملات ہیں۔ کسی وقت ہم آپ سے اسے بیان کریں گے۔'

اس گفتگو کے بعد آپ گھر تشریف لائے، اور رفقا و حاضرین حج کی بشارت سن کر بہت مسرور ہوئے، اور ہر طرف اس کا چرچا ہونے لگا۔ سب خوش ہو رہے تھے کہ بیت اللہ شریف کی حاضری اور حج و عمرہ کی سعادت حاصل ہونے والی ہے۔

خطوط:

چند روز کے بعد حضرت سید صاحب نے ارادہ کیا کہ دہلی، سہارن پور، پھلت، رام پور، بانس بریلی وغیرہ کے اہل تعلق اور متوسلین کو اس ارادہ سے آگاہ کریں۔ اس وقت حضرت کے پاس آپ کی مرضی کے مطابق کوئی کاتب نہ تھا۔ آپ نے اپنے بھانجے سید احمد علی صاحب کے نوعمر

گذشتہ صفحہ کا: ''میں ایک روز دہلی میں مغرب کی نماز میں گیا، دو رکعت نماز ہو چکی تھی، میں تیسری رکعت میں شریک ہوا، اسی دوران میرے کان میں آواز آئی کہ تو حج کی تیاری کر اور جلد آ، میں سن کر متفکر سا ہوا کہ یہ کون کہتا ہے؟ پھر امام کے سلام پھیرنے کے بعد باقی نماز کے لئے اٹھا، تو پھر وہی آواز آئی کہ ہم تجھ سے کہتے ہیں کہ تو حج کو جا، پھر تیسری رکعت میں بھی آواز آئی کہ تو کس بات کی فکر کرتا ہے؟ اپنے حج کی تیاری کر اور جا۔

جب میں نماز پڑھ چکا تو میرے دل میں تشویش پیدا ہوئی کہ الٰہی یہ کیا معاملہ ہے؟ میں نے ان تینوں آوازوں کا مضمون خوب نہیں سمجھا، جو کچھ حال ہو مجھ کو آج خواب میں معلوم ہو جائے، پھر اسی رات کو مجھ سے کسی نے خواب میں کہا کہ تو حج کو جانے کی تیاری کر، پھر میں جگ گیا۔

اس کے بعد پھر ایک رات میں نے خواب میں آپ کو دیکھا کہ فرماتے ہیں، دین محمد! خاطر جمع رکھ، اللہ تعالیٰ چاہے گا تو سب کام تیرا درست ہوگا، کسی بات کا اندیشہ نہ کر''۔

آپ نے فرمایا، میں اسی کو پوچھتا تھا، سو خوب کیا کہ تم ہمارے پاس چلے آئے۔

فرزند سید زین العابدین سے فرمائش کی کہ 'تم خطوط لکھو۔' انھوں نے معذرت کی کہ مجھے خوب لکھنا نہیں آتا۔ آپ نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور دعا کی، اور ساتھ ہی بشارت بھی سنائی کہ دعا قبول ہوگئی ہے۔ تمھیں خوب لکھنا آجائے گا۔ چنانچہ دو تین روز کی مشق میں انھوں نے لکھنے کی مہارت حاصل کر لی۔ حضرت نے جو خطوط لکھوائے تھے، ان کا مضمون یہ تھا:

> ''ہم واسطے ادائے حج بیت اللہ شریف جاتے ہیں۔ جن صاحبوں کو حج کرنا منظور ہو ان کو اپنے ہمراہ لائیے۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ ہمارے پاس نہ کچھ مال ہے، نہ خزانہ۔ محض اللہ پر توکل کر کے جاتے ہیں۔ اور ہم کو اس ذات پاک سے قوی امید ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہماری مراد پوری کرے گا۔ اور جہاں کہیں راستے میں حاجات ضروری کے لیے خرچ نہ ہوگا وہاں ٹھہر کر ہم لوگ محنت و مزدوری کریں گے، جب بخوبی خرچ جمع ہو جائے گا تب وہاں سے آگے روانہ ہوں گے۔ اور جو عورتیں اور مرد ضعیف مزدوری کے قابل نہ ہوں گے، وہ اپنے ڈیروں کی نگہبانی پر رہیں گے۔ اور خرچ میں کمانے والے اور ڈیروں پر رہنے والے سب برابر کے شریک ہوں گے۔''

اس مضمون کے خطوط آپ نے قصبہ بڈھانہ میں مولانا عبدالحی صاحب کو، دہلی میں مولانا محمد اسماعیل صاحب کو، پھلت میں مولوی وحید الدین صاحب اور ان کے بھائی حافظ قطب الدین صاحب اور ان کے والد حافظ معین الدین صاحب کو، اور ان کے علاوہ سہارن پور میں مولوی وجیہہ الدین صاحب، حافظ عبدالرب صاحب اور حکیم مغیث الدین صاحب اور ان کے بھانجے شہاب الدین وغیرہ کو لکھے۔

کچھ دنوں کے بعد ان مکاتیب کے جواب آنے لگے۔ سب کا مضمون ایک ہی طرح تھا کہ:

> ''آپ کا بشارت نامہ آیا، ان شاء اللہ عنقریب آپ کی خدمت سراپا برکت میں ہم لوگ حاضر ہوتے ہیں، اور جناب کے ارشاد کے مطابق جو لوگ بیت اللہ شریف کا عزم سفر رکھتے ہوں گے، ان کو اپنے ہمراہ لائیں گے۔''

سفر حج کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اسی دوران کانپور اور اس کے اطراف کے لوگوں کی

دعوت پر ایک تبلیغی اور اصلاحی دورہ فرمایا۔ وہاں سے واپسی پر مولانا عبدالحی صاحب اور ان کے قافلے سے راستے میں ملاقات ہوئی۔۔ وہ لوگ قصبہ پھلت، بڑھانہ اور اسی کے اطراف سے آئے تھے۔

جس زمانے میں سید صاحب نے بیت اللہ شریف کا عزم سفر کیا تھا، حالات کے لحاظ سے یہ حیرت کا معاملہ تھا۔ سفر کی وہ سہولتیں جو آج میسر ہیں اس دور میں ان کا نام ونشان نہ تھا۔ پانی کا جہاز، انجن سے محروم، صرف بادبان کے سہارے چلتا، ہوا موافق ہوتی اور سمندر میں طغیانی نہ ہوتی تو خیر، ورنہ ہوا کی مخالفت کی تاب نہ لاکر جہاز مدتوں سمندر میں چکر کاٹتے رہتے۔ کبھی طغیانی ہوتی تو غرق بھی ہو جاتے۔ پھر اس سفر میں وقت بھی بہت لگتا، دشواریاں، دقتیں، کھانے پینے کے مسائل اور پھر مختلف قسم کے لوگوں سے سابقہ! ایک پاسپورٹ اور ویزا کا دردسر تو نہ تھا مگر پھر دردسر ہی دردسر تھا۔ انہیں دشواریوں کی وجہ سے سہولت پسندوں نے فتوی صادر فرمادیا تھا کہ ہندوستانیوں پر حج فرض نہیں۔ کیوں کہ راستہ ہلاکت سے محفوظ و مامون نہیں۔

ان حالات میں سید صاحب نے اکیلے نہیں، جو ساتھ جانا چاہے سب کو ساتھ لے کر حج بیت اللہ کے لیے جانے کا اعلان کر دیا۔ قریبی لوگوں نے بھی اسے ایک مذاق سمجھا۔ وہ شاید یہ سوچ رہے تھے کہ آج کسی جوش میں حج بیت اللہ کا ارادہ کرلیا ہے مگر کل جب حقائق کی سنگینیاں سدراہ نظر آئیں گی تو خود ہی ارادہ بدل جائے گا۔

مگر جب یہ دیکھا کہ مولانا عبدالحی صاحب جیسے بڑے عالم ربانی اس آواز پر لبیک کہہ کر پورے قافلہ کے ساتھ وارد ہو گئے تو وہی جو کل تک اسے ایک مذاق سمجھ رہے تھے، سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ سید صاحب جو کہتے ہیں کر گزریں گے۔

ایک روز حضرت نے مولانا سے دریافت کیا کہ ’آپ تو آ گئے، دوسرے لوگوں کے آنے کا بھی کچھ حال معلوم ہے؟‘ مولانا نے عرض کی کہ ’آنے والے تو بہت تھے اور مجھ سے کہتے تھے کہ آپ کے ساتھ ہم بھی چلیں گے۔ میں نے دل میں سوچا کہ جب تک میں کوچ نہ کروں گا یہ لوگ تردد میں رہیں گے اور جلد نکل نہ پاویں گے۔ اس لیے میں اتنے لوگوں کو لے کر چل پڑا۔ یقین ہے کہ اب وہ لوگ بھی چلے ہوں گے، یا اب چلیں گے، مگر آئیں گے ضرور!‘

آپ نے فرمایا کہ مولانا! ’آپ خطوط لکھ کر جا بجا اطلاع بھیج دیں کہ جن لوگوں کو ہمارے ساتھ چلنا منظور ہو وہ جلد آ جاویں۔ اگر دیر کریں گے تو ہمارا قافلہ یہاں سے کوچ کر دے گا پھر راستے میں جہاں مل سکیں گے وہاں آنا ہوگا۔ مگر شرطیں وہی ہیں جن کا ذکر پہلے خط میں ہوا ہے۔ جن لوگوں کو یہ شرطیں منظور ہوں وہ ہزار بھی ہوں تو ہم انہیں اپنے ہمراہ لے چلیں گے، اور جن کو ہماری یہ شرطیں منظور نہ ہوں وہ ہرگز نہ آئیں‘

مولانا نے حکم کی تعمیل میں متعدد خطوط لکھے اور انہیں اپنے وطن کے اطراف ونواح میں بھیجا۔ ادھر تو یہ ہوا، دوسری طرف حضرت سید صاحب نے اپنے خاندان والوں کو ترغیب دینی شروع کی کہ آپ لوگ بھی ہمارے ساتھ حج کی تیاری شروع کر دیں۔ ان کو تو ابتدا ہی سے حضرت سید صاحب کے ارادے پر اشکال تھا۔ وہ اسے ایک انہونی بات سمجھ رہے تھے۔ اب جب حضرت نے براہ راست ان کو دعوت دی تو دل کی بات زبانوں پر آنے لگی کہ ’جو لوگ ہندوستان میں مالدار اور صاحب مقدور ہیں، ان پر حج فرض ہو تو ہو، بعض علما نے ایسے مالداروں پر بھی حج کی فرضیت سے اختلاف کیا ہے۔ کیوں کہ حج کی فرضیت کے لیے جیسے زادوراحلہ کی قدرت شرط ہے اسی طرح امن راہ بھی شرط ہے۔ اور امن کا حال یہ ہے کہ بغیر جہاز کے وہاں جانا محال ہے، اور سمندر میں جان و مال دونوں کی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ اس لیے اہل ہند پر حج کی ادائیگی فرض نہیں ہے اگر چہ کتنا ہی مالدار ہو۔ اور آپ کے پاس تو ایک روز کا بھی خرچ نہیں۔ اس بے سروسامانی کے باوجود آپ خطوط بھیج بھیج کر لوگوں کو سفر حج کی دعوت دے رہے ہیں اور ہم سے بھی فرماتے ہیں تو شاید اپنے ساتھ ان کو بھی حیران و پریشان کریں گے۔ ہم لوگ آپ کے ساتھ نہ جائیں گے۔ اگر آپ جاتے ہیں تو جائیں مگر ہمارے بھائی بہنوں کو اپنے ساتھ لے جا کر تباہ نہ کریں‘

حضرت سید صاحب ان سے فرماتے ہیں:

> ’’ان شاء اللہ ہم اور تم ساتھ ہوں گے۔ راستے میں چل کر دیکھنا کہ اللہ تعالی کس طرح اپنی قدرت اور عنایت سے کھانا پینا پہنچاتا ہے، اور اپنی طرح طرح کی نعمتوں سے پرورش کرتا ہے۔ اور اللہ تعالی کی ذات پاک سے یہ یقین کامل ہے کہ ہم سب اپنے عاجز و محتاج بندوں کو یہاں سے حرمین شریفین تک بآرام تمام پہنچا دے گا اور پھر وہاں سے ساتھ

خیر و عافیت کے یہاں لاوے گا۔''

اسی طرح آپ سمجھاتے رہے مگر وہ اپنے انکار و اشکال پر جمے رہے۔ البتہ آپ کے قرابت داروں میں سے کچھ لوگ آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار تھے۔ اسی دوران مولانا محمد اسماعیل صاحب کا خط سید صاحب کے نام آیا، اس میں انھوں نے لکھا تھا کہ:

''یہاں ہمارے ہمراہ حکیم مغیث الدین صاحب، مولوی وجیہہ الدین صاحب وغیرہ سہارن پور کے اور مولوی وحید الدین صاحب وغیرہ قصبہ پھلت کے اور ان میں اکثر صاحب مع اہل و عیال، عورت مرد ملا کر قریب ڈھائی سو آدمیوں کے ہیں، اور ہم سب گڈھ مکتیشر کے گھاٹ سے کشتیوں پر سوار ہو کر روانہ ہو چکے ہیں۔''

اس خط کے ملنے کے بعد اسی دن صبح کو حضرت سامان سفر ڈلمئو کو روانہ کرنے لگے۔ گویا تیاری مکمل ہو چکی تھی۔

خاندان والوں کو آخری تلقین:

جب روانگی کا قصد پختہ ہو گیا اور اسباب بھیجے جانے لگے تو ایک مرتبہ پھر آپ نے اہل خاندان کو جمع کیا اور ان سے ارشاد فرمایا:

''ہم تم سب صاحبوں کو اتنے روز سے سمجھا رہے ہے کہ ہمارے ساتھ اس سفر باظفر میں تم بھی شریک ہو، مگر کسی صاحب کے خیال شریف میں نہیں آیا۔ اور اب یہ اخیر سمجھانا ہے کہ تم سب محض اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر توکل و اعتماد کر کے اپنا اپنا اسباب سفر لاؤ کہ ڈلمئو بھیج دئے جائیں اور اس امر میں اپنی رائے ناقص کو دخل نہ دو اور ہمارے ساتھ ہو جاؤ۔''

انہوں نے جواب دیا کہ ''ہمارا اسباب تو نہیں آ سکتا اور نہ ہم آپ کے ساتھ جا سکتے، اور نہ آپ کو منع کر سکتے۔ خیر ہم نے آپ کو اللہ کے سپرد کیا۔ آپ تشریف لے جائیں۔'' حضرت نے اس جواب کے بعد ایک مبسوط تقریر فرمائی، وہ من و عن درج کی جاتی ہے۔

سید صاحب کی ایمان افروز تقریر:

''جب سے میں سفر دہلی سے آیا ہوں، کچھ کم ڈیڑھ برس کا عرصہ گزرا ہے۔ تب سے میں تم سب صاحبوں کی خیر خواہی دنیا و آخرت کی بوجھ کر اکثر اوقات بطور نصیحت کے کہتا رہا اور تم

صاحبوں کے خیال شریف میں نہ آیا۔ اور ان روزوں واسطے سفر حج کے طرح طرح سے سمجھا کر کہتا رہا اور اس کو بھی تم نے افسانہ سمجھ کر باتوں میں اڑا دیا اور انکار کیا۔ مجھ پر جو حق قرابت، برادری اور اسلام کا تھا وہ میں نے حتی الامکان ادا کیا۔ اور اسی طور پر تمہارے جو بھائی بریلی، جہان آباد، نصیر آباد اور جائس وغیرہ کے ہیں، بہ نسبت دور والوں کے ان کا حق مجھ پر زیادہ ہے۔ جہاں تک ہوسکا ان کو بھی میں نے وعظ و نصیحت سے سمجھایا۔ اس میں جنھوں نے مانا، مانا، اور نہ مانا، نہ مانا۔ مگر میں نے ان کا حق جو مجھ پر تھا، ادا کیا۔‘‘

’’اور سب تم صاحبوں کے نہ ماننے کا تمہاری ہی گفتگو سے دریافت ہوا کہ تمہارے ذہنوں میں یہ ہے کہ یہ ایک مفلس بے سروسامان محتاج نان ہے۔ چند لوگ مفلس محتاج اپنے پاس جمع کر رکھے ہیں۔ ہم اس کے ہمراہ کیوں جاویں؟ اور مفت کا رنج اٹھاویں۔ سو بات حقیقت میں یوں ہے کہ جو لوگ غربا، ضعفا اور مسکین محتاج میرے ہمراہ ہیں اور انھوں نے ساتھ اخلاص کے فی سبیل اللہ کمر ہمت کی میرے ہمراہ باندھی ہے۔ ان کے واسطے اس رزاق مطلق اور قادر برحق نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ اس سفر باظفر میں تیرے ہمراہ ایک سے ہزاروں تک جتنے ہوں گے، تجھ سے کچھ سروکار نہیں، وہ سب میرے مہمان ہیں۔ اور ان میں سے جن کی اسی سفر میں موت ہے وہ مریں گے، اور باقی سب کو بامراد ان کے گھر پہنچادوں گا۔‘‘

’’سو جب تک میں اس بریلی کے علاقے میں ہوں تب ہی تک ان سب پر تنگی و افلاس ہے۔ ان شاء اللہ جس وقت میں ان کو ساتھ لے کر اس علاقے سے باہر ہوا تب ان کا حال دیکھنے والے دیکھیں گے کہ پروردگار عالم بے سان و گمان اپنے بندوں کے ہاتھوں (روزی) کیوں کر پہنچاتا ہے، اور خدمت کراتا ہے۔‘‘

’’اور جو میں نے لوگوں کو خطوط میں لکھ لکھ کر بھیجا کہ ’’ہمارے پاس نہ کچھ مال ہے نہ خزانہ، صرف اللہ تعالی کی ذات پاک پر توکل و اعتماد کر کے واسطے ادائے حج کے لیے کمر باندھی ہے اور جہاں کہیں خرچ راہ ضروری نہ ہوگا، وہاں ٹھہر کر محنت و مزدوری کریں گے۔ پھر جب خرچ جمع ہوگا تب وہاں سے آگے چلیں گے۔‘‘ اس میں بڑی بڑی مصلحتیں ہیں۔ یہ خلاف، توکل کے نہیں ہے۔ اور یہ بھی اللہ کی طرف سے مجھے معلوم ہے جب ہم لوگ یہاں سے بیت اللہ شریف کو

جاویں گے، تب پیچھے سے مخالف لوگ موافق لوگوں کے رنجیدہ کرنے کی خاطر طرح طرح کی خبریں اڑا دیں گے۔ کوئی کہے گا 'جہاز تباہ ہو گیا، اس میں ڈوب گئے۔' کوئی کہے گا 'ہوائے مخالف خدا جانے ان کے جہاز کو کہاں لے گئی؟' کوئی کہے گا 'ان کو فرنگی پکڑ لے گئے'، کوئی کہے گا 'عرب میں ترکوں نے مار ڈالا' سو ان باتوں پر تم یقین نہ کرنا۔ ان شاء اللہ یہ کچھ نہ ہوگا۔ جس طرح اللہ تعالی ہم لوگوں کو ساتھ خیر کے لے جاوے گا، اسی طرح بعافیت تمام پھیر لاوے گا۔ بلکہ اللہ تعالی ہمارے ان غریب لوگوں کو ایسا خوشحال، صاحب مال کر کے لاوے گا کہ لوگ دیکھ کر تعجب کریں گے کہ یہ وہی محتاج لوگ ہیں یا کوئی اور ہیں! اور از روئے حسرت کہیں گے کہ ہزار افسوس! کیا شامت دامن گیر تھی جو ہم نہ گئے۔''

اس تمام گفتگو کے بعد سید صاحب نے انہیں سلام کیا اور وہاں سے چلے آئے۔

سید محمد جامع کی بیعت:

جس دن حضرت کو اپنے مستقر تکیہ رائے بریلی سے روانہ ہونا تھا، اس سے ایک روز پہلے عصر کی نماز کے بعد حضرت مسجد میں تشریف فرما تھے کہ خاندان کے ایک بزرگ سید محمد جامع صاحب نے ایک آدمی کے ذریعے پیغام بھیجا کہ آپ ایک لحظہ کے لیے فرش مسجد کے شرقی شمالی گوشے پر تشریف لائیں، میں وہیں حاضر ہوتا ہوں، مجھے کچھ کہنا ہے۔ سید صاحب وہاں تشریف لے گئے۔ دوسری طرف سے سید محمد جامع بھی آ گئے۔ وہ بڑے جسیم، قدآور اور فربہ بدن کے تھے۔

آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر مسجد کے چبوترے پر اپنے پاس بیٹھایا اور پوچھا کیا ارشاد ہے؟

انہوں نے کہا 'اس وقت اللہ تعالی کی مجھ پر عنایت ہوئی، میں آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنے آیا ہوں۔ سچ بات تو یوں ہے کہ جب سے آپ دہلی سے تشریف لے آئے ہیں، آپ کی ذات برکات سے ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگوں کو فضل الٰہی سے ہدایت اس ملک میں ہوئی۔ ہم اپنے نفس وشیطان کی شامت اور شرارت سے محروم اور بے نصیب رہے کہ آپ کے فیض سے بہرمند ہوتے۔ سو آگے جو قصور ہم سے ہوا، سو ہوا، اس سے ہماری توبہ ہے۔ اور اب ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ ہمارا کہا سنا آپ معاف کریں۔'

یہ بات سن کر آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

''الحمدللہ کہ اللہ تعالی نے شیطان ملعون کو پشیمان کیا اور آپ کو توفیق خیر عطا فرمائی۔''

اس وقت آپ کے چاروں طرف لوگوں کا ہجوم تھا۔ اس بات سے خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ پھر آپ نے ان سے بیعت لی، اور ان کے لیے ایسی مؤثر دعا فرمائی کہ تمام مجمع کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، کم لوگ ہوں گے جو روئے نہ ہوں۔

پھر اسی روز سید محمد جامع کے منجھلے بھائی سید غلام جیلانی نے اپنا قصور معاف کرایا اور حلقۂ ارشاد میں شامل ہوئے۔ اور ان کے لیے بھی دعا کی۔

گھر سے روانگی:

شوال ۱۲۳۶ھ کی آخری تاریخ تھی، کوچ کی تیاری مکمل ہو چکی ہے۔ حضرت سید صاحب دولت خانہ میں تشریف لے گئے، اندر والوں سے رخصت ہو کر آپ باہر تشریف لائے۔ یہاں لوگوں کا انبوہ گراں تھا۔ ساتھ چلنے والے بھی اور رخصت کرنے والے بھی۔ باہر نکلے تو اپنے دست مبارک سے مستحقین اور خدام کو حسب لیاقت رقوم تقسیم کیے۔ اس سے فارغ ہو کر لوگوں کو ساتھ لے کر سئی ندی کو پار کیا اور وہیں کنارے آموں کا ایک باغ تھا، اس میں ٹھہرے۔ وہاں سید محمد جامع صاحب کے چھوٹے بھائی اور حضرت سید صاحب کے بہنوئی نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے حضرات بیعت سے مشرف ہوئے۔

کچھ دیر اس باغ میں ٹھہر کر آگے روانہ ہوئے۔ ایک میل کے فاصلے پر اور ایک باغ آموں کا تھا۔ وہاں جا کر آپ ذرا اطمینان سے ٹھہرے کہ بعد میں آنے والے بھی آ جائیں۔ اس باغ میں بھی بہت سے افراد نے بیعت کی۔

توکل کی کیفیت:

حضرت سید صاحب کے مالیات کے منتظم قصبہ پھلت کے مولانا محمد یوسف صاحب تھے جو خود ولی کامل تھے۔ گھر سے نکلتے وقت حضرت نے ان سے پوچھا تھا کہ آپ کے پاس کتنی رقم ہے؟ انہوں نے کچھ اوپر سو روپے بتائے۔ آپ نے ان سے لے کر لوگوں میں تقسیم کر دیے۔ جب آپ اس دوسرے باغ میں پہنچے تو پھر ان سے پوچھا کہ کچھ خرچ آپ کے پاس ہے؟ انھوں عرض

کی کہ سات روپئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ:

''اتنے روپیوں سے تو ایک دن کا بھی خرچ پورا نہ ہوگا، اللہ پر توکل کر کے یہ سات روپئے بھی محتاج لوگوں کے حوالے کر دیجئے۔ ہمارے لیے اللہ تعالی کا خزانہ معمور ہے، اور اس کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ وہ آپ ہم عاجز محتاج بندوں کی پرورش کرے گا۔''

مولانا موصوف نے وہ ساتوں روپئے ایک شخص کے حوالے کر دیئے، اور فرمایا کہ انھیں بھنا کر تم سب آپس میں برابر تقسیم کرلو۔

اس کے بعد حضرت نے برہنہ سر ہو کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا اور کہا:

''اے کریم کارساز! تو نے اپنی اتنی مخلوق کو اپنے اس ذلیل بندے کے سپرد کر رکھا ہے۔ آپ ہی چارہ سازی فرمایئے، اور بخیر وخوبی اپنی مہربانی سے اس پورے قافلے کو منزل مقصود پر پہنچایئے۔''

حضرت سید صاحب کے دعا کرنے کا یہ خاص انداز تھا۔ سر پر سے عمامہ اتار دیتے اور انتہائی تذلل اور خشوع وخضوع کے ساتھ دربار الٰہی میں ہاتھ اٹھاتے۔ سید صاحب نہایت مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ اس سفرنامے میں قدم قدم پر آپ حضرت کی دعاؤں کا ظہور دیکھیں گے۔

رحمت الٰہی کا ظہور:

حضرت سید صاحب اس باغ میں تشریف فرما تھے، خلقت کا ایک ہجوم تھا۔ وہ بھی تھے جو قافلے میں شریک تھے۔ اسی باغ میں ان کو شمار کیا گیا تو وہ چار سو پانچ یا سات تھے۔ ایک کثیر تعداد رخصت کرنے والوں اور اس مقدس اور نرالے قافلہ کو دیکھنے والوں کی تھی۔ کئی لوگ قصبہ ڈلمئو کے بھی آگئے تھے۔ کیوں کہ سید صاحب نے اس قافلہ کے لیے دریا کا سفر تجویز کیا تھا۔ ڈلمئو دریائے گنگا کے کنارے ہے۔ وہاں سے دریائی سفر کشتیوں سے شروع ہونے والا تھا، تو اس سفر میں پہلی منزل آپ کی یہی قصبہ ڈلمئو ہونے والا تھا۔ اس لیے وہاں کے متعدد لوگ اس ارادے سے یہاں آگئے تھے کہ حضرت کی روانگی ہو تو وہ آگے بڑھ کر قافلے کی مہمان نوازی اور دعوت کا انتظام کریں۔ انھوں نے حضرت کے سامنے یہ پیش کش رکھی کہ ہم نے اپنے یہاں کا قلعہ خالی کر رکھا ہے اور پانی، گھڑے اور فرش اور دوسرے ضرورت کے سامان اس میں جمع کر دیے ہیں۔ آپ کے ہمراہ

جو عورتیں ہوں گی وہ بھی وہیں اتریں۔ آپ نے فرمایا:

''یہ کام تم نے خوب کیا، مگر کھانا ہم لوگوں کے واسطے تب پکانا کہ جب ہم یہاں سے چل کر وہاں داخل ہوں اور تم کو اجازت دیں۔ اور جو اسباب ہم لوگوں کا یہاں سے جاوے اس کو حفاظت سے وہیں رکھو۔''

یہ فرما کر انھیں رخصت کر دیا، اور باقی لوگوں کو بھی وہیں سے رخصت کرنے لگے۔ اور اپنے بھانجے سید عبدالرحمان صاحب اور اپنے خصوصی خادم اور حاضر باش میاں دین محمد کو تکیہ مکان پر بھیج دیا کہ وہاں کا انتظام مکمل کر کے حج میں جانے والی مستورات کو لے کر ڈلمئو پہنچیں۔ ان لوگوں کو ادھر بھیجا اور خود قافلہ لے کر ڈلمئو کی طرف روانہ ہوئے۔

شوقِ دعوت:

ڈلمئو سے چار میل پہلے آپ نے آموں کے ایک باغ میں تھوڑی دیر کے لیے پڑاؤ ڈالا وہیں ڈلمئو سے دو بھائی آپس میں کش مکش کرتے ہوئے حاضر خدمت ہوئے۔ دونوں بھائی اپنے اپنے گھر دعوت کرنا چاہتے تھے۔ ہر ایک کی آرزو تھی کہ حضرت پہلے اس کی دعوت قبول فرمائیں۔ آپ نے دونوں کو سمجھا کر راضی کیا اور چھوٹے بھائی سے کہا کہ یہ تمہارے بڑے بھائی ہیں، ان کا حق تم پر ہے۔ جو یہ کہتے ہیں وہی سہی۔ پہلے یہ دعوت کریں۔ پھر دوسرے دن تم کرنا۔ خدا چاہے گا تو ہم دونوں کی ضیافت کھائیں گے۔

چنانچہ جب حضرت ڈلمئو پہنچے تو پہلے بڑے بھائی کے یہاں، پھر چھوٹے بھائی کے یہاں پورے قافلے کی ضیافت ہوئی۔ پھر تو دعوتوں کا سلسلہ چل پڑا۔

اسی اثنا میں حضرت کے گھر کی مستورات کا قافلہ بھی آ گیا۔ حضرت نے اپنے خادم میاں دین محمد صاحب سے دریافت کیا کہ وہاں سے فراغت کر آئے ہو؟ انھوں نے عرض کیا 'ہاں سب کچھ تو ہو گیا ہے مگر بار برداروں کے بائیس روپئے دینے ابھی باقی ہیں۔' فرمایا 'الحمدللہ وہ بھی دیدیئے جائیں گے۔'

تھوڑی دیر کے بعد حضرت نے انھیں پچیس روپئے عطا فرمائے، اور فرمایا کہ تین روپئے جو زائد ہیں، انھیں بھی بار برداروں کو بطور انعام کے عطا کر دو۔ اب تو ہم بیت اللہ کو جاتے ہیں،

جب اللہ تعالیٰ لاوے گا تب آئیں گے۔ چنانچہ وہ سارا روپیہ انہیں بخش دیا گیا۔

مواعظ:

چار پانچ روز ڈلمئو میں قیام رہا۔ ان دنوں میں مستقل بیعت کرنے والوں کا سلسلہ رہا۔ لوگ اپنے گھروں میں حضرت کو لے جاتے اور گھر کے تمام افراد بیعت سے مشرف ہوتے۔ ان چار دنوں میں حضرت مولانا عبدالحی صاحب کے مواعظ ہوتے رہے، جن میں وہ شرک وبدعت کی برائی، توحید وسنت کی خوبی اور حج وعمرہ کے فضائل بیان فرماتے۔

حضرت سید صاحب کا وعظ:

ایک روز حضرت سید صاحب نے فجر کی نماز کے بعد ایک مؤثر وعظ فرمایا۔ فرمایا کہ:

''بھائیو! اگر تم سب اپنے اپنے گھر بار چھوڑ کر واسطے ادائے حج وعمرہ کے اس نیت سے جاتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو، تو تم کو لازم ہے کہ آپس میں مل کر ایسا اتفاق اور خلق رکھو جیسے ایک ماں باپ کے نیک بخت بیٹے ہوتے ہیں۔ ہر ایک کی راحت کو اپنی سی راحت اور ہر کسی کے رنج کو اپنا سا رنج جانو۔ اور ایک دوسرے کے کاروبار میں بلا انکار حامی ومددگار رہو، اور ایک دوسرے کی خدمت کو ننگ وعار نہ جانو۔ بلکہ عزت وافتخار سمجھو۔ یہی کام اللہ کی رضامندی کے ہیں۔ اور جب ایسے اخلاق تمہارے اندر ہوں گے تو اور غیر لوگوں کو شوق ہوگا کہ یہ عجیب قسم کے لوگ ہیں، ان میں شریک ہونا چاہئے۔ اور اللہ پر کامل توکل کرو۔ کسی مخلوق سے کسی چیز کی آرزو ہرگز نہ رکھو۔ رزاق مطلق اور حاجت روائے برحق وہی پروردگار عالم ہے۔ وہی ماں کے شکم میں روزی پہنچاتا ہے، پھر وہی وہاں سے ساتھ آسانی کے باہر لاتا ہے، اور باہر لانے سے پہلے ماں کی پستان میں روزی تیار رکھتا ہے۔ پھر وہ لڑکا اسی کی تعلیم سے دودھ پیتا ہے، اور جتنا چاہتا ہے اتنا پی لیتا ہے، باقی مکھی، بال، گردوغبار سے محفوظ تازہ بتازہ ماں کے پستان میں رہتا ہے۔ پھر دوسرے وقت پیتا ہے۔ یہ اسی پروردگار کی روزی رسانی ہے۔ پھر چند مدت میں دودھ چھڑا کر اور غذا کھانے کی تعلیم فرماتا ہے۔ اسی طور سے پرورش کر کے جوان اور جوان سے بوڑھا کرتا ہے۔ اور جو کچھ اس نے جس کی تقدیر میں روزی لکھی ہے وہ بہرصورت اس کو بلا شک وشبہہ پہنچے گی۔ اور یہاں ایک ادنی آدمی جو ہم لوگوں کی دعوت کر جاتا ہے اور چاہے جھوٹ ہی کر جاوے، مگر ہم لوگ اس کے اعتماد پر اپنے گھر میں منع کر دیتے ہیں کہ ہمارے واسطے کھانا نہ

پکانا، فلانے کے یہاں ہماری دعوت ہے۔ یا مثلاً غازی الدین حیدر والی لکھنؤ اس بات کا وعدہ کرے کہ میرے فلاں امیر کے ہمراہ کہ بیت اللہ شریف کو جاتا ہے، جو کوئی جاوے زاد وراحلہ اس کو میں دوں گا، تو ہزاروں آدمی خوشی باخوشی جانے پر مستعد ہو جائیں۔ کچھ بھی اس کی وعدہ خلافی کا شک وشبہہ اپنے دل میں نہ لاویں۔ اور مجھ سے اس شاہنشاہ عالم پناہ، قادر برحق، رزاق مطلق نے وعدہ کیا ہے کہ جو تیرے ساتھ لوگ اس سفر میں ہیں، ان کے کھانے، کپڑے کا کچھ اندیشہ نہ کرو، وہ سب میرے مہمان ہیں۔ اور وہ اپنے وعدے کا سچا ہے کہ جس میں کسی صورت وعدہ خلافی کا احتمال بھی نہیں ہے۔ پھر میں کیوں کر نہ سچ جانوں؟ اور کس بات کا اندیشہ کروں؟ وہ آپ ہم سب بھائیوں کی پرورش کرے گا۔‘‘

’’سو حاصل کلام یہ ہے کہ جن بھائیوں کو یہ سب باتیں منظور ہوں اور میرے کہنے کو سچ مانتے ہوں وہ میرے ساتھ چلیں۔ میں ان کے رنج وراحت کا شریک ہوں۔ اور وہ میری یہی باتیں اپنی اپنی عورتوں کو سمجھا کر کہہ دیں۔ ورنہ ابھی مکان نزدیک ہے، تکلیف سفر کی اٹھانے کی موقوف کریں۔ سفر میں ہر طرح کی تکلیف اور مصیبت ہوتی ہے، وِالّا پھر کوئی بھائی گلہ شکوہ کسی بات کا زبان پر نہ لاویں۔ اور مجھ کو عنایت الٰہی سے امید قوی ہے کہ اس سفر باظفر میں اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے لاکھوں آدمیوں کو ہدایت نصیب کرے گا، اور ہزاروں لوگ کہ دریائے شرک وبدعت اور فسق وفجور میں ڈوبے ہوئے اور شعار اسلام سے مطلق ناواقف ہیں، وہ پکے موحد اور متقی ہوں گے۔‘‘

’’اور جناب الٰہی میں مَیں نے بہت سی واسطے اہل ہند کے دعا کی کہ ’الٰہی! ہندوستان سے راہ تیرے کعبہ کی مسدود ہے۔ ہزاروں مالدار صاحب زکوٰۃ مر گئے اور بہکانے نفس وشیطان کے کہ رستہ امن کا نہیں ہے، حج سے محروم رہے، اور ہزاروں صاحب ثروت اب جیسے ہیں اسی وسوسہ سے نہیں جاتے۔ سو اپنی رحمت سے ایسا راستہ کھول دے کہ جو ارادہ کر لے بے دغدغہ چلا جاوے، اس نعمت عظمیٰ سے محروم نہ رہے۔‘‘

’’سو میری یہ دعا اس ذات پاک نے مستجاب کی اور ارشاد ہوا کہ تیرے حج سے آنے کے بعد یہ رستہ علی العموم ہم کھول دیں گے۔ سو ان شاء اللہ جو بھائی زندہ رہیں گے وہ یہ حال بچشم خود دیکھیں گے۔‘‘

ڈلمئو سے کوچ:

ڈلمئو میں چار پانچ روز قیام رہا۔ اس اثنا میں حضرت کے گھر لوگ اور دوسرے رفقا اور مستورات ڈلمئو پہنچ گئے۔ ڈلمئو والوں نے ایسا انتظام واہتمام کر رکھا تھا کہ قافلہ والوں کو کسی وقت کھانا پکانے کی نوبت نہیں آئی۔ حق تعالی کا وعدۂ مہمانی یہیں سے جلوہ گر ہونے لگا تھا۔ دعوتوں پر دعوت کا سلسلہ تھا۔ قیام کا انتظام بھی بہت عمدہ کر رکھا تھا۔ یہاں سے سفر دریائی راستے سے طے تھا، آپ نے ڈلمئو میں رہ کر پانچ کشتیاں کرائے پر لیں۔ جمعہ کی نماز ڈلمئو میں پڑھی۔

نصرتِ حق:

ادھر قافلہ کے کوچ کی تیاریاں ہو رہی تھیں، ادھر دھلئی اور دھمدہ کے لوگوں کو حضرت کے عزم وارادہ کی اطلاع ہوئی تو وہاں سے کئی لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ بہت دور دور سے لوگ آ کر بستی میں جمع ہیں۔ وہ سب آپ سے بیعت ہونے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ آپ جب یہاں سے چلیں تو ہماری بستی کے کنارے پڑاؤ کریں۔ وہاں دعوت کا کافی انتظام ہم لوگوں نے کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا ’ہم ان شاء اللہ تمہاری بستی میں ضرور اتریں گے۔ مگر دعوت کی تکلیف ہمارے لیے نہ کرو۔‘ انھوں نے اصرار کیا کہ ہماری خوشی اور راحت اسی میں ہے۔ آپ نے فرمایا خیر تمہاری خوشی ہم کو منظور ہے۔

جمعہ کے بعد وہاں سے روانگی تھی۔ قافلہ بڑا تھا، کشتیوں میں سب کی گنجائش نہ تھی۔ حضرت نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ ’آپ ان لوگوں کو جن کے ساتھ عورتیں نہیں ہیں، خشکی کے راستے سے لے چلیں اور موضع دھلئی میں چل کر ٹھہریں۔ وہاں وعظ ونصیحت کریں۔ ہم بھی ان شاء اللہ وہیں آتے ہیں۔‘ چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب تقریباً ڈیڑھ سو آدمیوں کے ہمراہ براہ خشکی ادھر روانہ ہوئے۔

شانِ دل نوازی:

حضرت کے رفقا کشتیوں پر سوار ہو رہے تھے، اسباب لادے جا رہے تھے، اسی دوران قصبہ ڈلمئو کے ایک شخص نے آ کر آپ کی خدمت میں عرض کی کہ چند لوگ بیعت کرنے کو میرے یہاں باقی رہ گئے ہیں۔ اگر آپ وہاں تک قدم رنجہ فرمائیں تو بہتر ہو۔ فرمایا ’بہت خوب چلو‘، پھر

آپ اس کے مکان پر گئے، اور ان لوگوں سے بیعت لی۔ حضرت سید صاحب کی یہ خاص ادا تھی کہ معمولی سے معمولی آدمی کی کمال درجہ دل نوازی فرماتے۔

برکت کے روپئے:

وہاں سے حضرت تشریف لائے تو آپ نے اپنے خزانچی مولانا یوسف صاحب کو سات روپئے دیئے اور فرمایا 'ان کو کسی کپڑے میں باندھ کر بحفاظت تمام اپنے پاس رکھئے۔ یہ ہمارا راہ کا خرچ ہے۔ اور یہ برکت کے روپئے ہیں ان شاء اللہ ان میں بہت برکت ہوگی'

کشتیاں ڈلمئو سے روانہ ہوئیں۔ مغرب کی نماز کشتیوں میں پڑھی گئی۔ نماز کے بعد آپ نے سورہ الحمد کا وعظ کہنا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ اندھیرا بڑھتا گیا۔ دریا میں طغیانی تھی۔ ملاحوں نے خیال نہیں کیا، کشتیاں پانی کے بہاؤ میں دھلئی سے آگے نکل گئیں۔ وہاں گھاٹ پر لوگ انتظار کر رہے تھے۔ انھیں جب اندازہ ہوا کہ کشتیاں گھاٹ سے آگے چلی گئی ہیں تو وہ پکارنے لگے کہ گھاٹ پیچھے رہ گیا۔ کشتیاں واپس لاؤ۔ موسم برسات کا تھا، دریائے گنگا چڑھا ہوا تھا۔ جب تک ملاح کشتیوں کو واپس لاتے پانی کے ریلے میں دور نکل گئیں۔ پھر رسوں سے باندھ کر بڑی دیر میں کنارے گھاٹ تک لا سکے۔

حضرت اور آپ کے رفقا اترے۔ عورتیں کشتیوں میں رہیں۔ حضرت کے لیے ایک ہنس کا انتظام ان لوگوں نے کر رکھا تھا۔ حضرت اپنے رفقا کے ساتھ گاؤں میں تشریف لے گئے۔ مولانا عبدالحی صاحب کا قافلہ آچکا تھا۔ حضرت اور آپ کے قافلہ نے وہاں کھانا کھایا، عورتوں کے لیے کشتی پر کھانا بھیج دیا گیا۔

بہت سے لوگوں نے رات ہی میں آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ پھر دوسرے دن دیر تک بیعت کا سلسلہ رہا۔ بیعت سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے سب لوگوں سے خطاب فرمایا کہ:

''بھائیو! حاصل بیعت کرنے کا یہ ہے کہ جو تم شرک و بدعت کرتے ہو، تعزیہ بناتے ہو، جھنڈے نشان کھڑے کرتے ہو، پیروں شہیدوں کی قبریں پوجتے ہو، ان کی نذر و نیاز مانتے ہو، ان سب کاموں کو چھوڑ دو، اور سوائے خدا کے کسی کو اپنے نفع و ضرر کا مالک نہ جانو، اور اپنا حاجت

روانہ پہچانو۔ اور اگر یہ نہ کرو گے تو فقط بیعت کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔‘‘

آپ کے مختصر کلمات کا یہ اثر ہوا کہ اسی وقت لوگوں نے اپنے اپنے تعزیوں کے چوک کھول کر نکال دیے۔ اور نشان اور پنجوں میں جو چاندی تھی اسے نکال کر حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا کہ اپنے صرف میں لائیں۔

موضع ڈگڈگی:

یہاں سے آپ رخصت ہوئے۔ جب کشتیاں موضع ڈگڈگی کے قریب پہنچی تو وہاں ایک صاحب شیخ محمد پناہ نامی انتظار میں کھڑے تھے۔ ان کی درخواست پر حضرت نے کشتیاں رکوائیں۔ انھوں نے سلام ومصافحہ کے بعد عرض کی کہ میں نے کئی روز سے آپ کی مہمانی کا سامان تیار کر رکھا ہے۔ آپ کے آنے کی خبر سن کر سینکڑوں لوگ اس نواح کے بیعت کے واسطے میرے غریب خانے پر جمع ہیں۔ آپ وہاں تشریف لے چلیں۔ حضرت نے ان کی درخواست قبول فرمائی۔ کشتیاں وہیں کنارے باندھ دی گئیں۔ آپ اپنے رفقا سمیت اتر گئے، عورتیں کشتی پر رہیں۔ آپ ان کے گھر تشریف لے گئے، شام سے رات گئے تک بیعت کا سلسلہ رہا۔

وہاں بھی تعزیوں کے چوک بہت تھے۔ آپ نے تعزیہ داری کے بارے میں انھیں نصیحت کی، شرک وبدعت کی برائی بیان کی۔ چنانچہ اسی وقت چوک کھودوائے گئے، اور نشان اور جھنڈے توڑ دیے گئے۔ لوگوں نے تمام برائیوں سے توبہ کی۔

انوکھی میزبانی:

رات کا قیام وہیں رہا، صبح وہاں سے کشتیاں روانہ ہوئیں، اور شام تک چلتی رہیں۔ شام کو ملاحوں نے کشتیاں ایسی جگہ لنگر کیں جہاں آس پاس آبادی کا کوئی نشان نہ تھا۔ آسمان پر غلیظ ابر چھایا ہوا تھا۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ آپ نے کھانا پکانے کا حکم دیا، لیکن دیکھا تو دریا کے کنارے بہت دور تک کیچڑ اور دلدل تھی۔ کھانے پکانے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ سب کو یقین ہوا کہ آج فاقہ ہی کرنا ہوگا۔ اس وقت حال کچھ ایسا ہی تھا کہ فاقہ کر لینا آسان تھا مگر کھانا پکانا بہت دشوار تھا۔ بارش بھی ہو رہی تھی اور ہوا بھی تیز چل رہی تھی۔ کہیں سے دعوت کی بھی امید نہ

تھی۔ قافلہ نے عشا کی نماز ادا کی۔

اتنے میں کوئی میل آدھ میل کے فاصلے پر کچھ روشنی دکھائی دی۔ غور سے دیکھا گیا تو کچھ لوگ ادھر ہی آتے ہوئے محسوس ہوئے۔ لوگ آپس میں کہہ رہے تھے کہ اللہ جانے یہ کون لوگ ہیں؟ اتنے میں دیکھا کہ ایک انگریز گھوڑا پر سوار کشتیوں کے قریب آیا۔ اس کے ساتھ کئی لوگ تھے، اس نے قریب آ کے پوچھا کہ ’تمہارے پادری صاحب کہاں ہیں؟‘ حضرت نے پکارا ہم یہاں ہیں۔ اس طرف آؤ۔ وہ گھوڑے سے اتر کر خدمت میں حاضر ہوا، ٹوپی اتار کر آداب بجالایا۔ کہنے لگا کہ ’کئی روز سے میں نے آدمی لگا رکھے ہیں کہ آپ آئیں تو مجھے خبر ملے، آج آپ کی خبر ملی تو آپ کے لیے کھانا پکوا کے لے آیا ہوں۔‘

حضرت نے حکم دیا کہ وہ کھانا اپنے برتنوں میں لے لیں، اور باہم بانٹ کر کھالیں۔ وہ کھانا کافی تھا، سب نے آسودہ ہو کر کھایا۔ پھر ملاحوں کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ انگریز نیل کا سوداگر تھا۔

اس رات کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح اپنی قدرت کاملہ سے روزی پہنچائی جس کا کوئی وہم و گمان بھی نہ تھا۔ رات کو وہیں قیام رہا۔ صبح کو کشتیاں روانہ ہوئیں۔ دن بھر کشتیاں چلتی رہیں، شام کو ایک ایسی جگہ قافلہ پہنچا جہاں گنگا کی دھارائیں دو ہوگئیں۔ بڑا دھارا گڑھی مانک جا رہا تھا اور چھوٹا دھارا گنتنی کی جانب جا رہا تھا۔ قافلہ کو گنتنی کی طرف جانا تا تھا مگر ادھر پانی کم تھا۔ رات میں ادھر کشتیوں کو لے جانا مشکل تھا۔ اس لیے وہیں کشتیاں باندھ دی گئیں۔ کل رات کا کھانا قدرے بچا ہوا تھا، اور اس کے ساتھ حضرت کے حکم سے کھچڑی پکا لی گئی، اور سب لوگ کھا کے فارغ ہوگئے۔ اسی دوران موضع گنتنی سے کچھ لوگ آئے اور عرض کرنے لگے ’حضرت! آپ نے یہاں پڑاؤ ڈال دیا ہے حالانکہ آپ کی دعوت کی تیاری ہمارے یہاں بڑے اہتمام سے ہو رہی ہے۔ اب ہم لوگ کیا کریں؟‘ آپ نے فرمایا کہ ’اس دھارے میں پانی کم ہے، اندھیری رات میں اس میں کشتیاں لے جانا مشکل ہے۔ ان شاء اللہ کل سویرے تمہارے یہاں آئیں گے۔‘

صبح سویرے وہاں سے کشتیاں چلیں۔ دن چڑھے قافلہ موضع گنتنی ساحل دریا پہنچ گیا۔ عورتیں کشتیوں پر رہیں، مرد سب اتر کر حضرت کے ساتھ بستی میں آصف زماں خاں رسالدار کے

گھر گئے۔ وہاں دعوت کا سامان تھا۔ وہاں تین روز قیام رہا۔ ان تین دنوں میں بہت سے مردوں اورعورتوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، برائیوں سے توبہ کی، ازسرنو نیک زندگی کا عہد باندھا۔

الہ آباد میں قدرے قیام اوراس کے برکات:

الہ آباد میں شیخ غلام علی صاحب مہاراجہ بنارس کے مختار عام تھے، اورحضرت سید صاحب علیہ الرحمہ کے نہایت مخلص ارادت مندوں میں تھے، اور ساتھ ہی ساتھ نہایت صاحب ثروت تھے۔ انھوں نے حضرت کے قافلے کے استقبال کی خاص تیاریاں کررکھی تھیں۔ سید صاحب گنگا کے دوسرے کنارے الہ باد کے بالمقابل ساحل پر فروکش ہوئے۔ وہیں شیخ غلام علی صاحب کے فرستادہ اصحاب پہنچے، رات کا قیام اسی ساحل پر رہا۔ یہاں سے الہ باد خشکی کے راستے سے ڈیڑھ کوس اور دریا کے راستے ڈھائی کوس ہے۔ کشتیاں دریا کے راستہ سے روانہ ہوئیں۔ قافلے کے بعض لوگ خشکی کے راستے سے چلے۔ سید صاحب کشتی پر تھے۔ شہرالہ باد میں شیخ غلام علی کی تجویز کے مطابق بلوہ گھاٹ پر کشتیاں رکیں۔ آپ کے استقبال کے لیے دریا کے کنارے شیخ غلام علی اور ان کے بیٹے، پوتے وغیرہ، مولوی کرامت علی، صدر امین، حافظ اکرام الدین دہلوی، شیخ محمد تقی قصاب ان کے بھائی شیخ عبداللہ اور وہاں کے نامور پیرزادے شاہ محمد اجمل کے بیٹے شاہ ابوالمعالی وغیرہ موجود تھے۔ ان کے علاوہ قلعہ الہ آباد کے داروغہ بسنتی میاں، رنجیت خان میواتی اور دوسرے بہت سے امرا وغربا کھڑے تھے۔ کشتی کنارے لگی اور حضرت اترے تو سب نے مصافحہ ومعانقہ کیا۔

شیخ غلام علی صاحب:

شیخ غلام علی صاحب الہ آباد کے رئیس اعظم تھے۔ شاہانہ کارخانہ اورامیرانہ ٹھاٹ رکھتے تھے۔ سوتو فقط خدمت گار تھے جو اپنی نوکری پر حاضر ہوتے۔ وہ دونوں وقت شیخ صاحب کے دسترخوان پر کھانا بھی کھاتے۔ کئی طبیب ملازم تھے، اورالگ دواخانہ تھا اور یہ اذن عام تھا کہ غریب محتاج جس دوا کے لیے آئیں، لے جائیں۔

شیخ صاحب موصوف کا تعلق حضرت سید صاحب علیہ الرحمہ سے اس وقت ہوا جب سال ڈیڑھ سال پیشتر آپ پہلی مرتبہ الہ آباد تشریف لائے تھے۔ اس وقت شیخ غلام علی دوسرے حال میں تھے۔ عام امرا ورؤوسا کی طرح شراب، تاڑی، حقہ، مدک اور چرس وغیرہ کے عادی تھے۔ ہر طرح

کی شراب اوراس کے لیے طرح طرح کے ظروف اور پیالے صراحی وغیرہ ان کے یہاں موجود رہتے تھے۔ مختلف طرز کے سنہرے اور روپہلے حقے، بیش قیمت نیچے وغیرہ استعمال ہوتے تھے۔ حضرت جب پہلی مرتبہ الٰہ آباد میں تشریف لائے اور انھوں نے خدمت میں حاضری دی تو آپ کے دست حق پرست پر تمام منہیات شرعیہ سے تائب ہوئے، اور مخلص ارادت مندوں میں شامل ہوئے۔ مرید ہونے کے بعد شراب اور حقے کے ساز وسامان کو توڑ پھوڑ کر دریا میں ڈلوادیا۔ بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ انہیں ضائع کرنے کے بجائے بیچ ڈالئے۔ فرمانے لگے: ''نعوذ باللہ میں برا جان کر بیچ ڈالوں اور دوسرے لوگ اس بلا میں مبتلا ہوں۔ مجھ سے یہ ہرگز نہ ہوگا'' جو برتن چاندی کے تھے انہیں توڑ کر اپنے توشک خانے میں داخل کرلیا، باقی سب دریا میں پھنکوادیا۔ وقائع احمدی میں ہے:

> ''حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے معتقد صادق اور مخلص بے ریا اور محبّ باوفا تھے کہ میں نے تو آج تک کسی کونہیں دیکھا۔'' (ص ۶۳۳)
>
> ''مرید ہونے کے بعد انھوں نے ہمیشہ موٹا کپڑا استعمال کیا۔ بغیر بستر بچھائے کھلی چارپائی اور چھوٹی چارپائی پر کہ پیر نہ پھیلائے جاسکیں، سونے لگے۔'' (کاروان ایمان و عزیمت ص ۱۰۸)

شیخ کا بنگلہ دریائے جمنا کے ساحل پر تھا۔ اس بنگلہ سے ساٹھ ستر قدم کے فاصلے پر راجہ بنارس اودت نرائن کی دومنزلہ وسیع وعریض کوٹھی تھی۔ شیخ صاحب حضرت کو اپنے بنگلہ پر لے آئے، پھر کوٹھی دکھانے لے گئے۔ اسی کوٹھی میں حضرت کے قافلہ کے قیام کا انھوں نے انتظام کررکھا تھا۔ اس میں مردانہ مکانات الگ تھے، اور زنانہ مکانات علاحدہ تھے۔ یہ دومنزلہ کوٹھی تھی۔ حضرت نے نیچے اوپر سب ملاحظہ کیا اور خوشی ظاہر فرمائی۔ شیخ صاحب نے ہر ایک کمرے اور مکان میں پلنگ اور فرش وغیرہ پہلے ہی بچھوادیے تھے، اور ضروری اسباب رکھوادیے تھے۔ کوٹھی کو دیکھ کر آپ بنگلہ پر آئے، کچھ دیر کے بعد قافلہ کی باقی ماندہ کشتیاں بھی ساحل پر بنگلہ کے نیچے آگئیں۔ پورا قافلہ مرد و عورت سمیت مذکورہ کوٹھی میں حضرت کی ہدایت وتقسیم کے مطابق فروکش ہوگیا۔ مردانہ حصہ کا ایک حصہ آپ کے تصرف میں رہا۔ شیخ صاحب نے پورے قافلہ کی ضیافت کی۔ کھانے میں پلاؤ اور

بریانی تھی۔ حضرت کا قیام وہاں پندرہ روز سے زیادہ رہا۔ دن میں دو بار کھانا شیخ صاحب کی طرف سے آتا۔ دن میں پلاؤ کی دیگیں آتیں اور پورانی، ہر روز شام کو خمیری روٹیاں، گوشت اور دہی وغیرہ مٹھائی بہت افراط سے ہوتی۔ اس وقت قافلہ میں سات سو افراد ہو چکے تھے۔ ان کے علاوہ شہر کے غربا بھی دسترخوان پر ہوتے، روزانہ ڈیڑھ دو ہزار آدمیوں کا کھانا پکتا تھا۔

شیخ غلام علی سے الٰہ آباد کے بعض اصحاب ثروت نے عرض کیا کہ حضرت سید صاحب آپ کے یہاں اترے ہیں اور ہر روز آپ ہی کی طرف سے دعوت ہوتی ہے۔ ہم لوگوں کی بھی آرزو ہے کہ ہم بھی حضرت کو اپنے مکان پر لے جائیں اور خدمت کریں، کھانا کھلائیں۔ شیخ نے ان سے بہت خوشامد کے ساتھ کہا کہ ”بھائیو! ضیافت کا احسان تو میرے ہی اوپر رہنے دو، تم کوئی تکلیف نہ کرو، اور جو تمہاری خوشی ہو تو کچی دعوت کرو۔ وہ یہ کہ اپنے گھر لے جاؤ، نذر پیش کرو، پان کھلاؤ، عطر لگاؤ، گھر والوں کو بیعت کراؤ۔“ شیخ صاحب کی بات سب نے قبول کی۔ پھر لوگ ایک ایک کر کے سید صاحب کو اپنے گھر لے جاتے، اپنے اہل وعیال کو مرید کراتے، کچھ نذرانہ پیش کرتے۔ نذرانہ کے علاوہ اگر کسی کو دعوت ہی کرنی منظور ہوتی تو دعوت کے لیے رقم پیش کرتا۔ کسی نے دو سو، کسی نے سو، کسی نے پچاس اور کسی نے پچیس روپے پیش کیے۔

کچی دعوت:

چنانچہ مولوی کرامت علی صدر امین، شیخ محمد تقی، بستی میاں اور نجیب خان نے دو دو سو روپے پیش کیے۔ کچھ لوگ وہاں جوتوں کے سوداگر تھے، جیسے حافظ نجابت علی، محمد حسین اور عبدالقادر وغیرہ انھوں نے آپس میں مل کر دو سو روپے حاضر کیے۔ قلعہ کے میگزین کے خلاصیوں نے دو سو روپے جمع کر کے پیش کیے۔ دعوت اور نذر کے یہ تمام روپے حضرت نے اپنے خزانچی مولانا یوسف صاحب کے پاس رکھوا دیے۔

برکت کی انتہاء:

ایک روز مولانا یوسف صاحب نے حضرت سے کہا کہ ’میرے پاس روپیوں کی جو تھیلی ہے وہ بھر گئی ہے، باقی پیسے میں نے دوسروں کے پاس رکھ دیے ہیں۔ اب اس کی کیا تدبیر کی

جائے؟' آپ نے فرمایا' سب روپئے جمع کر کے ایک صندوق میں رکھ دیجئے اور وہ سات روپئے جو آپ کے پاس کپڑے میں بندھے ہوئے ہیں، وہ بھی اسی میں رکھ دیں، اور کچھ رقم بقدر خرچ کرنے کے اپنے پاس رکھو۔' چنانچہ مولانا نے ایسا ہی کیا۔

حضرت کی دعا کی برکت:

الٰہ آباد میں رنجیت خاں میواتی حضرت کے بڑے معتقد تھے، اور بڑے سوداگر اور صاحب ثروت تھے۔ وہ بھی حضرت کی خدمت میں پیش پیش تھے۔ پہلے وہ بہت غریب اور مفلوک الحال تھے۔ حضرت سال ڈیڑھ سال پہلے جب الٰہ آباد تشریف لائے تھے، اس وقت وہ نہایت مفلس اور پریشان حال تھے، اور شیخ محمد تقی صاحب جو الٰہ آباد کے بڑے رؤسا میں تھے، ان کے یہ دوست بھی تھے، اور ان کے یہاں ملازمت بھی کرتے تھے۔ شیخ محمد تقی نے کئی بار اس موقع پر حضرت سے درخواست کی کہ رنجیت خان کے لیے دعا فرمادیں۔ حضرت نے وعدہ فرمایا کہ ہم ان شاءاللہ ضرور دعا کریں گے۔

اب سنئے کہ رنجیت خاں کے لیے دعا کیوں کر ہوئی؟ اور اس کی قبولیت کس شان سے ہوئی؟ واقعہ یہ ہوا کہ انھیں دنوں حضرت سید صاحب علیہ الرحمہ ایک روز بستی میاں کے گھر تشریف لے گئے۔ شیخ محمد تقی بھی ہمراہ تھے۔ ایک شخص نے بستی میاں کو اطلاع دی کہ دھومن خان رافضی کئی ہتھیار بند لوگوں کے ساتھ سید صاحب کی واپسی کی راہ پر بیٹھا ہوا ہے کہ جب سید صاحب ادھر سے آئیں گے تو میں اپنے لوگوں سے تبرا کہلاؤں گا۔ بستی میاں کو غصہ آیا، انھوں نے اپنا آدمی بھیجنا چاہا کہ دھومن خاں سے کہہ دے کہ تم نے جو فساد کا ارادہ کیا ہے، یہ ٹھیک نہیں ہے۔ سید صاحب ہمارے پیرومرشد ہیں اور ہمارے مہمان ہیں۔ اگر فساد ہی کرنا منظور ہو تو جواب دو۔ پھر جو کچھ ہوگا ہم بھی دیکھ لیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ بے جا بات ہے، فساد کرنا کچھ ضرور تو نہیں۔ ہم وہ راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے سے چلے جائیں گے۔ انھوں نے عرض کی کہ حضرت سلامت! یہ بات ہرگز نہ ہوگی۔ ہم اسی راستے سے چلیں گے۔ اگر آج اس سے ہم دب جائیں گے تو ہمیشہ دبایا کرے گا۔ آپ کچھ دیر یہیں ٹھہریں، ہم خود ہی بندوبست کر لیتے ہیں۔ اب انھوں نے بجائے دھومن خان کے انگریز جنرل کے پاس آدمی بھیجے، اور ساری صورت حال اسے بتادی اور کہا کہ

اندیشۂ فساد ہے، آپ اس کا کچھ انتظام کریں۔ جنرل کو جب یہ اطلاع ملی تو وہ دھومن خان پر بہت خفا ہوا۔ حالانکہ دھومن خان انگریزی حکومت میں بڑا معزز تھا۔ کیوں کہ یہ بستیوں کا اجارہ دار اور حاصل گزار تھا۔ جنرل نے بستی میاں کو پیغام کہلایا کہ آپ بے فکر رہیں، ہم انتظام کیے دیتے ہیں۔ پھر جنرل نے اپنا چپراسی کوتوال کے پاس بھیجا کہ رائے بریلی کے سید صاحب جو شاہ اجمل کے دائرے میں ٹھہرے ہیں اور آج وہ بستی میاں کے گھر ہیں، دھومن خان اپنے کچھ سپاہیوں کے ساتھ فلاں راستے پر فساد کی نیت سے بیٹھا ہوا ہے، تم اس کا انتظام کرو، اور شہر کے ہر تھانے کو ہدایت کر دو کہ سید صاحب جس وقت اور جہاں چاہیں، آتے جاتے رہیں، شہر میں کوئی مزاحمت نہ کرے۔ کوتوال کو جب یہ حکم ملا تو اس نے فوراً ایک جمعدار اور دس سپاہیوں کو دھومن خان کے پاس بھیجا کہ راستہ خالی کر کے وہ اپنے مکان پر چلا جائے۔ اس کے چلے جانے کے بعد پھر بستی میاں کو اس انتظام کی خبر کر دو۔ اور سید صاحب کو بتا دو کہ شہر میں وہ کہیں بھی بے تکلف آ جا سکتے ہیں، کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

حضرت وہاں سے اٹھے۔ ساتھ یہ دسوں سپاہی مع جمعدار کے تھے۔ بستی میاں کے گھر سے ابھی نکلے ہی تھے کہ دیکھا کہ رنجیت خاں پندرہ بیس بندوقچیوں کے ساتھ آپ کی حفاظت کے ارادے سے آ رہے ہیں۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ گھر جاؤ، اور ہتھیار کھول دو۔ شام کو شیخ تقی کے مکان پر ہم سے ملنا۔

شام حضرت نے مغرب کی نماز چوک کی مسجد میں پڑھی۔ رنجیت خان اپنے لوگوں کے ساتھ وہاں حاضر تھے۔ نماز کے بعد آپ سب کو لے کر شیخ تقی کے مکان پر آئے، حضرت نے شیخ صاحب سے فرمایا کہ اس وقت جب رنجیت خان اپنے لوگوں کے ساتھ ہماری حفاظت کے لیے آئے تھے، اور ہتھیار باندھے ہوئے تھے، تو ایک بلوے کی صورت ہو گئی تھی۔ یہ بات ہم کو پسند نہیں آئی، مگر ان کی ہوشیاری، دلیری اور خیر خواہی سے ہمیں بہت خوشی ہوئی۔ آپ شیخ بھائی ان کے لیے ہم سے کیا کہتے ہو؟ انھوں نے عرض کی کہ یہ بھائی بھتیجے بھی حاضر ہیں، اور میں بھی امیدوار ہوں۔ آپ میرے لیے اور سب بھائیوں کے لیے دعا فرما دیں۔ اس مجلس میں شیخ تقی کے بھائی شیخ عبداللہ بھی آ گئے۔ ایک لڑکا جوان کا بھتیجا یا بھانجا تھا، قادر بخش اسے بھی بلایا، اور عرض کیا کہ یہ یتیم

ہے، اس کے واسطے بھی دعا کریں۔ حضرت نے اسے اپنے پاس بٹھالیا، اس مجلس میں تیس چالیس آدمی تھے۔ آپ کا دعا میں ایک خاص انداز تھا، وہ یہ کہ سر سے صافہ اتار دیتے، اور ننگے سر نہایت الحاح وزاری کے ساتھ دعا فرماتے۔ چنانچہ اسی شان سے آپ نے دعا فرمائی اور سامعین نے آمین کہی۔

دعا سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے ایک دستار منگائی، اور رنجیت خان کے سر پر باندھ دی، اور خلافت نامہ لکھ کر دیا، اور روزی کی فراخی اور کشائش کے لیے برکت کے پانچ روپئے دیے۔ ایک روپیہ ان کے بھائی کو دیا، اور دستار خلافت بھی دی، اور بھی متعدد لوگوں کو ایک ایک روپیہ دیا، اور قادر بخش کے واسطے فرمایا کہ ابھی تو یہ نابالغ لڑکا ہے، مگر جب بالغ ہوگا تب ان شاء اللہ اس کا حال دیکھنا کہ کیا خیر وبرکت اس کے نصیب میں ہوتی ہے۔

حضرت کی اس دعا کے بعد رنجیت خان کا حال بدلا، اللہ نے دینداری کے ساتھ مال ودولت سے خوب نوازا۔

الہ آباد اور اس کے اطراف ونواح کا انتظام:

موضع جھنی میں حضرت نے وعدہ کیا تھا کہ شیخ لعل محمد کو الہ آباد میں کچھ تعلیم کریں گے، کچھ تدبیر بتائیں گے۔ چنانچہ شیخ لعل محمد، شیخ محمد وزیر، ان کے چاروں بیٹے اور موضع چہری کے دونوں بھائی زمیندار خدمت میں حاضر ہوئے، اور ہر ایک کے ساتھ ان کی بستیوں کے کافی لوگ تھے۔ ان میں جن لوگوں نے ابھی تک بیعت نہیں کی تھی، وہ بیعت ہوئے۔ حضرت نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ ان بھائیوں کو نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ وغیرہ کے ضروری مسائل تعلیم فرمائیں۔ پھر ہمارے پاس لائیے، جو کچھ ہم کو کہنا ہوگا ہم کہیں گے۔

مولانا نے سب کو اکٹھا کر کے مسائل سمجھائے، پھر حضرت کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے شیخ لعل محمد کو، شیخ محمد وزیر اور ان کے دونوں بیٹوں کو اور چہری کے دونوں بھائیوں کو خلافت نامہ دیا، اور اپنا خلیفہ بنایا۔ اور آنے والوں میں جو لوگ مناسب تھے انہیں بھی خلافت سے نوازا۔ کسی کو کرتا دیا، کسی کو عمامہ، کسی کو ٹوپی عطا فرمائی، اور سب کے لیے دعا کی، اور شیخ وزیر کو ایک روپیہ برکت کا دیا۔

پھر سب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

''بھائیو! کچھ مدت للہ فی اللہ اپنے نواح اور اطراف کی بستیوں میں دورہ کرو اور مسلمانوں کو توحید اور طریق اسلام سکھاؤ، اور شرک و بدعت سے بچاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم کو اجر عظیم عطا کرے گا۔''

حضرت کا یہ کلام سن کر سب نے عرض کی کہ آپ کا فرمانا سچ ہے، مگر ہم کو عذر یہ ہے کہ ہم اقسام شرک و بدعت سے واقف نہیں کہ کن کاموں کو شرک کہتے ہیں؟ اور کن کو بدعت؟ دوسرے یہ کہ عموماً لوگ شعائر اسلام سے محض ناواقف ہیں، ان کو ہدایت کی باتیں سکھانا اور راہ راست پر لانا، ہم لوگوں کے لیے بہت دشوار ہے۔ آپ نے فرمایا:

''ان کی ہدایت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، نہ میرے اختیار میں ہے نہ تمہارے اختیار میں۔ جو تم اس امر میں للہ فی اللہ چند مدت کوشش کرو گے تو اس کا اجر عظیم خدا سے پاؤ گے، اور مفت میں جنت کماؤ گے۔''

یہ بشارت سن کر وہ لوگ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ آپ کا فرمان قبول ہے۔ پھر عصر کا وقت ہو گیا۔ نماز پڑھ کر آپ شیخ غلام علی صاحب کے بنگلے پر تشریف لے گئے۔ پیچھے سے وہ لوگ بھی حاضر خدمت ہوئے۔ شیخ صاحب نے پوچھا کہ آپ نے ان لوگوں کو رخصت کرنے کی کیا تدبیر کی ہے؟ آپ نے فرمایا 'کچھ باتیں تعلیم کرنی ان کو باقی ہیں، وہ تعلیم کر کے ایک دو روز میں رخصت کر دیں گے۔' ان لوگوں نے عرض کی کہ لوگوں کو تعلیم و تلقین کرنے کو جو آپ نے فرمایا 'اگر اس کے لیے شیخ صاحب کو بھی مقرر فرما دیں تو ان کی وجہ سے ہم لوگوں کو بڑی قوت حاصل ہو گی۔ اس لیے کہ وہ یہاں کے نامی سردار ہیں، اور بڑے علاقہ دار اور صاحب اقتدار ہیں۔' آپ نے فرمایا کہ 'میرا بھی یہی ارداہ تھا، مگر تم نے اس وقت کہا تو خوب کہا' اور شیخ صاحب سے فرمایا کہ 'شیخ بھائی! تمہارے علاقے کی بستیوں میں جو مسلمان بستے ہیں، ان کی تعلیم و تلقین کے لیے ہم نے تم کو مقرر کیا۔' شیخ صاحب نے کہا کہ 'آپ کا فرمانا بجا ہے مگر میں ابھی خود آپ کی تعلیم اور تلقین کا محتاج ہوں، اور مزید اس علاقے کے لوگ طریق اسلام سے محض نابلد ہیں، کوئی ان کو کیوں کر تعلیم کرے گا؟'

حضرت نے فرمایا کہ 'شیخ بھائی! اک ذرا تم پس و پیش نہ کرو۔ ان کو ہدایت تو اللہ اپنے

فضل وکرم سے کرے گا۔ تم جو چند روز ان کو دین اسلام سکھاؤ گے تو اجر عظیم پاؤ گے۔ اور اس کی تدبیر بہت آسان ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان زمیندار لوگوں کا اکثر کاروبار سرکار و دربار سے تعلق رکھتا ہے۔ تم ان کے حامی و مددگار رہو، وہ تمہاری سرکار کے مال گزار ہیں۔ اس میں جس قدر تم سے ہو سکے حسب استطاعت روپے لینے میں تخفیف کرو۔ تمہارا یہ احسان جب ان پر ہوگا تو جو کچھ تم ان سے کہو گے، سب بغیر انکار کے مانیں گے۔‘

شیخ صاحب نے کہا ’اگر یہی بات ہے تو بہت آسان ہے۔ ان شاء اللہ میں یہ کام ضرور کروں گا۔‘ اور اسی وقت اپنے چپراسی سے کہا کہ توشہ خانہ کے داروغہ نصرت کو بلاؤ۔ جب وہ آئے تو ان سے بتاکید کہا کہ جو زمیندار ہماری بستیوں سے یہاں تحصیل کا روپیہ لے کر آویں، وہ ہم سے بے ملے نہ جانے پاویں۔

پیرزادوں کے کرتوت:

اس مجلس میں شیخ صاحب کے سابق پیر بھی موجود تھے مگر حضرت کو خبر نہیں تھی کہ یہ شیخ موصوف کے قدیمی پیر ہیں۔ شیخ صاحب نے حضرت سے عرض کی کہ ’جو کچھ تعلیم و تلقین آپ نے فرمائی، وہ سب بجا ہے۔ مگر یہاں ایک اور مصیبت ہے، اس کو کیا کریں۔ علاقہ الٰہ آباد میں صدہا بستیاں ہیں، اور ان میں یہ دستور ہے کہ پیرزادے دورہ کرتے ہیں۔ ان کی دعوتیں اور مہمانیاں مقرر ہیں۔ یہ پیرزادے مرید سے کچھ لے کر ان کا روزہ نماز سب معاف کر دیتے ہیں اور تاڑی، شراب، بھنگ وغیرہ پینے کی اجازت دیدیتے ہیں۔ اور اسی طرح ڈوم، ڈھاڑی، دفالی اور مخنث وغیرہ ہر کسی کے یہاں شادی و غمی میں آتے ہیں اور گاتے بجاتے ہیں، اور اپنا معمول جو مقرر ہے، لے جاتے ہیں۔ ان لوگوں میں سے کچھ یہاں بھی اس وقت موجود ہیں اور مجھ سے کہتے ہیں کہ تم نے تو ہر ایک بری بات سے توبہ کر لی ہے، اور سید صاحب کے مرید ہو گئے ہو۔ اب آپ اس بارے میں بھی کچھ ہدایت فرما دیجئے کہ میں ان کے اس سوال کا کیا جواب دوں؟‘

حضرت کا حکیمانہ جواب:

حضرت نے فرمایا کہ ’شیخ بھائی! تم نے خوب بات یاد دلائی۔ یہی سوال موضع اجھنی وغیرہ کے لوگوں نے بھی کیا تھا۔ حقیقت اس کی یہ ہے کہ جو پیرزادے اپنے مریدوں سے کچھ لے کر نماز

روزہ معاف کر دیتے ہیں، یا کچھ لے کر شراب، تاڑی وغیرہ پینے کی اجازت دیتے ہیں۔ اگر ان سے از روئے قسم پوچھو کہ تمہارے معاف کر دینے سے یہ چیزیں معاف ہو جاتی ہیں؟ تو ہرگز نہ کہیں گے۔ یہ صرف پیٹ کے واسطے مکر وفریب ہے۔ اور اس طور سے تمہارا دینا اور ان کا لینا، دونوں کے حق میں برا ہے۔ اب اس کی یہ تدبیر کرنی چاہئے کہ جو کچھ تم لوگ پیرزادوں کو چھ ماہی یا سالانہ دیا کرتے تھے، اب اس سے کم یا زیادہ بلا تعیین للہ فی اللہ سمجھ کر ان کو دیا کرنا۔ اس لیے کہ فی الحال ان کے معاش کی اور کوئی صورت نہیں ہے۔ پھر چند مدت میں ان شاء اللہ اس طرح تم لوگوں سے خیرات لینی برا جان کر خود ہی ترک کر دیں گے، اور اپنی روزی کے واسطے کوئی پیشہ اختیار کر لیں گے۔ اور اسی طور للہ فی اللہ سمجھ کر اپنی شادی غمی میں ڈوم، ڈھاڑی دفالی وغیرہ کو دیا کرنا مگر ان سے گانے بجانے کی خدمت نہ لینا۔‘

آپ کی اس ہدایت کو لوگوں نے بہت پسند کیا، اور آئندہ اس پر عمل کرنے کا تہیہ کر لیا۔

حافظ اکرام الدین دہلوی کو خلافت اور نصیحت:

پھر آپ نے اسی مجلس میں حافظ اکرام الدین دہلوی کو جو کہ وہاں جوتے کی دوکان کرتے تھے، بلایا، اور ان سے فرمایا کہ ہم تم کو اپنا خلیفہ بناویں گے، اور جو بھائی اجھنی، اسرولی وغیرہ کے ہیں، ان کو تمہارے تابع کریں گے۔ تم الہ آباد کے اطراف ونواح کی بستیوں میں لوگوں کی ہدایت کے واسطے دورہ بھی کرنا اور ہر جمعہ کو شیخ صاحب کی اسی بنگلہ پر وعظ بھی کہنا۔

آپ کی بات سن کر حافظ صاحب نے عذر کیا کہ اول تو میں سوائے دوکانداری کے کوئی صورت اپنی گذران کی نہیں رکھتا، تنگ معاش آدمی ہوں۔ اور دوسرے یہ کہ وعظ ودرس کہنے کی مجھ کو لیاقت نہیں، کم علم ہوں۔ اس کے لیے بہت علم چاہئے۔ مجھ سے یہ کام کیوں کر ہوگا؟

آپ نے فرمایا کہ آج عشا تک ہمارے پاس رہو۔ دستور یہ تھا کہ تمام لوگ کھانا بعد نماز مغرب کھاتے تھے، اور سید صاحب کے لیے ایک خوان جدا آتا تھا۔ اس کو آپ بعد نماز عشا تناول فرماتے تھے۔ اس روز عشا کی نماز وہیں شیخ صاحب کے بنگلے پڑھی گئی۔ بعد فراغ نماز حافظ صاحب اور اجھنی وغیرہ کے زمینداروں کو اپنے پاس بٹھایا اور اپنا کرتا حافظ صاحب کو عنایت فرمایا اور خلیفہ بنایا، اور ان کے واسطے دعا کی۔

شیخ غلام علی کی بلند ہمتی:

پھر شیخ غلام علی سے حضرت نے فرمایا کہ 'پانچ روپے ماہ بماہ خرچ کے واسطے ان کو دیا کریں، اور جب یہاں ہوں تو اپنے دستر خوان پر کھانا کھلایا کریں۔ اور ہر جمعہ کو یہ آپ کے بنگلے پر وعظ کہا کریں گے۔'

شیخ نے عرض کیا کہ 'جو کچھ آپ نے فرمایا ہے، مجھے قبول ہے مگر مسجد یہاں نہیں ہے جو بعد جمعہ وعظ کریں۔ اور اگر اس وقت وعظ کہیں گے تو سننے والے کم آویں گے۔ سو اس کی یہ صلاح میرے خیال میں آتی ہے کہ بعد نماز فجر سورج نکلنے کے وقت وعظ شروع کیا کریں، اور جو لوگ سننے آویں ان کے لیے کھانا میرے یہاں تیار رہو۔ پانچ چھ گھڑی دن چڑھے وعظ سن کر کھانا کھا کر سب اپنے اپنے گھر چلے جایا کریں۔

حضرت نے شیخ صاحب کی یہ بلند ہمتی بہت پسند کی اور یہی وقت وعظ کہنے کا مقرر فرمایا۔

چوراسی بستیوں کی تعلیم کا انتظام:

پھر اس کے بعد آپ وہاں سے حافظ صاحب اور اجھنی وغیرہ کے زمینداروں کو ساتھ لے کر اپنی قیام گاہ پر آئے، اور جو خوان کھانے کا آپ کے واسطے آیا تھا، اس کو منگایا اور ان سب کو بٹھا کر اپنے ساتھ کھلایا۔ اور بعد تناولِ طعام آپ نے دعا کی، اور ان زمینداروں سے کہا کہ 'ہم نے تمہاری تعلیم و تلقین کے واسطے ان حافظ صاحب کو مقرر کیا ہے، تم سب ان کے تابع رہنا۔ اور حافظ صاحب سے کہا کہ تم ان بھائیوں کی تعلیم اور خیر خواہی میں کوتاہی مت کرنا۔ ان شاء اللہ تم اپنے وعظ و نصیحت کا حال اب دم بدم ترقی پذیر دیکھو گے۔ اور یہاں کی چوراسی بستیوں کے مسلمانوں کی تعلیم و تلقین کے لیے تم کو مقرر کیا ہے۔ ان مسلمانوں کی ہدایت اللہ کے یہاں مقرر ہو چکی ہے۔ تم اپنے دوروں اور تعلیم و تلقین میں کوتاہی نہ کرنا۔ تم مفت میں ماجور و مشکور ہو گے۔

شیخ غلام علی کا معمول:

اس سفر میں حضرت کا قیام جب تک شیخ صاحب کے یہاں رہا، ان کا معمول تھا کہ جب بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے، تو کوئی عمدہ بیش قیمت ہتھیار ضرور ساتھ لاتے۔ دن بھر

میں ایک بار، دوبار اور کبھی تین بار۔ کبھی ایک یا دو یا تین تلواریں مصقل روپہلی قبضہ کی، ہر ایک میں دریائے سرخ کا رومال گوٹ دار بندھا ہوا، لاکر نذر کرتے۔ کسی وقت عمدہ فولادی چھری یا کوئی پیش قبض یا کوئی بندوق لاکر پیش کرتے۔ دو یا تین روز تک تو آپ نے کچھ نہیں فرمایا، جو پیش کیا اس کو قبول کرلیا۔ جب ہر وقت اور ہر روز کے لیے انھوں نے یہی دستور مقرر کرلیا تب آپ نے فرمایا کہ ’شیخ بھائی! ہم تو بیت اللہ شریف کو واسطے ادائے حج کو جاتے ہیں، وہاں ہتھیار لے جانے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ آپ ہر وقت اور ہر روز یہ تکلیف کیوں کرتے ہیں؟ جب اللہ تعالیٰ ہم کو مع الخیر لاوے گا تو ہم آپ سے لیویں گے۔ ابھی یہ ہتھیار اپنے پاس رہنے دیں۔‘

جواب میں شیخ صاحب نے عرض کیا کہ ’اول تو مجھ کو یہ نہیں معلوم کہ آپ جہاد کہاں کریں گے؟ اسی ملک میں یا کسی اور ملک میں؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ مجھ کو خود اپنی زندگی کا بھروسہ نہیں کہ جب تک آپ وہاں سے بخیر و عافیت تشریف لاویں گے تب تک میں زندہ رہوں گا یا نہیں؟ اور اس عرصہ میں اگر میں مرگیا تو میری آرزو باقی رہ جاوے گی۔ اور میرے بعد خدا جانے یہ مال و اسباب کس کے ہاتھ لگے۔ اس لیے میری خواہش یہی ہے کہ آپ میرے پاس سے لے جاویں۔ پھر آپ کو اختیار ہے جہاں چاہیں وہاں رکھ دیویں۔‘

آپ نے فرمایا ’اللہ تم کو جزائے خیر دیوے، جیسی تمہاری خوشی ہو۔‘ پھر اس کے بعد جو کچھ وہ لاتے تھے آپ قبول فرمالیتے تھے۔

شیخ غلام علی کی دریادلی:

الٰہ آباد میں حضرت کے ہمراہ مرد و عورت ملاکر کچھ کم یا زیادہ پانچ سو لوگ تھے۔ شیخ صاحب نے ایک روز سب کو ایک ایک روپیہ اور دو دو جوڑے کپڑے دیے۔ مردوں کو دو پائجامے، دو انگرکھے، دو ٹوپیاں، ایک چادر اور ایک جوڑا جوتا۔ یہ عام تقسیم تھی، اس میں سب شامل تھے۔

اس کے علاوہ ایک خاص تقسیم تھی کہ حضرت کے عزیزوں اور قریبوں کو دس دس روپئے دیے اور قافلہ میں جو عالم، فاضل، مولوی، حافظ، ذی عزت لوگ تھے، ان میں سے ہر ایک کے رتبے کے موافق کسی کو پانچ، کسی کو آٹھ، کسی کو دس روپئے دیے۔ اور ایک روز پانچ سو یا کچھ زیادہ لٹھے کے احرام نو یا دس ہاتھ لمبے ایک کپڑے میں باندھ کر لائے، اور عرض کی کہ جہاں سے احرام

باندھنے ہوں، وہاں سب لوگوں کو تقسیم کر دیا جائے۔

پھر ایک روز آپ نے اپنے تمام اہل وعیال کو مرید کرایا، اور کوئی بیس پچیس کشتیوں میں اسباب اور نقد آپ کی نذر کو لائے۔ دو کشتیوں میں تو روپئے تھے مگر تعداد نہیں معلوم کہ کتنے تھے؟ اور کئی کشتی میں زنانے کپڑے سلے ہوئے تھے۔ کسی میں کمخواب کے تھان، کسی میں ڈھاکے ململ کے تھان، کسی میں گلبدن اور اطلس کے تھان، کسی میں پگڑیاں تھیں۔ اور دو مجلد قرآن مجید نہایت خوش خط مطلا کئی ہزار کا خرید کر حضرت کے سپرد کیا، اور عرض کی کہ ان میں سے ایک بیت اللہ شریف میں وقف کے لیے ہے، اور دوسرا مدینہ منورہ میں۔

شیخ غلام علی کے قرض کا قصہ اور سید صاحب کی دعا:

ایک روز شیخ صاحب اپنے بنگلے میں حضرت سے کچھ اپنے کارخانے کی باتیں کر رہے تھے۔ اس مجلس میں مولوی کرامت علی صدر امین اور رنجیت خان بھی موجود تھے۔ انھوں نے باتوں باتوں میں حضرت سے کہا کہ اس قدر عالی جاہ کارخانہ ہونے کے باوجود شیخ صاحب کوئی سوا لاکھ کے قرض دار ہیں۔ یہ بات سن کر حضرت نے شیخ صاحب سے کہا کہ یہ کیسی بات ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ بات تو یوں ہی ہے، یہ سچ کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اتنا لمبا چوڑا خرچ کیوں رکھتے ہو؟ یہ تو بہت بے جا بات ہے۔

شیخ صاحب تو کچھ نہیں بولے مگر اور لوگوں نے عرض کیا کہ ’حضرت! آپ ان کے لیے دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالی ان کا قرض ادا کرا دے۔‘ یہ سن کر آپ نے دیر تک سکوت فرمایا، اس کے بعد کہا کہ ’شیخ بھائی! یہ بات آپ ہم سے کسی اور وقت پوچھ لیویں۔‘ پھر کچھ دیر کے بعد آپ وہاں سے مکان پر تشریف لائے۔

اگلے روز بعد نماز فجر ان کے بنگلہ پر گئے اور وہاں الگ بیٹھ کر شیخ صاحب باتیں کیں۔ پھر وہاں سے آپ اور شیخ صاحب اٹھ کر لوگوں میں آ کر بیٹھ گئے، اور سب سے کہا کہ ’بھائیو! شیخ صاحب کے واسطے دعا کرو کہ اللہ ان کا قرضہ ادا کرا دیوے۔‘ اور ننگے سر ہو کر دعا فرمانے لگے، اور سب لوگ آمین کہنے لگے۔

بعد فراغ دعا کے آپ نے شیخ صاحب سے فرمایا کہ ’اس سفر حج میں کم وبیش تین برس ہم کو لگیں گے۔ ان شاء اللہ ہمارے آتے آتے تمہارا قرضہ ادا ہو جاوے گا یا قدرے قلیل باقی رہ جاوے۔‘

مقصد برآری کے لیے عمل مجرب:

مزید فرمایا کہ ایک عمل مجرب ہم بتلاتے ہیں، اگر اس کو کرو تو بہت خوب ہو۔ اور وہ عمل پورا نہ ہونے پاوے گا کہ ان شاء اللہ تمہارا مطلب پورا جاوے گا۔

وہ یہ ہے کہ سوا لاکھ مرتبہ سورہ مزمل پڑھو، جتنے دن میں ہو سکے۔ اس طور سے کہ ہر روز اول وآخر گیارہ گیارہ مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھو۔ اور جہاں پڑھو وہ جگہ پاک ہو، اور جو پوشاک پہنے ہو وہ بھی پاک ہو، کپڑوں میں خوشبو لگایا کرو، اور قبلہ رو ہو کر پڑھو۔ اور اگر خوشبو نہ ملے تو کوئی حرج نہیں۔ اور اس میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ دوران عمل کسی مسلمان کی غیبت نہ کرو، صحبت بد میں نہ بیٹھو اور گوشت بھی نہ کھاؤ۔

اگر ان منہیات میں سے کوئی بات کرو گے تو یہ عمل اثر نہ کرے گا اور اگر چاہو کہ توبہ کر کے پھر سے شروع کر دوں، تب بھی سات برس تک کچھ نہیں ہوگا۔ ہاں سات برس کے بعد پڑھو گے تو شاید فائدہ کرے، اور اگر نہ کرے تو بھی عجب نہیں۔

قلعہ کی سیر:

حضرت جب تک الہ آباد میں قیام فرما رہے دعوت شیخ صاحب نے کی، مگر دو روز دو جگہ اور بھی دعوت کھانے کا اتفاق ہوا۔ ایک تو قلعہ میں بستی میاں کے یہاں، اور دوسری شاہ اجمل صاحب کے دائرے میں۔ اول تو شاہ اجمل کے دائرے میں قافلہ سمیت حضرت کی دعوت ہوئی۔ پھر اس کے بعد بستی میاں نے آپ کے پاس آ کر عرض کی کہ سو آدمی کی اجازت قلعہ دار صاحب سے میں نے لے لی ہے، سو آپ کو قلعہ دیکھنے کے واسطے وہاں تک چلنا ہوگا۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے مگر سو آدمیوں کو لے کر جانا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ خدا جانے وہ اپنے دل میں کیا خیال کریں؟ بستی میاں نے کہا ’حضرت! کوئی بات نہیں۔ آپ کے واسطے تو اذن عام ہے۔ جتنے آدمیوں کے ساتھ چاہیں چلیں، اور جہاں چاہیں وہاں جائیں۔ سو دو سو آدمیوں کو تو بلا اجازت میں خود لے جا

سکتا ہوں۔' آپ نے فرمایا کہ 'خیر تب ہم چلیں گے۔'

اگلے روز کچھ دن چڑھے آپ دو سو آدمیوں کے ساتھ قلعہ میں تشریف لے گئے۔ یہ خبر قافلہ میں جب پہنچی تو دو دو چار چار کر کے قریب دو سو آدمی مزید قلعے میں پہنچ گئے۔ پہلے تو بستی میاں نے آپ کو شاہی مکان میں جو سب مکانوں سے بلند تھا، لے گئے۔ آپ تو ایک جگہ بیٹھے، اور لوگ ادھر ادھر سیر کرنے لگے۔ وہیں بستی میاں نے شیرینی منگائی اور تقسیم کی۔ رات میں کورے گھڑوں میں ٹھنڈا پانی بھروا کر رکھ دیا تھا، سب نے اس کو پیا۔ پھر حضرت اٹھ کر گنگا جمنا کا تماشہ دیکھنے لگے۔ عجیب کیفیت دریا میں نظر آتی تھی جو بیان سے باہر ہے۔ برسات کا موسم تھا، کوسوں تک پانی ہی پانی معلوم ہوتا تھا۔ پھر آپ وہاں سے اتر کر نیچے آئے۔ انگریزی میگزین کا کارخانہ دیکھا، طرح طرح کے ہتھیار، قسم قسم کے جنگی باجے، رنگ برنگ کی توپیں اور ان کے گولے، اور خدا جانے کیا کیا جنگی آلات تھے کہ ان کے نام بھی نہیں معلوم۔

میزبانوں کی پریشانی:

اس عرصہ میں کھانا پک کر تیار ہو گیا مگر بستی میاں نے سو آدمیوں کا کھانا پکوایا تھا، اور لوگ دونے سے بھی زیادہ تھے۔ ان کو پریشانی ہوئی کہ اب کیا کریں؟ آخر کو اپنے آدمیوں سے مشورہ کرنے لگے کہ یا تو جلد اور کھانا تیار کیا جائے یا پھر بازار سے شیرینی منگوائی جائے۔ یہ بات سید صاحب کو معلوم ہوئی تو آپ نے جمعدار سے پوچھا کہ 'بھائی! کیا بات ہو رہی ہے؟' پہلے تو اس نے ٹالنے کی کوشش کی مگر پھر اصل پریشانی ذکر کی۔

سید صاحب کی کرامت:

سید صاحب نے فرمایا کہ 'مزید کھانا پکانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جو کھانا پکا ہوا موجود ہے وہ برتن سمیت ہمارے حوالے کر دو، اور اپنے لوگوں کو بھی ہمارے ساتھ کھانے کے لیے بٹھا دو۔ پھر دیکھنا اللہ اتنے ہی کھانے میں کیسی برکت دیتا ہے۔'

انہوں نے حسب ہدایت کھانا لا کر حاضر کیا۔ کھانا پلاؤ تھا۔ آپ نے برتنوں میں کھانا نکلوایا اور دو کونڈے الگ رکھوا دیے کہ یہ کھلانے والوں کا حصہ ہے۔ بستی میاں کے لوگوں کو بھی اپنے لوگوں کے ساتھ بیٹھا دیا، اور لگنوں اور کونڈوں میں کھانا نکلوا کر سب کے سامنے رکھوا دیا اور لوگوں

نے کھانا شروع کیا۔

ہندو مزدور جو قلعہ میں سرکاری کام کر رہے تھے وہ دور سے کھڑے دیکھ رہے اور آپس میں کہہ رہے تھے کہ کھانا فی آدمی پاؤ سیر بھی نہیں آوے گا، ان لوگوں کا پیٹ کیوں کر بھرے گا؟

جب تمام لوگ بخوبی کھا کر فارغ ہو گئے تو بستی میاں نے عرض کی کہ کھانا تھوڑا تھا، لوگ بھوکے ہوں گے، اور آپ نے مزید پکوانے کی اجازت بھی نہیں دی۔ سید صاحب نے فرمایا کہ اپنے لوگوں سے پوچھو، ان میں سے کوئی بھوکا ہے؟ اگر وہ بھوکے رہ گئے ہوں گے تو ہمارے لوگ بھی بھوکے ہوں گے۔ انھوں نے دو چار آدمیوں سے پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ ہم نے تو آسودہ ہو کر کھایا، مزید کھانے کی اب گنجائش نہیں ہے۔ تب وہ کہنے لگے کہ یہ صرف آپ کی برکت ہے ورنہ کھانا تو آدھے آدمیوں کا بھی نہیں تھا۔

غیر مسلموں کے لیے ہدایت کی دعا:

جو ہندو تماشہ دیکھ رہے تھے وہ کہنے لگے کہ یہ میاں صاحب تو کوئی دیوتا معلوم ہوتے ہیں۔ اور بستی میاں سے کہا کہ آپ اپنے میاں صاحب سے کہیے کہ ہمارے واسطے بھی کچھ دعا کریں۔ انھوں نے حضرت سے عرض کی، آپ نے فرمایا کہ ’ان سے کہو کہ ایک طرف کھڑے ہو جائیں۔‘ پھر آپ نے فرمایا کہ ’سب لوگ ان کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالی ان کو ہدایت نصیب کرے، اور ان سے راضی ہو۔‘ پھر وہاں سے رخصت ہو کر اپنے مکان اقامت پر تشریف لائے۔

مبتدعین کا استفتا:

جب حضرت بلدہ الہ آباد میں فروکش ہوئے تھے، اس کے دوسرے یا تیسرے دن مجلس میں حضرت نے لوگوں کے سامنے مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا اسماعیل صاحب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ’جس وقت میں تکیہ سے واسطے سفر حج بیت اللہ شریف کے عازم ہوا تو اس وقت میری حویلی اور مسجد کے تمام در و دیوار غم فرقت سے زار زار بے قرار ہو کر رونے لگے۔ میں نے ان کو تسلی دے کر کہا کہ ان شاء اللہ بعد چند مدت کے پھر آ کر تم سے ملوں گا۔‘

بعضے مخالفین و مبتدعین جو اس مجلس میں موجود تھے، یہ سن کر متعجب ہوئے کہ کتنی خلاف عقل گفتگو کرتے ہیں؟ بھلا اینٹ پتھر اور در و دیوار بھی کسی کے غم فرقت سے روتے ہیں۔ پھر انھوں

نے خفیہ استفتا لکھ کر ڈاک سے دہلی حضرت مولانا ومرشدنا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کے پاس بھیجا کہ 'ایک شخص یہاں اس طور سے خلاف عقل بات کر کے لوگوں کو اپنے دام فریب میں لاتا ہے، اور اپنی کرامت جتاتا ہے۔ ایسے شخص کی کیا سزا ہے؟'

شاہ عبدالعزیز صاحب کا جواب:

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے جواب تحریر فرما کر بھیجا کہ 'خاصان خدا کے غم فرقت سے زمین وآسمان کا رونا ثابت ہے۔ چنانچہ اللہ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے "فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ" اور ستون حنانہ حضرت سرور کائنات ﷺ کے مفارقت کے غم سے رویا تھا۔ اگر کوئی شخص اس مرتبہ کا ہو تو مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس کی عزت وتکریم کریں اور اس کی حقانیت کے معتقد ہوں۔'

جب یہ جواب آیا تو سارے مخالفین اپنے اپنے گریبانِ خجالت میں سر ڈال کر رہ گئے۔ یہ استفتا اور اس کا جواب ان لوگوں نے بہت چھپانا چاہا مگر ظاہر ہو گیا۔

بادشاہی مسجد کی آبادکاری:

حضرت امیرالمومنین نے الہ آباد میں پہلا جمعہ چوک کی مسجد میں ادا کیا۔ مسجد چھوٹی تھی، زیادہ آدمیوں کی گنجائش نہ ہوئی۔ صدہا لوگ کپڑے بچھا بچھا کر بازار میں کھڑے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود بہت سے لوگوں کو جگہ نہیں مل سکی تھی، ویسے ہی رہ گئے۔

بعد فراغ نماز آپ کو یہ حال معلوم ہوا تو آپ کو کمال ناگواری ہوئی۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ 'بادشاہی مسجد قلعہ کے سامنے کی بہت وسیع ہے۔ آج سے نماز اسی مسجد میں ہوا کرے گی۔ یہ بات لوگوں کو بہت پسند آئی۔'

وہ مسجد خدا جانے کتنی مدت سے ویران پڑی تھی۔ ایک آدمی بھی وہاں نماز نہیں پڑھتا تھا۔ پھر آپ نے اس مسجد کو صاف کرایا، اور جمعہ کی نماز وہیں ہونے لگی، اور مولانا عبدالحی صاحب کا وعظ بھی۔

ایک غلط رسم پر تنبیہ:

الہ آباد اور اطراف شہر کی بستیوں میں، کیا شرفا اور کیا غربا علی العموم سب میں برسوں سے

یہ رسم جاری تھی کہ شادی وغمی کی دعوت وغیرہ میں دیہاتی لوگ ہندوؤں کی طرح پتریوں میں کھلاتے اور اکثر شہر کے لوگ مٹی کی رکابیوں میں۔ اور جو کچھ کھانا کھانے کے بعد بچ جاتا وہ پتریوں اور رکابیوں سمیت گھورے پر پھینک دیتے۔

جب حضرت الہ آباد تشریف لے گئے اور یہ حال لوگوں کا سنا اور دیکھا تو یہ عادت آپ کو بہت بری اور ناپسند معلوم ہوئی۔ اول تو اس عادت بد سے شیخ غلام علی صاحب کو منع کیا، اور فرمایا کہ ’کھانا نعمت الٰہی ہے، سو اس کو اس طرح ساتھ ذلت وخواری کے پھینکنا جیسے کوئی گندگی کو پھینکتا ہے، کمال بے ادبی اور نہایت بری رسم ہے۔‘

یہ بات سن کر شیخ صاحب نے تو اسی وقت اس فعل سے توبہ کی اور جن لوگوں نے سنا وہ بھی تائب ہوئے۔ رہے اور لوگ تو ان کے واسطے آپ نے حافظ اکرام الدین صاحب کو تاکید فرمائی کہ جہاں بھی تم وعظ کہنا اور شرک وبدعت وغیرہ کی برائی بیان کرنا، وہاں اس رسم بد کی بھی ضرور برائی بیان کرنا اور یہ بری عادت لوگوں سے چھڑانا۔

الہ آباد سے کوچ:

الہ آباد میں قریب ایک مہینے قیام رہا، اس کے بعد کوچ کی تیاری ہونے لگی۔ حضرت نے کشتیوں پر اسباب چڑھانے کی اجازت دی۔ قافلہ کا تمام اسباب دو روز کے اندر پانچ کشتیوں پر چڑھا دیا گیا، پھر عورتوں کو سوار کرایا گیا۔ کچھ عورتیں تو بعد نماز عشا کے سوار ہوئیں، باقی فجر کے بعد سوار ہوئیں۔ اس کے بعد مرد سوار ہوئے۔

مرزا پور میں داخلہ:

برسات کا موسم تھا، دریا نہایت طغیانی اور زور پر تھا۔ ہوا موافق تھی، اسی روز شام کو ناویں مقابل مرزا پور کے دوسرے کنارے پر جا لگیں۔ مغرب کا وقت ہو چکا تھا، کنارے کے متوازی ریت کا میدان تھا۔ سب لوگ اترے اور وضو کیے۔ حضرت نے فرمایا کہ ’ہم اس وقت نماز مغرب اور عشا ملا کر پڑھیں گے۔‘ اکثر لوگوں نے آپ کے ساتھ دونوں نمازیں پڑھیں۔ بعض نے صرف مغرب پڑھی۔ پھر سب لوگ سوار ہوئے۔ ملاح نے کشتیوں کو دوسرے کنارے لے جا کر مرزا پور کے نیچے لگا دیا۔ وہاں اور بھی بہت مال بردار سوداگروں کی کشتیاں تھیں۔ ملاحوں کو

جہاں جگہ ملی کشتی کھڑی کردی، رات بھر لوگ وہیں کشتیوں پر رہے۔

ملاحوں کے ساتھ حسن سلوک:

بعد نماز فجر شیخ عبداللطیف مرزاپوری اور بہت سے شرفا و غربا حضرت کو لینے آئے۔ حضرت کی کشتیوں کے اردگرد جو سوداگروں کے مال و اسباب سے لدی کشتیاں کھڑی تھیں، ان کے ملاحوں سے لوگوں نے کہا کہ کشتیوں کو یہاں سے ہٹا کر کہیں اور لے جاؤ۔ حضرت نے فرمایا کہ نہیں، یہ کیا بات ہوئی؟ ہماری کشتیاں رات میں آئیں ہیں، اور یہ پہلے سے یہاں کھڑی ہیں۔ ان کو جہاں ہیں وہیں رہنے دو۔ لوگوں نے عرض کی کہ ’حضرت! یہاں کا قانون ہے کہ جب کسی معزز شخص کی ناؤ آتی ہے تو سوداگروں کی ناویں ہٹا دی جاتی ہیں۔‘ آپ نے فرمایا کہ ’ہم کو تمہارے یہاں کا یہ قانون پسند نہیں ہے کہ اپنے آرام کے لیے دوسروں کو ایذائیں دو۔‘

ایک ناؤ روئی سے لدی ہوئی حضرت کی ناؤ کے برابر کھڑی تھی۔ آپ نے اس کے مالک سے پوچھا کہ ناؤ ہٹانے میں تمہارا کیا نقصان ہے؟ اور یہاں رہنے میں کیا فائدہ ہے؟‘ اس نے کہا کہ ہمارا گودام یہاں سے قریب ہے، لوگ مزدور لانے گئے ہیں۔ مزدور آجاویں تو دو چار گھڑی میں ناؤ خالی ہو جاوے۔ پھر اس کے بعد ملاح جہاں چاہے، ناؤ لگائے۔ اور اگر ابھی یہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ لگا دی جاوے تو مجھے مزدوری زیادہ پڑے گی۔ آپ نے کہا بس اتنی سی بات ہے۔ اس کے بعد ملاح سے پوچھا کہ اگر تمہاری ناؤ خالی ہو جائے تو پھر یہاں کشتی کا کوئی کام تو نہیں ہے؟ اس نے کہا خدا سے، میں کب سے چاہتا ہوں کہ ناؤ خالی ہو اور میں یہاں سے لے جاؤں۔

روئی کا گودام وہاں سے چالیس پچاس قدم پر تھا۔ آپ نے لوگوں سے کہا کہ ’بھائیو! یہ روئی کے گٹھے اتار کر ناؤ خالی کر ڈالو۔‘ آپ کا اتنا فرمانا تھا کہ صدہا لوگ اس کشتی سے لپٹ گئے، اور روئی کے گٹھے اتار کر گودام کے دروازے پر پہنچانے لگے، دو گھڑی میں ناؤ خالی ہو گئی۔

جو لوگ حضرت کو لینے آئے تھے یہ دیکھ کر متعجب ہوئے، اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ لوگ تو عجیب طرح کے ہیں۔ روئی والوں سے نہ جان نہ پہچان، بے مزدوری للہ فی اللہ ان کا اتنا کام کر دیا۔ بے شک یہ خدا والے لوگ ہیں اور جو لوگ ان کو وہابی اور بزرگوں کا منکر کہتے ہیں وہ محض مفتری اور بہتانی ہیں۔

محمد خان کے حق میں دعا:

پھر کچھ لوگوں نے دریا پر حضرت سے بیعت کی۔ اس کے بعد شیخ عبداللطیف وغیرہ سب مل کر آپ کو شہر لے گئے۔ اور شیخ موصوف نے لے جا کر اپنے گھر بیٹھایا۔ وہاں بیعت کرنے والوں کا بے شمار ہجوم ہوا۔

بیعت کے درمیان محمد خان جو وہاں کے بااثر اور معزز لوگوں میں تھے، اپنے لوگوں کو لے کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد کئی لوگوں نے آپ سے عرض کی کہ یہ محمد خان جو ابھی گئے ہیں، مالدار تو نہیں ہیں مگر بڑے جتھے والے اور نامی آدمی ہیں۔ آٹھ نو سو لوگ تو خود ان کی برادری اور عزیز و اقربا میں ہیں۔ بستی کے دیگر لوگ ان کے تابع اور طرفدار ہیں، اور یہ لوگ بدعتیوں کے سرخیل ہیں۔ اگر کسی طرح یہ لوگ راہ راست پر آ جاویں تو پورا شہر پاک ہو جاوے۔ آپ ان کے لیے دعا کریں۔

آپ نے فرمایا کہ 'ہدایت کرنا اللہ کے اختیار میں ہے، میرے قابو کی بات نہیں'۔ کچھ دیر کے بعد پھر لوگوں نے محمد خان کے حق میں دعا کے لیے کہا۔ آپ کچھ دیر سکوت میں رہے اس کے بعد فرمایا کہ 'اچھا سب بھائی مل کر دعا کریں'۔ اور آپ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے۔

دعا کے بعد حاضرین میں سے کسی نے جا کر محمد خان سے کہا کہ شیخ عبداللطیف کے مکان پر ابھی سید صاحب نے تمہارے لیے دعا کی ہے۔ خان صاحب موصوف یہ خبر سن کر کمال متعجب ہوئے اور خوش ہوئے۔

دعا کی قبولیت:

ظہر کے وقت حضرت نے شیخ عبداللطیف سے پوچھا کہ نماز کہاں پڑھیں گے؟ انھوں نے عرض کیا کہ اس محلّہ میں دو مسجد ہیں، ایک میری اور دوسری محمد خان کی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم محمد خان کی مسجد میں چل کر نماز پڑھیں گے۔ یہ خبر محمد خان کو ہوئی تو انھوں نے اپنی برادری والوں سے کہا کہ ظہر میں سید صاحب یہاں تشریف لاویں گے تم سب لوگ بھی کپڑے بدل کر حاضر ہو جانا۔

پھر سید صاحب وہاں تشریف لے گئے۔ سب نے وضو کر کے سنّتیں پڑھیں۔ موذن نے اقامت کہی، مسجد میں جو امام مقرر تھے وہ نیک بخت اور دیندار تھے۔ انھوں نے حضرت سے

عرض کی کہ آپ امامت کریں۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس مسجد کے امام ہو، حق تمہارا ہے۔ انھوں نے کہا کہ لائق اور سزاوار امامت کے آپ ہیں۔ آپ کی موجودگی میں مجھے امامت زیب نہیں دیتی۔

سید صاحب نے نماز پڑھائی، نماز کے بعد دعا کی، اور مصلی پر جانب مشرق سب کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے۔ محمد خان نے عرض کی کہ حضرت میری خطا معاف ہو۔ آپ کی خدمت میں مجھ سے بہت گستاخیاں اور بدگمانیاں ہوئیں۔ آپ نے فرمایا کہ 'ہم تمہارے بھائی ہیں تم ہمارے بھائی ہو۔ گستاخی اور خطا تمہاری کچھ نہیں۔' پھر پہلے محمد خان نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، اس کے بعد ان کے عزیز واقربا اور دوست واحباب سب نے بیعت کی۔ اس کے بعد مولانا عبدالحی صاحب کا وعظ ہوا۔

فاحشہ کی توبہ اور اس کی عرضداشت:

اسی مجلس میں ایک فاحشہ کسبن اپنے ناپاک پیشے سے تائب ہو کر مرید ہوئی، اور کہنے لگی کہ اب میں آپ کے قافلے میں رہوں گی۔ آپ نے فرمایا کہ بہتر ہے چلو۔ پھر آپ وہاں سے اس کو ساتھ لے کر کشتیوں کے پاس آئے، اور سید عبدالرحمان سے کہا کہ اس نیک بخت کو پھلت والوں کی ناؤں میں کہیں بٹھا دو۔ وہ اس کو لے کر ناؤ کے پاس پہنچے تھے کہ عورتیں شور مچانے لگیں کہ یہاں کوئی جگہ خالی نہیں ہے دوسری ناؤ پر لے جاؤ۔ نامراد واپس آ کر حضرت سے صورت حال عرض کی تو آپ نے فرمایا کہ مولوی وحیدالدین سے کہہ کر اسی ناؤ پر کسی جگہ بٹھا دو۔ انھوں نے جا کر مولوی صاحب سے کہا۔ مولوی صاحب نے عورتوں سے کہا تو عورتیں کہنے لگیں کہ یہ عورت بازاری ہے، فاحشہ ہے، ہم تو اپنی ناؤ پر نہ بٹھاویں گے۔

مولانا اسماعیل صاحب کا حسن انتظام:

مولانا اسماعیل صاحب بھی وہیں ناؤ کے پاس کھڑے تھے۔ جب انھوں نے یہ صورت حال دیکھی تو مولوی وحیدالدین سے کہا کہ ہماری بہن رقیہ سے کہہ دو کہ اس عورت کو اپنے پاس بلا کر بٹھالیں، اور اس کو نیک بات کی نصیحت کریں، اور دین اسلام کی باتیں سکھلاویں۔

بی بی رقیہ یہ باتیں سن رہی تھیں۔ انھوں نے کہا کہ بھیا سے کہہ دو کہ وہ اس کو بھیج دیویں۔ اس عورت کو ناؤ پر سوار کر کے سید صاحب کے پاس گئے اور اطلاع کر دی کہ وہ عورت ناؤ پر

سوار ہوگئی ہے۔

شیخ عبداللطیف کے مکان پر تشریف بری:

اگلے روز آپ شیخ عبداللطیف کے مکان پر تشریف لے گئے۔ شیخ صاحب نے اپنے اہل وعیال کو مرید کرایا، اور خود مرید ہوئے۔ اور ایک تھالی میں چار سو روپئے لاکر سید صاحب کے آگے رکھے، اور کہا کہ یہ روپئے زکوۃ کے ہیں، جن کو آپ مناسب جانے اپنے لوگوں میں بانٹ دیں۔

محمد خان کے مکان پر دعوت:

اسی روز شام کو محمد خان کے مکان پر ان کے بھائی بندوں نے آپس میں مل کر قریب تین سو آدمیوں کی دعوت کی۔ بعد تناول طعام آپ نے محمد خان سے کہا کہ 'خان بھائی! تم نے دعوت تو خوب کی اور کھانا بھی تمہارا بڑے مزے کا پکا۔' خان صاحب نے عرض کی کہ ان سب بھائیوں نے مل کر دعوت کی ہے۔ میں اس لائق کہاں کہ آپ کی دعوت کروں؟ فقط پندرہ روپئے مہینے کا ایک گوشائیں کے یہاں نوکر ہوں۔ اس مشاہرہ میں میرا ہی خرچ پورا نہیں ہوتا، مگر اب جب کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کر چکا ہوں تو میری نیت یہ ہے کہ اس کافر کی نوکری چھوڑ دوں، اللہ تعالی رازق ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر تم خدا کے واسطے یہ نوکری چھوڑ دو گے تو اس سے زیادہ اللہ تم کو روزی دے گا، اور اس سے بہتر روزی دے گا۔

سید صاحب کی برکت:

پھر محمد خان نے عرض کی کہ 'حضرت! یہاں شادی غمی اور محرم وغیرہ کی مشرکانہ رسوم میں لوگوں نے مجھ کو سرخیل سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ یہ سب میری برادری والے جو یہاں موجود ہیں، اور آپ سے بیعت کی ہے، کرتے ہیں۔ آپ ان کو نصیحت کر دیں کہ مشرکانہ رسوم سے باز آجائیں، یا ان کو میرے سپرد کر دیں کہ میں ان کو نصیحت کرتا رہوں۔'

حضرت نے فرمایا کہ 'بہت خوب، ہم نے آپ کو اس کی اجازت دی۔' اور سب لوگوں سے پکار کر کہہ دیا کہ 'بھائیو! جو کچھ تم لوگ شادی غمی، محرم وغیرہ میں خلاف شرع کرتے ہو سب چھوڑ دو، اور جو محمد خان تم کو نصیحت کیا کریں، اس کو مانا کرنا، اور اگر نہ مانو گے تو تم جانو، ہمارا کیا نقصان؟

جیسا کروگے ویسا پاؤ گے۔'

یہ بات سن کر لوگوں نے اسی وقت بہت سے تعزیہ رکھنے کے چبوترے کھود ڈالے۔ اس کے بعد حضرت نے ایک روپیہ برکت کا محمد خان کو عنایت کیا، اور فرمایا کہ اس کو بحفاظت تمام روپیوں کی تھیلی میں رکھنا اور خرچ نہ کرنا، اس کی برکت سے اللہ بہت روپئے دے گا۔

صلاح دنیا اور فلاح آخرت کے لیے وظیفہ:

پھر آپ وہاں سے شیخ عبداللطیف کے مکان پر آئے، اور وہیں عشا کی نماز پڑھی، اور کچھ دیر بیٹھے۔ خدا بخش نامی ناگور کے میاں جی جو شیخ صاحب کے لڑکوں کو پڑھاتے تھے، انھوں نے حضرت سے عرض کی کہ آپ میرے واسطے دعا کریں کہ اللہ مجھ سے راضی ہو، اور دین و دنیا میں مجھ کو فلاح دے۔ آپ نے ہنس کر فرمایا کہ 'تم تو خود میاں جی (آج کے عرف میں جس کو ''مولوی صاحب'' کہا جاتا ہے) ہو اور تم کو معلوم ہے کہ قرآن مجید اللہ کی نعمتوں کا خزانہ ہے۔ اسی میں سے کوئی آیت پڑھا کرو۔' انھوں نے عرض کی کہ بے شک قرآن مجید نعمتوں کا خزانہ ہے مگر آپ جس آیت کی اجازت دیویں، میں اس کو پڑھا کروں۔ آپ نے فرمایا کہ ہر روز ''اِنَّ اللّٰـهَ هُوَ الـرَّزَّاقُ ذُوالـقُـوَّةِ الْمَتِيْن'' گیارہ سو بار، اول و آخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ لیا کرنا۔ اللہ تعالیٰ تمہارا دنیا کا مقصود پورا کرے گا۔ اور فلاح آخرت کے واسطے ''سَلَام قَوْلًا مِنْ رَبِّ الرَّحِيْم'' پڑھا کرو۔

پھر دیگر لوگوں نے بھی اس وظیفہ کی اجازت چاہی، آپ نے سب کو اجازت دی۔ لوگوں نے دعا کی درخواست کی، آپ نے ننگے سر ہو کر دعا کرائی اور حاضرین نے آمین کہی۔ پھر آپ وہاں سے کشتی پر تشریف لائے اور سو رہے۔

باغ کا حال:

صبح فجر کی نماز کے لیے شیخ صاحب کی مسجد آئے، اور وہیں تھوڑی دور پر شیخ صاحب کا نیبو، نارنگی، امرود، کیلے وغیرہ کا باغ تھا۔ نماز کے بعد حضرت کو باغ میں لے گئے۔ باغ میں ایک پختہ مکان بنوا رکھا تھا، اس میں بٹھایا اور دو تین ٹوکری امرود اسی باغ کے لا کر خدمت میں پیش کیے۔ آپ نے اپنے لوگوں میں تقسیم کرا دیے۔ اس کے بعد شیخ صاحب نے باغ کی زمین کا حال بیان کرنا شروع کیا کہ زمین بالکل ناکارہ اور خراب ہے، صدہا روپئے میں نے اس باغ کے لیے

خرچ کیے مگر درخت ہیں کہ نہ خوب اچھی طرح بارآور ہوتے ہیں اور نہ ہی خدمت کے موافق بڑھتے ہیں۔ اس کی آمدنی خرچ سے کم ہی ہوتی ہے، اور اس گردوپیش جو باغ ہیں ان کا بھی یہی حال ہے۔ سو میں چاہتا ہوں کہ اس کے واسطے آپ دعا کریں۔

یہ گفتگو سن کر آپ وہاں سے اٹھے اور ادھر ادھر چہل قدمی کرنے لگے، اور مالیوں اور سقے سے پوچھنے لگے کہ تم کتنی مدت سے اس باغ کی خدمت کرتے ہو؟ اس باغ کی زمین تو بہت اچھی ہے۔

بہترین مشورہ:

پھر آپ نے شیخ صاحب سے کہا کہ اس زمین میں تو کچھ نقصان نہیں معلوم ہوتا۔ بات یہ ہے کہ تم اس کی زکوۃ نکالو۔ انھوں نے پوچھا کہ اس کی زکوۃ کیا ہوگی؟ آپ نے فرمایا کہ اب کی سال جو کچھ میوہ پیدا ہو وہ سب مسکینوں اور محتاجوں کو بانٹ دو۔ اس کے بعد دوسرے سال سے جو میوہ پیدا ہوا کرے اس کو اپنے صرف میں لانا، مگر اس میں سے بھی تھوڑا بانٹ دیا کرنا۔ پھر ان شاء اللہ اس باغ کا حال دیکھنا کہ اس کے گردوپیش کے باغ والوں کو تعجب ہوگا کہ یہ باغ اور زمین وہی ہے یا کوئی اور؟ بلکہ لوگ تم سے پوچھیں گے کہ تم کیا خدمت کرتے ہو جو تمہارا باغ اس طرح سرسبز و شاداب ہوگیا۔ شیخ صاحب نے آپ کے فرمانے کو قبول کیا اور کہا کہ ان شاء اللہ ایسا ہی کروں گا۔

پھر آپ وہاں سے کشتی پر تشریف لائے۔

گدھے والے:

مرزا پور میں چھ سات گھر مسلمان خشت پزوں (اینٹ پاتھنے والے) کے تھے۔ وہ بڑے تونگر اور دولت مند تھے۔ ہر کسی کے پاس پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ گدھے اور خچر تھے، جو ان سے اینٹیں مول لیتا اور باربرداری کی مزدوری دیتا تو وہ انہیں گدھوں اور خچروں پر اینٹ لدوا کر اپنے نوکروں سے پہنچوا دیتے تھے۔ اور انہیں پر ان کے نوکر چاکر گوبر، گھاس پھوس لاد کر ادھر ادھر کرتے تھے، اور پروہ لگا کر اینٹیں پکاتے تھے۔ یہی ان کا پیشہ تھا، اور شہر میں گدھے والے کے نام سے مشہور تھے۔

اگرچہ وہ اپنی قوم کے شریف تھے مگر نام کی کراہت اور پیشہ کی حقارت کی وجہ سے مرزا پور

کا کوئی مسلمان ان کے گھر کا کھانا پانی نہیں کھاتا پیتا تھا، اور نہ ان کی شادی غمی میں جاتا تھا، اور نہ ہی ان کو اپنے یہاں بلاتا تھا۔

گدھے والوں کے یہاں دعوت:

جب حضرت اس شہر میں تشریف لے گئے، اور وہاں کے ہزاروں مسلمانوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور عنایت الٰہی سے ہدایت پائی تو ان لوگوں نے بھی آ کر حضرت سے عرض کی کہ آپ ہمارے غریب خانے میں تشریف لائیں اور ہمیں بھی اپنے شرف بیعت سے مشرف کریں۔ آپ نے ان کی دعوت قبول کر لی۔ وہاں کے دیگر مسلمانوں نے عرض کی کہ آپ ان کے یہاں نہ جائیں، یہ لوگ گدھے والے ہیں، شہر کا کوئی مسلمان ان کے گھر شادی غمی یا دعوت میں نہیں جاتا ہے۔

آپ نے فرمایا ’یہ کیا بات ہوئی؟ یہ بھی تو مسلمان بھائی ہیں اور حلال پیشہ کرتے ہیں۔ اس پیشہ میں کچھ برائی نہیں اور نہ کچھ عیب ہے۔ اس کو معیوب جاننا خود بڑا عیب ہے۔ اس لیے کہ گدھے خچر پالنا اور ان پر کاروبار کرنا سنت ہے۔ اولیاء اللہ نے گدھے خچر پالے ہیں اور ان پر سوار ہوئے ہیں، بلکہ اب تک حرمین شریفین میں یہی دستور ہے اور اکثر مسلمان شرفا و غربا سب پالتے ہیں اور ان پر سوار ہوتے ہیں۔ یہ خیال فاسد تم لوگوں کو اپنے دلوں سے نکال دینا چاہئے۔‘ اس معاملہ میں مزید بہت نصیحت اور فہمائش کی اور خشت پزروں کو تسلی دی کہ ہم ان شاء اللہ ضرور تمہارے یہاں آویں گے، اور دعوت کھاویں گے۔

پھر ایک روز وہ لوگ آپ کو اپنے یہاں لے گئے اور سب نے بیعت کی، اپنی عورتوں کو بھی بیعت کرایا، اور آپ کو دعوت کھلائی۔

گدھے والوں کا اصرار اور سید صاحب کی احتیاط:

جب آپ تناولِ طعام سے فارغ ہوئے تو وہ لوگ ایک تھالی میں تین سو یا چار سو روپے آپ کی نذر کو لائے، اور بہت سے کمخواب، گلبدن، مشروع جامدانی، محمودی ململ وغیرہ کے تھان۔ آپ نے کچھ نہیں لیا، ان لوگوں نے بہت اصرار کیا مگر آپ کسی طرح لینے کو تیار نہیں ہوئے، اور ان

کے مکان سے اٹھ کر جہاں اترے تھے، تشریف لائے۔

سید عبدالرحمان آپ کے خواہرزادے کچھ دیر وہاں کسی ضرورت سے ٹھہرے رہے۔ ان لوگوں نے ان سے اصرار کیا اور اپنی پگڑیاں ان کے قدموں میں رکھ دیں کہ آپ اس نذر کو قبول فرمالیویں۔ انھوں نے کہا کہ سید صاحب نے تمہاری نذر نہیں لی تو میں کیوں کر قبول کر سکتا ہوں؟ یہ کام مجھ سے ہرگز نہیں ہوگا۔ یہ کہہ کر سید صاحب کے پاس آگئے اور سارا ماجرا سنایا۔

آپ نے ان کو بلوا کر ہر طرح سے سمجھایا اور فرمایا کہ تم لوگ اس بات سے دلگیر نہ ہو کہ ہم نے تمہاری نذر نہیں لی۔ نہ لینے کا سبب یہ ہے کہ 'اگر ہم لے لیتے تو تمہارے شہر کے یہی لوگ کہتے کہ سید صاحب نے فقط روپیوں کی لالچ میں ان کی دعوت کھائی ہے ورنہ کبھی نہ کھاتے۔ اور اب ان شاء اللہ یہ لوگ بھی تمہارے گھر کھانے پینے کو ناپسند نہیں کریں گے۔'

یہ بات سن کر وہ لوگ راضی ہو گئے اور ان کا دلی اضطراب ختم ہوا۔

مرزاپور سے رخصتی:

دوسرے دن حضرت نے وہاں سے کوچ کی تیاری کی۔ شیخ عبداللطیف بھی اپنی والدہ اور میاں جی کو لے کر حج کے واسطے آپ کے ساتھ ہو گئے اور اپنی ایک چھوٹی سی ناؤ الگ کرایہ پر لے لی، اور کچھ مال تجارت رکھ کر سوار ہوئے۔ سوا پہر دن چڑھے سب ناویں کھل کر مرزاپور سے روانہ ہوئیں۔ شام کو ایک جگہ جہاں لب دریا ہندوؤں کا بت خانہ تھا، وہاں کوئی گاؤں تھا اور نہ گھاٹ، وہیں ملاحوں نے ناویں لگا دیں اور رات بھر وہیں رہے۔

چنارگڑھ کی دعوتیں اور بیعتیں:

اگلے روز کچھ دن چڑھے ناویں چنارگڑھ پہنچیں۔ وہاں تین دن قیام ہوا۔ کئی سو آدمیوں نے بیعت کی اور پانچ وقت پانچ جگہ ضیافتیں ہوئیں۔ ایک تو تمباکو والے کے یہاں۔ دوسری ایک چودھری کے یہاں، جس کی چاولوں کی منڈی تھی، اس کی کوئی اولا نہیں تھی۔ حضرت نے اس کے لیے اولاد کی دعا کی۔ تیسری شہر کے چودھری کے یہاں۔ اور تینوں کو حضرت نے خلافت نامہ دیکر اپنا خلیفہ بنایا۔ اور چوتھی قلعہ کے سپاہیوں نے دعوت کی اور پانچویں قلعہ کے خلاصیوں نے ضیافت

کی۔ اور ان دونوں گروہوں میں سے آپ نے تین شخصوں کو خلافت نامہ دے کر اپنا خلیفہ بنایا۔

چنار گڑھ سے بنارس:

چنار گڑھ میں تین دن قیام رہا، اس کے بعد چوتھے روز وہاں سے ناویں کھلیں اور جلسائیں گھاٹ پہنچیں۔

آپ نے عبدالرحیم کاندھلہ والے سے کہا کہ جا کر مرزا کریم اللہ بیگ اور حکیم سلامت عیسیٰ سے ہمارا سلام کہو، اور حکیم صاحب کی پینس (پالکی) مانگ کر لاؤ، اور ان سے کہنا کہ آپ لوگ یہاں نہ آئیں، ہم کندی گروں (ریشمی اور عمدہ کپڑوں کی صفائی کرنے والے) کی مسجد میں قیام کریں گے وہیں آ کر ملاقات کریں۔

مکان کا انتظام:

پینس پر سوار ہو کر آپ چند ہمراہیوں کے ساتھ کندی گروں کی مسجد پہنچے۔ وہیں لوگ ملاقات کے لیے آنے لگے۔ تھوڑی دیر میں ظہر کا وقت ہو گیا، نماز پڑھی گئی۔ بعد نماز کے لوگوں نے عرض کی کہ یہ مکان جو مسجد سے ملا ہوا ہے اس کو ہم نے آپ کے اہل وعیال کے لیے خالی کرایا ہے اور یہ مکان کشادہ بھی ہے۔ آپ چل کر ملاحظہ فرمالیں۔ آپ مکان میں تشریف لے گئے، دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور پسند کیا، اور ان لوگوں کو دعائیں دیں۔

خفیہ ملاقات:

بعد نماز مغرب حضرت کشتی پر آئے۔ کچھ دیر کے بعد مرزا بلاقی اور مرزا حاجی جو بنارس کے شاہزادے تھے، ان کا آدمی آپ کے پاس آیا، اور عرض کی کہ آپ کو مرزا بلاقی اور مرزا حاجی نے سلام عرض کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم بعد نماز عشا بجرے پر سوار ہو کر خفیہ ملاقات کے لیے آویں گے۔ ہمارے بجرے کی علامت یہ ہے کہ اس پر لالٹین روشن ہو گی۔ آپ نے فرمایا کہ بہتر ہے، آویں۔ ہمارا بھی ان سے سلام کہنا اور پھر اس آدمی کو رخصت کیا۔

وقت موعود پر ان کا بجرا آپ کی ناؤ کے قریب آیا، آپ ناؤ سے اس پر تشریف لے گئے۔ ان سے ملے، کچھ دیر ان سے باتیں کی، پھر اپنی ناؤ پر تشریف لائے اور وہ لوگ رخصت ہوئے۔

پھر اس کے بعد ناؤ سے سامان اتروالیا گیا۔ قافلہ کے مجرد (غیر شادی شدہ) لوگوں میں

سے کچھ کندی گروں کی مسجد میں اترے اور کچھ بسیسر کی مسجد میں۔ یہ دو مسجدیں ہیں، اور اسی نام سے مشہور ہیں۔

بسیسر کی کہانی:

معتبر لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ بسیسر ایک بت کا نام ہے۔ پہلے اس کا مندر وہاں تھا جہاں کندی گروں کی مسجد ہے۔ سلطان ابراہیم شرقی جونپوری نے اس کو توڑ کر یہ مسجد تعمیر کی۔ چنانچہ مندر کی دیوار کا کچھ حصہ اس مسجد کی پشت پر موجود ہے۔ پھر ہندوؤں نے اس بت کا دوسری جگہ مندر بنایا۔ اس کو بادشاہ عالم گیر اورنگ زیب غازی نے توڑ کر مسجد تعمیر کی۔ جو اب بسیسر کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس بت کو لوگوں نے مسجد کے قریب جو کنواں ہے اس میں ڈال دیا۔ سو اب تک ہندو لوگ اس کنویں کو پوجتے ہیں۔

سید صاحب کا حسن خلق:

سید صاحب جب بنارس پہنچے تو برسات کا موسم تھا۔ زوروں کی بارش ہو رہی تھی، پندرہ سولہ دنوں تک مینہ کی جھڑی لگی رہی، اور اسی بارش میں لوگ آپ کو بیعت کے واسطے اپنے گھر لے جاتے۔ اگر بعد نماز فجر لے جاتے تو ظہر کی نماز ان دونوں مسجدوں میں سے کسی ایک میں پڑھتے اور اگر بعد نماز ظہر لے جاتے تو مغرب یا عشا آ کر کسی ایک میں پڑھتے۔ اور اگر مغرب کے بعد لے جاتے تو ڈیڑھ پہر رات گئے بلکہ کبھی کبھی تو آدھی رات گئے مکان پر تشریف لاتے۔ آپ کا ایسا اخلاق تھا کہ باوجود بارش، کیچڑ اور سیلاب کے کسی کے یہاں جانے میں کوئی عذر یا حیلہ نہیں کرتے۔ جس وقت لوگ آپ کو لینے آتے اسی وقت آپ ان کے ساتھ چلے جاتے۔ اندھیری رات، بجلی چمکتی، مینہ برستا، لالٹین کی روشنی میں لوگوں کے ہمراہ خانہ بخانہ بیعت کے واسطے جاتے کبھی بہت رات ہو جاتی تو لوگوں سے فرماتے کہ 'بھائیو! اب ہم کو چھوڑ دو، کسی دوسرے وقت پھر آ جائیں گے۔' کوئی کہتا 'حضرت! میرا مکان قریب ہے، ابھی چلئے۔ دوسرے وقت خدا جانے آپ کے آنے کا اتفاق ہو یا نہیں؟' پھر آپ اس کی خاطر اس کے گھر جاتے۔ وہاں سے نکلتے تو پھر کوئی دوسرا ابھی یہی بات کہتا، اور یہ سلسلہ چلتا رہتا۔ آپ کہتے کہ 'بھائیو! رات بہت ہو گئی ہے

ہمارے لوگوں کو پانی اور کیچڑ میں تکلیف ہوتی ہوگی، مگر کون سنتا؟'

بعضے وقت اپنے لوگوں میں سے جو ہمراہ ہوتے، کہتے کہ 'بھائیو! یہ پانی کیچڑ میں تمہارا پھرنا محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اگر وہ پروردگا تمہارے اسی پھرنے کو پسند کر کے اپنے غلاموں اور تابع داروں میں شمار کرلے تو کیا عجب ہے۔' یہ بات سن کر لوگ خوش ہوجاتے اور اس وقت کی تکلیف کو عین راحت جانتے۔

مولوی شکر اللہ کے داماد کا جنون اور سید صاحب کا علاج:

ایک بار تلیا نالے پر مولوی شکر اللہ صاحب حضرت کو اپنے یہاں لے گئے، بیس پچیس برس کا ان کا داماد تھا، اس کو لاکر آپ کے روبرو بیٹھایا، اور عرض کی کہ کچھ مدت سے اس کو جنون ہوگیا ہے، کسی دوا علاج سے فائدہ نہیں ہوتا۔

آپ نے بیماری کے بارے میں خود اسی سے پوچھا تو وہ بھلے چنگے آدمی کی طرح باتیں کرنے لگا۔ گھر والوں کو تعجب ہوا کہ یہ ہم لوگوں سے اس طرح کبھی نہیں بولتا تھا، آج کیا معاملہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کو جنون نہیں ہے بلکہ اور ہی کچھ ہے۔ جب اس کی بیماری زوروں پر ہو اور واہی تباہی بکنے لگے، اس وقت ہم کو خبر کرنا پھر ہم کچھ تدبیر کریں گے۔

اس کے دوسرے یا تیسرے روز مولوی صاحب کا آدمی آیا کہ اس وقت طبیعت زیادہ بگڑی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک آبخورہ میں پانی لاؤ، اس نے لاکر حاضر کیا۔ آپ نے اس میں سے کچھ پیا باقی اس کے حوالے کیا اور فرمایا کہ اس میں سے تھوڑا سا اس کو پلا دینا، باقی چلو سے ایک یا دو چھینٹے چہرے پر مار دینا اور ہمارا سلام اس سے کہنا، اللہ فضل کرے گا۔

وہ آدمی پانی لے کر جیسے ہی پہنچا مریض دور سے اس کو دیکھ کر کھڑا ہوگیا، جیسے کوئی کسی کی تعظیم کرتا ہے، اور کہا پانی سید صاحب نے بھیجا ہے، ہم کو دو ہم خود ہی اپنے ہاتھ پی لیویں گے۔ اور تم لوگ اندیشہ نہ کرو، اب ہم کبھی اس پر نہ آویں گے۔ سید صاحب نے یہ تکلیف آج کیوں کی؟ اگر اسی روز مجھ سے کہہ دیے ہوتے تو میں چلا جاتا۔

اس آدمی نے آبخورہ اس کے حوالے کیا اور حضرت کا سلام کہا، اس نے جواب دیا۔ پانی پیا اور کہا کہ اب ہم رخصت ہوتے ہیں۔ سید صاحب سے ہمارا بھی سلام عرض کر دینا، اس کے بعد

مریض بالکل صحیح وسالم ہوگیا۔

جن کی شکایت:

مولوی شکراللہ نے آکر حضرت سے اپنے داماد کے چنگے ہوجانے کا حال بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ ’ہاں، وہ جن اس پر سے اتر کر میرے پاس آیا تھا، اور شکایت کر رہا تھا کہ ان کے گھر میں میرے رہنے کا ایک ٹھکانہ ہے جس کو وہ لوگ بہت گندہ اور ناپاک رکھتے ہیں۔ اسی رنج سے میں نے اسے اتنے دنوں پریشان کیا۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ اس جگہ کو پاک وصاف رکھا کریں‘

یہ سن کر مولوی شکراللہ نے کہا ’بہت خوب ان شاءاللہ اب اس جگہ کو ہم گندہ نہیں رکھیں گے‘

مرزا ابلاقی کے گھر:

ایک روز شاہزادے مرزا ابلاقی کے لوگ حضرت کو تلیا نالے پر جہاں مرزا صاحب کا مکان تھا، لے گئے۔ مرزا ابلاقی کی والدہ، ان کی بی بی اور ان کے تمام نوکروں چاکروں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ آپ نے ہر ایک کو اللہ کے نام کی تعلیم کی اور توجہ دی۔ استعداد کے مطابق ہر ایک کو توجہ کا فائدہ ہوا، سب سے زیادہ فائدہ مرزا صاحب کی والدہ کو ہوا۔

بنارس کی ضیافتیں:

چار وقت مع قافلہ مرزا ابلاقی کے یہاں حضرت کی ضیافت ہوئی، دو وقت تو مرزا صاحب کی والدہ نے ضیافت کی، ایک وقت خود مرزا صاحب نے، اور ایک وقت ان کی بی بی نے۔

پہلے وقت کی ضیافت جو ان کی والدہ نے کی تھی، اس میں زردے، سفیدے، متنجن، قورمہ اور شیرمال تھی۔ جو لوگ حضرت کے ہمراہ تھے انھوں نے وہیں حضرت کے ساتھ کھانا تناول کیا اور جو لوگ مکان پر تھے ان کا کھانا مکان پر بھیجا گیا۔

کھانے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ ہماری ضیافت کے لیے ایک قسم کا کھانا پکوادیا کرو یہی کافی ہے۔ کئی طرح کا کھانا بانٹنے میں ہمارے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ پھر دوسرے وقت صرف پلاؤ کھلایا۔

اگلے روز مرزا ابلاقی نے دعوت کی، اور انھوں نے فقط زردے اور سفیدے سے ضیافت کی۔ اس کے بعد ایک وقت کی دعوت ان کی بی بی نے کی، جس میں زردے، باقرخانی اور میٹھے دہی تھے۔

مرزا ابلاقی کو حضرت نے خلافت نامہ دے کر اپنا خلیفہ بھی بنایا۔

راج گھاٹ کے اہل بدعت کی بیعت:

بنارس کے راج گھاٹ پر مولوی عبداللہ اور بھولا چابک سوار یہ دونوں بڑے ذی عزت اور نامور تھے، اور وہاں کے تمام اہل بدعت کے سرگروہ اور سردار تھے۔ خدا کی قدرت ایک بار انہوں نے بسیسر کی مسجد میں حضرت کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھی، اور مولانا عبدالحی صاحب کا وعظ سنا۔ مزید شاہزادہ مرزا ابلاقی کی والدہ کی بیعت اور اس کے فوائد کا حال بھی سن چکے تھے۔ بہت متأثر ہوئے۔ وعظ کے بعد حضرت سے عرض کی کہ ہم اور ہمارے محلے کے لوگ شامتِ نفس کی وجہ سے شرک وبدعت میں گرفتار ہیں۔ اگر آپ ہمارے محلے میں تشریف لے چلیں تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ بے شمار لوگ پرہیزگار اور دیندار ہوجاویں اور شرک وبدعت چھوڑ کر توحید وسنت پر آجاویں۔

آپ نے فرمایا کہ 'ہم کئی مرتبہ مرزا ابلاقی کے مکان پر جاچکے ہیں، ہم سے وہیں کہے ہوتے۔ وہاں سے تمہارے محلے بھی چل چلے ہوتے۔ خیر اب چھوڑو جب کہو، ان شاء اللہ ہم چلیں گے۔'

پھر اگلے روز سنیچر کے دن وہ پینس لے کر آئے، اور دو ڈھائی سو آدمیوں کے ہمراہ حضرت ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ انھوں نے سب کی ضیافت کی، پلاؤ اور نان گوشت کھلایا اور کچھ کھانا ڈیرے پر بھی بھجوایا۔

اس کے بعد ان دونوں صاحبوں نے بیعت کی۔ ساتھ میں کئی سو بلکہ ہزاروں لوگوں نے اس محلے کے بیعت کی۔ صبح سے عصر تک بیعت کرنے والوں کا ہجوم رہا۔

بیماروں کے لیے دست شفا:

عصر کی نماز کے وقت آپ نے فرمایا کہ 'بھائیو! ہم بیعت لیتے لیتے تھک گئے، اب ہم کو

فرصت دو۔ ان شاء اللہ کسی وقت اور آ کر بیعت لے لیں گے۔' لوگوں نے عرض کی کہ بہتر ہے مگر عصر کی نماز یہیں قریب کی مسجد میں ادا فرمایئے، وہاں کئی مریض آپ کے منتظر ہیں، ان کو بھی دیکھ لیویں۔ آپ نے فرمایا بہت خوب۔

پھر آپ مسجد تشریف لے گئے۔ نماز کے بعد مریضوں کو حاضر کیا گیا، ان میں سے ایک کو جنون تھا۔ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی تھیں۔ اور ایک کو تیسرے درجے کی تپ دق تھی۔ ایک کو کئی سال سے دردسر تھا۔ آپ نے سب کے بدن پر دست مبارک پھیرا۔ مجنون کے گھر والوں سے کہا کہ اس کو گھر لے جا کر اس کی ہتھکڑیاں نکال دینا۔ انھوں نے عذر کیا کہ نقصان کرے گا۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ نقصان نہیں کرے گا، تم لوگ اندیشہ نہ کرو، اللہ تعالیٰ اس کو اچھا کر دے گا۔

اس کے بعد تپ دق والے سے فرمایا کہ ایک سیر شروالہ کے بال اور دو سیر برگ جھاؤ، ایک بھاری مٹکے میں پانی بھر کر ڈال دینا، اور دوسرے روز سے وہی پانی پینا۔ جب وہ پانی گندہ ہو جائے تو اس کو پھینک کر اسی قدر شروالہ اور برگ جھاؤ دوسرے پانی میں ڈالنا۔ چالیس دن تک وہ پانی ضرور پیتے رہنا، اس کے بعد اختیار ہے چاہے پینا، چاہے ترک کر دینا۔ ان شاء اللہ ایک چلہ میں تمہارا مرض دفع ہو جائے گا۔

پھر آپ نے دردسر والے کے سر پر کچھ کلام الٰہی پڑھ کر دم کیا، اور فرمایا کہ کل پرسوں پھر آنا، ہم دم کر دیں گے، اللہ نے چاہا تو تمہارا درد جاتا رہے گا۔

راج گھاٹ میں دعوت:

دو یا تین دن کے بعد پھر راج گھاٹ کے لوگ آپ کو لے گئے، اور کہا کہ آج آپ کی ہمارے یہاں ضیافت ہے۔ محلے والوں نے کئی سو تعزیے توڑ کر لکڑی اور کاغذ کا انبار لگا رکھا تھا۔ آپ کو لے جا کر دکھلایا اور عرض کی کہ یہی کھانا پکانے کا ایندھن ہے۔ دونوں وقت یہی لکڑیاں جلائی جاویں گی۔

ضیافت کے لیے انھوں نے پلاؤ پکایا اور تمام قافلہ والوں کو کھلایا، اور بے شمار لوگ جو اس سے قبل بیعت کرنے سے رہ گئے تھے، انھوں نے بیعت کی۔

دردسر والا اور مجنون وہ دونوں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور فضل الٰہی سے وہ

دونوں صحیح سالم تھے، نہ اس کو دردسر تھا اور نہ اس کو جنون۔ تپ دق والے کا حال کئی سال کے بعد معلوم ہوا کہ اللہ نے اس کو بھی اسی دوا سے شفا عنایت فرمائی۔

تلوکا چمار کا واقعہ:

راج گھاٹ پر تلوکا نام کا ایک چمار رہتا تھا۔ مولوی عبداللہ اور بھولا چابک سوار نے اس سے کہا کہ تو ہمارا یار ہے، ایک بات ہم تجھ سے کہتے ہیں۔ یہ سید صاحب حج کو تشریف لیے جاتے ہیں۔ اس شہر کے ہزاروں لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی کی ہے۔ اگر تو بھی بیعت کر لے تو اچھا ہو۔ اس نے پوچھا کہ بیعت کرنا کس کو کہتے ہیں؟ انہوں نے بتلایا کہ بری باتوں سے توبہ کرنے کو بیعت کہتے ہیں۔ اس نے کہا کہ توبہ! اگر تم کہو ابھی تمہارے روبرو کرلوں۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ انھوں نے کہا یوں نہیں، انھیں کے ہاتھ پر کرو۔ اس نے کہا کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ سید صاحب کو میرے غریب خانے پر لے کر آؤ، جو کہو گے کرلوں گا۔

انھوں نے آکر حضرت سے عرض کی، آپ نے فرمایا بہت خوب، جب کہو ہم چلتے ہیں۔ دونوں حضرت کو اس کے مکان پر لے گئے۔ وہ مکان ایک چھوٹا سا چبوترہ تھا، اسی میں وہ میاں بیوی رہتے تھے۔ حضرت جا کر وہیں بیٹھے اور اس سے بیعت لی۔ بیعت کے بعد اس نے مولوی عبداللہ سے پوچھا کہ تمہارے میاں صاحب کو کچھ دینا بھی چاہئے؟ حضرت نے خود کہا کہ اس میں دینے کی کچھ حاجت نہیں۔ تم خود محتاج اور غریب آدمی ہو، حق تو یہ ہے کہ ہم تم کو کچھ دیویں۔ مگر وہ نہیں مانا، اور کچھ پیسے مزدوری کے جوڑ رکھے تھے لاکر نذر کیا۔ قریب پانچ یا سات ٹکے تھے۔ آپ نے بہت خوشی سے قبول کیا اور اپنے کسی آدمی کو دیا اور فرمایا کہ یہ پیسے الگ رکھنا۔

پھر آپ نے اس کے لیے دعا کی اور مولوی عبداللہ سے کہا کہ ان شاء اللہ کچھ دنوں میں دیکھو گے کہ اس دعا کی کیسی برکت ہوتی ہے۔ اور فرمایا کہ ‘مولوی صاحب! اس کی تعلیم تمہارے ذمہ ہے۔ نماز روزہ وغیرہ کے مسائل سکھاؤ، اور نماز پڑھاؤ’

مولوی صاحب نے تلوکا سے کہا کہ اس وقت موقع ہے جو تیرے برادری کے لوگ ہوں ان کو بھی لاکر مرید کرا، وہ بھی اس کار خیر میں شریک ہوجاویں۔ یہ سن کر وہ گیا اور پچیس تیس اپنے بھائی بندوں کو لا کر حاضر کیا۔ حضرت نے اب سب سے بیعت لی، ان کے لیے دعا کی، اور ان کو

بھی مولوی عبداللہ کے سپرد کیا۔ تلوکا کا نام بدل کر آپ نے الٰہی بخش رکھا، اور بقیہ کے بارے میں مولوی صاحب سے کہا جو مناسب سمجھنا نام رکھ دینا۔

ان لوگوں نے عرض کی کہ ہم دین اسلام کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہیں، پورے دن محنت و مزدوری کرتے ہیں، شام کو جو اللہ دیتا ہے کھا پی سو رہتے ہیں۔ آپ دعا کریں اللہ ان باتوں کی ہمیں سمجھ عطا کرے۔ حضرت نے فرمایا کہ اللہ تم لوگوں کو سمجھ دیوے گا اور تمہاری مفلسی اور محتاجی بھی دور کرے گا۔

لعل محمد کی بیعت:

بنارس کے نور بافوں میں ایک شخص لعل محمد نامی بہت خوشحال، صاحب مال اور اپنی برادری میں نامور تھے۔ ایک روز حضرت کو اپنے مکان پر لے گئے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، اور ساتھ میں ان کی برادری کے لوگوں نے بھی مرد و عورت ملا کر کوئی دو ہزار شخصوں نے بیعت کی۔

صلح کے لیے سید صاحب کی دعا:

بیعت کے بعد آپ مسجد تشریف لے گئے، کچھ دیر کے بعد لعل محمد آئے اور عرض کی کہ اس شہر میں ہم لوگوں کے ہزاروں گھر ہیں، مگر اکثروں کے درمیان مخالفت اور نااتفاقی ہے۔ اگر آپ کوشش کریں تو اتفاق کی کوئی صورت نکل سکتی ہے۔ ان میں سے دو شخص بڑے نامی مالدار اور جتھے والے ہیں۔ ایک دین محمد اور دوسرے اللہ رکھو۔ ان دونوں میں حد درجہ بغض و عداوت ہے۔ اگر ان دونوں میں ملاپ اور صلح ہو جاوے گی تو سب میں اتفاق ہو جاوے گا اور ہزاروں لوگ راہ راست پر آجاویں گے۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ 'بھائی صاحب! یہ بات اللہ کی مرضی اور اختیار میں ہے، میرے قابو کی نہیں۔ میرے اختیار کی جو بات ہے اس کے لیے میں حاضر ہوں۔' انھوں نے عرض کی کہ آپ ان کے واسطے دعا کریں۔ آپ نے فرمایا بسم اللہ، میں یہ کر سکتا ہوں، قبول کرنا اللہ کی مرضی ہے۔ پھر آپ ننگے سر ہو کر دیر تک دعا کرتے رہے، اور حاضرین آمین کہتے رہے۔

صلح کے لیے وظیفہ:

دعا کے بعد لعل محمد نے پھر عرض کی کہ دین محمد اور اللہ رکھو کو تو مجھ سے کوئی پرخاش نہیں، مگر یارو نام کا میرے محلے میں ایک شخص ہے، بڑا مالدار اور نامی ہے، اس سے اور مجھ سے بگاڑ ہے۔ اس کے لیے بھی آپ دعا کریں کہ ہمارے درمیان صفائی ہو جاوے۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ بتا دیتے ہیں، اس کو پڑھا کرو، ان شاءاللہ سب درست ہو جاوے گا۔ لعل محمد نے عرض کی حضرت! میں اُمی آدمی ہوں مجھ کو پڑھنا لکھنا کچھ نہیں آتا۔ آپ نے دیر تک سکوت فرمایا، اس کے بعد فرمایا کہ خیر تمہارے پڑھنے کے لائق ہی بتائیں گے۔ چالیس دن پڑھنا ہے تہجد کی نماز کے بعد، ان شاء اللہ اسی مدت میں مطلوب حاصل ہو جائے۔ وہ یہ ہے ”تین سو اکتالیس مرتبہ “الله الصمد” اول و آخر سات سات مرتبہ درود شریف“۔

لعل محمد کی برادری کے لوگ جو وہاں موجود ان میں سے بہتوں نے عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو ہم بھی پڑھا کریں، آپ نے سب کو اجازت مرحمت فرمائی۔

لعل محمد کی دعوت اور سید صاحب کا ارشاد:

آپ وہاں سے اٹھے اور مکان پر چلنے کا ارادہ کیا تو لعل محمد نے عرض کی کہ کل آپ کی میرے یہاں دعوت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی نہیں، جب تمہارے اور یارو کے درمیان صفائی ہو جاوے گی، تب دعوت کرنا۔ پھر اسی وقت کسی نے بطور نذر گلبدن مشروع وغیرہ کے تھان دیے، کسی نے نقد روپئے، وہ سب آپ نے قبول کیے اور جائے اقامت پر تشریف لائے۔

معززین کی گزارش:

جمعہ کے دن بسیسر کی مسجد میں بہت سے امرا بھی نماز کو آئے۔ مرزا بلاقی، مرزا حاجی، مرزا کریم اللہ بیگ، مولوی غلام یحییٰ اور حکیم سلامت علی خان وغیرہم۔ نماز کے بعد مولانا عبدالحی صاحب کا عصر کی اذان تک وعظ ہوا۔ عصر کی نماز کے بعد سارے معززین خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ’ہمارے اس شہر میں نوربافوں کی سب سے بڑی جماعت ہے، کوئی سات آٹھ ہزار گھر ہوں گے، اور ان میں بڑے بڑے مالدار اور تونگر بھی ہیں۔ مگر اکثر کے درمیان نااتفاقی اور

مخاصمت ہے۔ خاص طور سے اللہ رکھو اور دین محمد کے درمیان، جو شہر کے مالدار ترین لوگوں میں سے ہیں۔ اور یہ لوگ شرک و بدعت کے افعال کے بھی مرتکب ہیں، مثلاً تعزیہ داری، گور پرستی، نوچندی، جمعرات کا میلہ اور غازی میاں کا میلہ وغیرہ۔ اگر کسی طرح دین محمد اور اللہ رکھو میں ملاپ ہو جاوے تو اس شہر سے شرک و بدعت کا دفعیہ ہو جاوے، اور سب طریق ہدایت پر آ جاویں۔'

آپ نے فرمایا کہ 'ہم واقف ہیں، لعل محمد نے ہم کو سب بتلایا ہے بلکہ ہم نے اس کے لیے دعا بھی کی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ بغض و عداوت ان میں برسوں پرانی ہے، یہ کسی بندہ کے قابو کی بات نہیں ہے، مگر ہم پھر کسی وقت دعا کریں گے۔ فی الحال دین محمد اور اللہ رکھو کے پاس کسی کو تجویز کر کے بھیج دو کہ ہم پرسوں یکشنبہ کے دن ان کے یہاں آئیں گے۔'

سید صاحب کا پیغام دین محمد اور اللہ رکھو کے نام:

سب نے لعل محمد سے کہا کہ وہ تمہارے رشتہ دار ہیں۔ ہم سب کی طرف سے تمھیں وکیل بن کر ان لوگوں تک یہ خبر پہنچا دو۔ حضرت نے لعل محمد سے کہا کہ کل ہم سے مل کر ان کے پاس جانا۔

دوسرے دن جب لعل محمد حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ ان سے کہنا:

''اول تو تم یہاں کے باشندے ہو، سید صاحب مسافر و مہمان کی حیثیت سے اس شہر میں وارد ہوئے ہیں۔ مناسب یہ تھا کہ تم خود ان سے ملنے جاتے۔ خیر، تم نہیں گئے تو وہ کل خود ہی تم سے ملنے کے لیے یہاں آویں گے۔ مگر مسجد میں اتریں گے، کسی کے مکان پر نہیں جاویں گے۔ وہیں تم سب ملاقات کے لیے آنا۔ دوسری بات یہ کہنا کہ تم دعوت و مہمانی کا تکلف نہ کرنا، جب تک قضیہ طے نہیں ہو جاوے گا وہ تمہارے یا کسی کے یہاں کا پانی تک نہیں پیویں گے۔ بعد فیصلہ کے جو کچھ ہوگا، ہو رہے گا۔ اور لعل محمد سے کہا کہ تمہارے اور یار و کے درمیان ناموافقت ہے، ان کے یہاں بھی اسی طرف سے کہتے جانا کہ وہ بھی مسجد میں ہمارے پاس آویں۔''

دین محمد اور اللہ رکھو کی مسجد میں:

اگلے روز سورج نکلے حضرت نے وہاں چلنے کی تیاری کی۔ لوگوں سے فرمایا کہ کوئی ہتھیار باندھ کر نہ چلے۔ تقریباً دو سو آدمیوں کے ہمراہ آپ تشریف لے گئے، اور ان کے محلے کی مسجد میں فروکش ہوئے۔

آپ کے وہاں آنے کا حال سن کر ہزاروں لوگ، کیا ہندو کیا مسلمان آ کر جمع ہو گئے کہ دیکھیں سید صاحب کیوں کر ان کو ملاتے ہیں؟ لوگوں کے ازدحام کی خبر پا کر وہاں کا انگریز داروغہ بھی چند بندوق بردار سپاہیوں کے ساتھ آ حاضر ہوا کہ کہیں جھگڑا بکھیڑا نہ ہونے پاوے۔

حضرت نے دین محمد، اللہ رکھو اور یارو کو بلایا۔ وہ حاضر ہوئے اور شربت وغیرہ کی تدبیر کرنے لگے۔ آپ کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ یہ تکلف ہرگز نہ کرو، بغیر فیصلہ کے تمہارے یہاں کا پان تک ہم نہیں کھاویں گے۔

سید صاحب کی نصیحت اور اس کا اثر:

آپ نے ان کو اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا کہ:

''ہم نے اکثر لوگوں سے سنا ہے کہ تمہارے درمیان برسوں سے خصومت اور نااتفاقی ہے، اور کسی طور سے دفع نہیں ہو رہی ہے۔ یہ سب فریب شیطانی ہے، اور اس میں طرح طرح کے نقصان ہیں، دین کے بھی اور دنیا کے بھی۔ اور سب سے بڑھ کر نقصان قطع رحمی کا ہے کہ نہ تم ان کی شادی غمی میں شریک ہوتے ہو اور نہ وہ تمہاری۔ اللہ نے تمہیں مال دیا ہے اور طرح طرح کا ہنر دیا ہے، اس کو کاردنیا میں جس طور چاہتے ہو صرف کرتے ہو، اور اپنی ناموری پر مرتے ہو۔ تم کو لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرو، اور اس کے کفران نعمت سے ڈرو، اور اس لایعنی آپس کے جھگڑے کو دور کرو، آپس میں مل جاؤ۔''

غرض دیر تک ان کو سمجھاتے رہے، جو لوگ وہاں موجود تھے ان پر ایک حال سا طاری ہو گیا۔ جب ہر طریقے سمجھا چکے اور وہ لوگ راضی بھی ہو گئے تب آپ نے اٹھ کر دین محمد اور اللہ رکھو، لال محمد اور یارو کو ملا دیا، ان چاروں نے آپس میں مصافحہ اور معانقہ کیا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ 'بھائیو! جن کو ہم جانتے تھے، ان کو تو ملا دیا، باقی لوگوں کی دشمنیوں کو ہم نہیں جانتے۔ جن کی آپس میں دشمنی ہو وہ اٹھ کر ایک دوسرے مصافحہ و معانقہ کر لیں اور پرانی رنجشوں کو ختم کر لیں'۔ پھر تو صدہا لوگ آپس میں ملنے لگے، اور آپسی نزاع کا خاتمہ ہو گیا۔

جتنے ہندو مسلمان اور دیگر لوگ وہاں موجود تھے، یہ حال دیکھ کر عالم حیرت میں تھے اور کہتے تھے کہ برسوں سے یہاں کے سیٹھ، ساہوکار اور شرفا اس امر کی کوشش کرتے رہے مگر کسی سے

کچھ نہ ہوسکا، سب عاجز ہوکر بیٹھ رہے۔ اور سید صاحب نے ایک ہی جلسہ میں برسوں کا یہ قصہ طے کر کے ان کو ملا دیا، اور کسی نے چوں چرا تک نہ کی۔ بے شک سید صاحب مقبول خدا اور صاحب کرامات ہیں۔

دین محمد کی دعوت:

دین محمد نے عرض کی کہ کل آپ کی اور آپ کے تمام قافلہ کے لوگوں کی میرے یہاں دعوت ہے۔ آپ نے قبول کی۔ پھر وہاں سے جائے اقامت تشریف لائے اور ظہر کی نماز ادا کی۔

اگلے روز سویرے کوئی دو سو آدمیوں کے ہمراہ آپ دین محمد کے مکان پر تشریف لے گئے، وہاں اللہ رکھو اور یارو کو بھی دین محمد سے کہہ کر بلوا لیا۔ کھانا پلاؤ، زردہ، نان گوشت، شیرمال اور قورمہ تھا۔ آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے وہیں تناول کیا اور جو مکان پر تھے ان کے لیے میاں عبداللہ کے ہمراہ وہاں کھانا بھجوا دیا گیا۔

دین محمد کے گھر والوں کی بیعت اور خرافات سے توبہ:

جب کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو دین محمد اور ان کے عزیز واقربا نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد زنانہ مکان میں عورتوں کو ایک حویلی میں کر کے حضرت کو اور دیگر لوگوں کو لے کر گئے اور وہاں بٹھایا۔ مکان کے طاقوں میں صدہا کھلونے طرح طرح کے رکھے تھے۔ کوئی آدمی کی صورت کا تھا کوئی جانور کی۔ آپ ان کو دیکھ کر بہت ناخوش ہوئے مگر کچھ کہا نہیں۔ وہیں ایک پختہ اینٹوں کا چبوترہ تھا۔ دین محمد نے عرض کی کہ یہ تعزیہ رکھنے کا چبوترہ ہے، عورتوں نے بنایا ہے، اور ایک چبوترہ باہر امام باڑے میں مردوں نے بنایا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ‘یہ بہت بری بات ہے، یہ تمام تصویریں جو طاقوں میں ہیں، سب کو توڑ ڈالو، اور چبوتروں کو کھود کر برابر کردو’ انھوں نے عرض کی کہ حضرت اسی کے واسطے میں آپ کو مکان کے اندر لایا ہوں کہ یہاں کا حال ملاحظہ کر کے کچھ ہدایت فرمائیں۔ اگر میں خود سے ان خرافات کو دور کروں گا تو عورتیں مجھ سے لڑائی کریں گی۔

پھر آپ نے ان کی عورتوں سے بیعت لی اور تعزیہ داری اور تصویروں کی برائی ان کے سامنے بیان کی، اور فرمایا کہ ‘بیعت کرنا اسی کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب پاک میں آدمی سچے دل

سے بری باتوں سے توبہ کرے، اوران کو چھوڑ دے۔ ورنہ بیعت کرنی نہ کرنی برابر ہے۔ عورتوں نے عرض کی کہ جو بہتر ہو آپ کریں، ہم راضی ہیں۔

آپ نے دین محمد سے فرمایا کہ اپنے یہاں کے دونوں چبوتروں کو کھود ڈالو۔ انھوں نے اول اندر کے چبوترے کو کھود کر ان کی اینٹوں سے تصویروں کو توڑ پھوڑ کر انبار لگا دیا، اس کے بعد جو کچھ علم، پنجے اور تعزیے وغیرہ تھے سب کو توڑ ڈالا، پھر باہر کے چبوترے کو کھودا۔

حضرت نے ان کے واسطے جناب الٰہی میں دعا کی، اور وہاں سے باہر تشریف لائے۔ وہیں کی مسجد میں ظہر کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد مولانا عبدالحی صاحب کا وعظ ہوا۔

دین محمد کے برادری کے لوگوں کی دعوت:

حضرت جب مکان پر جانے کے لیے تیار ہوئے تو دین محمد نے عرض کی کہ کل آپ پھر تشریف لاویں، میں اپنی برادری کی دعوت کروں گا جس میں آپ سب لوگوں کی بھی دعوت ہے۔ حضرت نے بہت سا عذر کیا مگر وہ مانے نہیں، آخرش آپ نے دعوت قبول کی۔

اگلے روز سویرے پھر آپ دو سو آدمیوں کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ صاحب دعوت کی برادری کے تقریباً چار ہزار لوگ تھے۔ کھانے میں زردہ اور پلاؤ تھا۔ ہمراہیوں نے وہیں آپ کے ساتھ کھانا کھایا، بقیہ لوگوں کا کھانا مکان پر بھجوا دیا گیا۔

کھانے کے بعد ہزاروں لوگوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، اور بعد نماز ظہر مولانا عبدالحی صاحب کا وعظ ہوا۔

اللہ رکھو کی دعوت اور بیعت:

اس کے اگلے روز اللہ رکھو نے ضیافت کا انتظام کیا، اور جو کھانا پہلے دن دین محمد نے پکوایا تھا، وہی کھانا پکوایا، اور کھلایا، اور مکان پر کھانا پہنچایا۔ اس کے بعد اللہ رکھو کے خویش واقربا نے بیعت کی، اور اپنی عورتوں کو بھی بیعت کرایا۔

بیعت کے بعد اللہ رکھو نے عرض کی کہ بیعت تو ہم نے آپ کے ہاتھ پر کر لی ہے مگر کئی خرابیاں ایسی ہیں جب وہ دور ہوں تو ہم پورے مسلمان ہوں گے۔ آپ نے فرمایا بیان کرو، وہ کیا خرابیاں ہیں؟ کہا 'ایک تو ہم لوگ اپنے گھرانے میں شادی بیاہ نہیں کرتے ہیں، ہندوؤں کی طرح

عیب جانتے ہیں۔ اور دوسرے عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔ تیسرے ہمارے شہر میں نوچندی جمعرات کا میلہ لگتا ہے۔ تمام مرد عورت ہندو مسلمان ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوتے ہیں اور جشن مناتے ہیں۔ اور اس نوچندی میں لباس و پوشاک کا ایسا اہتمام ہوتا ہے کہ عید میں اس کا چوتھائی بھی نہیں ہوتا۔''

سید صاحب کی نصیحت:

یہ سن کر آپ نے کہا 'نعوذ باللہ من ذالک'۔ یہ تو بہت بری باتیں ہیں، ان کو ضرور ترک کرنا چاہئے، اور خوب ان باتوں کی برائیاں بیان کیں'۔ فرمایا کہ:

''اکثر عوام الناس بلکہ بعض بعض خواص جو کہ نام کے عالم اور درویش کہلاتے ہیں، ان کے دلوں میں یہ بات سمائی ہے کہ جہاں کہیں ہم نے کسی بزرگ کامل کے ہاتھ پر بیعت کر لی، پھر ہم کو کوئی چھوٹا بڑا گناہ نقصان نہیں کرے گا۔ ہمارے پیر ہم کو اللہ سے بخشوالیں گے۔ اور بہشت میں لے جائیں گے۔ سو یہ محض ان کا خیال خام اور وہم غلط ہے۔ پیر صاحب خود ہی اپنے مآل کار سے بے خبر ہیں، کچھ نہیں جانتے کہ وہاں روز قیامت ہمارا کیا حال ہوگا؟ اور وہاں کا تو حال دریافت کرنا محال ہے۔ یہاں دنیا میں جن کاموں کے دن رات خوگر ہیں، ان کا حال نہیں جانتے۔ چنانچہ بھوک، پیاس، سونا، جاگنا، جائے پیشاب وغیرہ۔ خود میں اپنا حال کہتا ہوں کہ مجھے نہیں معلوم کہ کس وقت مجھ کو پیاس لگے گی یا کب نیند غلبہ کرے گی؟ یا کس جائے ضرور کی کب حاجت ہوگی؟ یوں ہی اور بہت سے کام ہیں۔ جب ان ادنیٰ باتوں کو بالیقین ہم نہیں جانتے ہیں تو اور بڑے بڑے کاموں کی ہم کو کیا خبر؟ اور یہاں ہم کسی کی مصیبت دور نہیں کر سکتے، وہاں کب کسی کی مصیبت دور کر سکیں گے؟ مگر ہاں جو طریقہ پیر موافقِ خداورسول بتلا دیوے تو مرید کو لازم ہے کہ اس کو نہ چھوڑے، اسی پر چلا جاوے۔ وہی اس کی نجات کا وسیلہ ہے۔ اس کے سوا تمام نفس کا فریب اور شیطان کا مکر ہے۔ خدا کے خلاف نہ کوئی پیر بخشوا سکے گا اور نہ پیغمبر۔ جن صاحبوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے ان کو میں سمجھا رہا ہوں کہ جو کام خلاف حکم خداورسول ہیں سب کو ترک کر دو۔ تب تو اس بیعت سے تم کو فائدہ ہوگا ورنہ محض بے حاصل ہے، نہ میں ان کا پیر ہوں اور نہ وہ میرے مرید ہیں۔''

یہ نصیحتیں سن کر حاضرین نے عرض کی کہ حضرت! آپ حق فرماتے ہیں۔ بات یہی ہے مگر کیا کریں ہم لوگ ان بلاؤں میں مبتلا ہیں۔ ان شاء اللہ اب ان سب باتوں کو چھوڑ دیں گے۔

نذر قبول کرنے کے لیے سید صاحب کی شرط:

پھر سب لوگ آپ کو نذرانہ پیش کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نذر اسی وقت لیں گے جب تم سب لوگ ان بری باتوں کے چھوڑنے کا عہد کروگے، بغیر اس کے ہم کسی کی نذر نہیں لیں گے۔ اور یہ چبوترے تعزیوں کے جو تمہارے گھروں کے اندر ہیں ان کو کھود کر مسجد بنالو کہ تمہاری عورتیں اس میں نماز پڑھا کریں۔

جب سب نے اس کا عہد و پیمان کیا تب آپ نے ان کی نذریں قبول کیں۔

دعوتوں کی بھرمار:

بوقت رخصت لوگوں نے آپ کے گرد دعوت کے لیے ہجوم کرلیا، کسی نے کہا کل صبح کو میرے یہاں ضیافت ہے، کسی نے کہا کل شام کو میرے یہاں، کسی نے کہا پرسوں شام کو میں کھلاؤں گا۔ آپ نے مولوی یوسف صاحب سے فرمایا کہ دعوتوں کی ترتیب ہم کو یاد نہیں رہے گی کہ کب کس کے یہاں ہے۔ ایسا کرو کہ تم ایک کاغذ پر لکھ لو۔ پھر آپ نے پوچھا کہ کتنے نام ہیں؟ انھوں نے گن کر عرض کیا کہ پانچ اوپر پچاس (۵۵) نام تو لکھ چکا ہوں، باقی نہیں معلوم کہ کتنے رہ گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ان بھائیو کو سمجھا دو کہ ہم تو فقط آٹھ دس روز کے یہاں مہمان ہیں۔ اس عرصہ میں جو دعوت کرے گا، اس کے یہاں ہم کھالیویں گے۔ پھر جب اللہ ہم کو ساتھ خیر کے لاوے گا تو جیسا موقع ہوگا دیکھا جاوے گا۔

شہر بنارس کا انتظام:

پھر لوگوں نے سوال کیا کہ شہر میں آپ نے جس طور سے اور لوگوں سے بیعت لی ہے اور ان کو توجہ دی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی اس نعمت سے مشرف ہوں۔ آپ نے حاجی محمد یوسف صاحب کو جو کہ کشمیر کے تھے اور قادر شاہ کو جو گوہریانی کے تھے، دین محمد اور اللہ رکھو کے یہاں ایک ایک کو مقرر کردیا کہ آٹھ روز تم لوگ یہاں رہو، اور جن کو یہ کہیں ان کو توجہ دو۔ مزید آٹھ آدمیوں کو دس دن کے لیے وہاں متعین فرمایا۔ پھر آپ نے سب کے واسطے دعا کی۔

رافضی کی بیعت:

بنارس میں قطب علی نامی ایک شخص رافضی المذہب تھا۔ ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں گا، اور میرا باپ مکان پر ہے وہ بھی بیعت کرے گا۔ اگر اجازت ہو تو بلا لاؤں۔ آپ نے فرمایا بہتر ہے بلا لاؤ۔

جب وہ بلانے چلا گیا تو لوگوں نے حضرت کو اطلاع دی کہ یہ شخص رافضی ہے۔ آپ نے فرمایا 'خبردار! جب وہ آوے تو کوئی اس کے سامنے ایسی بات نہ کہے۔ اللہ نے اگر چاہا تو وہ پکا سنی مسلمان ہو جاوے گا'

کچھ دیر کے بعد وہ شخص آ کر کہنے لگا کہ میں نے اپنے باپ سے جا کر بیعت کے واسطے کہا تو وہ کہنے لگے کہ ہمارا مذہب تو امامیہ ہے، اور سید صاحب سنی ہیں۔ بے سنی کیے وہ مجھ کو کاہے کو مرید کریں گے۔ میں تو ان کے پاس نہ جاؤں گا۔ اور میرا بھی مذہب وہی ہے۔ اب جو کچھ آپ فرماویں میں حاضر ہوں۔

آپ اس کی صاف گوئی سے بہت خوش ہوئے کہ یہ سچا آدمی ہے۔ اور فرمایا کہ تم دو باتوں سے توبہ کرو۔ اول تو اپنے مذہب سے، دوسرے اور دیگر گناہوں سے۔ پھر آپ نے اس سے توبہ کرائی اور بیعت لی۔

پھر اس نے عرض کی کہ حضرت! میں نے خدا کے واسطے آپ سے بیعت کی ہے، طمع دنیا سے نہیں، مگر میں مفلس وتنگ دست ہوں۔ چاہتا ہوں کہ آپ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ میرے افلاس کو دور کرے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم ضرور تمہارے واسطے دعا کریں گے اور جناب الٰہی سے امید ہے کہ تمہارا مقصود پورا ہوگا۔ پھر مولوی یوسف صاحب سے ایک روپیہ لے کر قطب علی کو دیا اور فرمایا کہ اس کو اپنے پاس رکھنا، خرچ نہ کرنا۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمھیں کسی چیز کا محتاج نہیں کرے گا۔ اس کے بعد اس کے لیے دعا کی اور فرمایا کہ ان شاءاللہ چند روز کے بعد دیکھنا کہ اللہ کیسی کشائش اور فراخ دستی پیدا کرتا ہے۔

ایک عورت کے لیے سید صاحب کی دعا:

بنارس میں ایک ہندوستانی مسلمان عورت حیاۃ النساء نامی کسی فرنگی سے علاقہ زوجیت

رکھتی تھی۔ سفر حج سے ایک سال قبل جب آپ بنارس تشریف لائے تھے تو اس عورت نے فرنگی سے اپنا علاقہ زوجیت قطع کر کے آپ کی بیعت سے مشرف ہوئی تھی۔ اس کو حضرت کے ساتھ نہایت اخلاص اور کمال اعتقاد تھا۔ ہزاروں روپئے نقد اور ہزاروں کا مال واسباب اور مکان جو اس فرنگی کا تھا، اس کی یہ مالک تھی۔ اب کی بار جب حج کو جاتے ہوئے بنارس میں فروکش ہوئے اور ایک مہینے سے کچھ زیادہ رہے تو ایک روز اس نے آپ کو اپنے مکان پر بلایا۔ آپ کئی ہمراہیوں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ سب لوگ باہر رہے، حضرت کو اس نے اندر بٹھایا۔ عورت نے چھ سات ہزار کا مال واسباب اکٹھا کر رکھا تھا، چاہا کہ آپ کی نذر کرے۔ آپ نے فرمایا کہ 'یہ حرام اور خبیث ہے، ہم نہ لیں گے۔' آپ کی زبان سے یہ کلام سن کر وہ رونے لگی، اور کہا کہ میں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اس نیت سے کہ میری نجات ہو اور گناہوں سے پاک ہو جاؤں، اس کے باوجود میں ناپاک رہی اور کوئی صورت اس ناپاکی سے نکلنے کی نہیں ہوئی۔ اس کے رونے سے آپ کو بھی قلق ہوا، اس سے فرمایا کہ 'تم رنجیدہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ تم کو اس مال خبیث کے کھانے پینے سے بچاوے گا اور اس کی گرفتاری سے چھڑاوے گا۔ ہم کسی وقت تمہارے لیے دعا کریں گے، اللہ سے امید ہے کہ کوئی صورت نجات کی ہو جاوے گی۔' اس نے عرض کی کہ حضرت! ظاہر میں مجھ کو تو اس سے بچاؤ کی کوئی راہ نظر نہیں آتی، وہ کون سی صورت ہوگی؟ آپ نے فرمایا کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ مجھ کو خبر نہیں، وہ جس صورت سے چاہے گا، بچاوے گا۔

اس کے بعد آپ وہاں سے اپنے مکان پر تشریف لائے۔ دوسرے یا تیسرے روز حکیم سلامت خان اس بیگم موصوفہ کے نوکر آپ کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے تمہاری بیگم صاحبہ کے لیے دعا کی تھی، سو جناب الٰہی میں مقبول ہوئی۔ ان سے یہ حال بتا دینا، ان شاء اللہ جلد ہی کوئی صورت مخلصی کی نکل آوے گی۔

بنارس کا ایک واقعہ:

بنارس میں رمضانی اور تاج محمد نامی دو بھائی کندی گر تھے۔ جب پہلی بار حضرت بنارس تشریف لے گئے تھے، اسی وقت دونوں حضرت کے ہاتھ پر بیعت کیے تھے۔ دونوں نیک بخت مگر محتاج وغریب تھے۔ فقط ایک دوکان کندی کی چلتی تھی، اور اس میں جو کچھ ملتا تھا اسی میں گزر ہوتی

تھی۔ اب کی بار سفر حج میں حضرت بنارس تشریف لے گئے تو انہیں کے محلّہ کے قریب اترے۔ ان دنوں ان کی بہن کی شادی کی تاریخ مقرر ہوئی تھی۔ رمضانی نے آ کر عرض کی کہ حضرت! میری بہن کا فلاں دن بیاہ ہے، امیدوار ہوں کہ آپ بھی کچھ آدمیوں کے ساتھ میرے مکان میں قدم رنجہ فرماویں گے۔ آپ نے پوچھا کہ تمہارے یہاں شادی بیاہ میں کیا کیا رسمیں ہوتی ہیں؟ عرض کی کہ جو شہر میں اور غریب مسلمانوں کے یہاں رائج ہیں، جیسے گانا بجانا ناچ وغیرہ۔ آپ نے فرمایا کہ ایسی شادی میں ہم نہ جاویں گے۔ اگر موافق شریعت اور سنت رسول کے کرو تو ہم چلیں، ورنہ جو تمہارے یہاں کھانا پکے بھیج دینا ہم کھالیں گے۔

رمضانی نے کہا کہ میں آپ کا فرماں بردار ہوں جیسا آپ فرماویں بجالاؤں مگر دولہا پر میرا اختیار نہیں کہ اس کا تدارک کرسکوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دولہا کے گھر والوں کو ہمارے پاس لے آؤ، ہم ان کو سمجھاویں گے اگر مان گئے تو بہتر ہے۔

دوسرے دن دولہا کے باپ بھائی چچا وغیرہ کو آپ کے پاس لے آئے۔ یہ لوگ بھی حضرت کے مرید تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ تمہارے یہاں شادی میں بدعت اور خلاف سنت کام نہ ہونے پاوے، موافق سنت نکاح کرو تو ہم بھی تمہاری بارات میں چلیں، ورنہ ہم کو لے جانے کا تکلف نہ کرو۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہم آپ کو ضرور لے چلیں گے اور جیسا آپ ارشاد فرماویں گے، ہم ویسا بجالاویں گے، کسی امر میں کچھ فرق نہ ہونے پاوے گا۔

آپ یہ سن کر خوش ہوئے اور چلنے کا وعدہ کیا۔ پھر جو باتیں شادی میں کرنے کی تھیں اور جو نہ کرنے کی تھیں، سب ان کے سامنے بیان کیں، اور انھیں رخصت کیا۔

شادی کے دن جب بارات آئی تو آپ سو سوا سو آدمیوں کے ہمراہ رمضانی کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ کی اجازت سے مولانا عبدالحی صاحب نے نکاح پڑھایا۔ اس کے بعد اسی مجلس میں آپ نے رمضانی کے لیے دعا کی، اور فرمایا کہ جو کام اللہ و رسول کے حکم کے موافق ہوتا ہے، اس میں خیر و برکت بہت ہوتی ہے، دنیا و آخرت دونوں جگہوں میں۔

جہاں آپ بیٹھے ہوئے تھے وہیں دو لکڑیاں گڑی ہوئی تھیں۔ آپ نے ان پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ ’میاں رمضانی! ہم نے تمہارے لیے اللہ سے دعا کی ہے، ابھی تو تمہارے پاس یہ دو ہی

لکڑیاں ہیں، اور تم اکیلے کام کرتے ہو۔ ان شاء اللہ چند روز کے بعد جب تک ہم حج کر کے آویں گے، تم دیکھنا یہاں کتنی لکڑیاں گڑی ہوں گی، اور اتنے کاریگر اس مکان میں کام کریں گے کہ آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ نہ ہوگی۔ اور اس محلّہ کی سب دوکانوں سے تمہاری دوکان نامی اور مشہور ہو جاوے گی۔ مگر جو کچھ تم کو فائدہ ہو اس میں سے ایک حصہ اپنے چھوٹے بھائی تاج محمد کو بھی دیا کرنا۔ اس لیے کہ مشقت کا کام اس سے نہیں ہوگا‘

القصہ ہوا وہی جو آپ نے فرمایا تھا، جب حضرت حج کر کے تشریف لائے تو اس وقت بتیس (۳۲) کاریگر رمضانی کے مکان میں کام کرتے تھے، اور رمضانی ہزاروں روپیوں کے مالک ہو چکے تھے، اور تمام بنارس میں رمضانی کی دوکان مشہور ہوگئی تھی۔

حضرت کے خادم دین محمد کی کہانی انہیں کی زبانی:

بنارس پہنچنے کے کئی روز کے بعد میں سخت بیمار ہوا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ بے ہوش ہو گیا، اور دانت بند (لگ) ہو گئے۔ کسی کو امید نہ تھی کہ یہ بچے گا۔ حکیم مغیث الدین صاحب قافلہ کے ہمراہ تھے، انھوں نے آ کر دیکھا اور کہا کہ دوا تو بتلا دیویں گے مگر دانت بند ہے پلائی کیسے جاوے گی؟ لوگ اسی فکر میں تھے کہ میاں عبداللہ نے حضرت کو جا کر خبر کی۔ آپ اسی وقت میرے پاس تشریف لائے۔ میرا حال دیکھ کر فرمایا کہ اس بیماری سے اللہ ان کو نجات دے گا، یہ مریں گے نہیں۔ ایک دوا ہم بتاتے ہیں، پلاؤ، ان شاء اللہ آرام ہو جاوے گا۔ میاں عبداللہ نے عرض کی کہ حضرت! ان کے دانت تو بند ہیں، کیوں کر پلائی جاوے گی؟ آپ نے فرمایا کہ تم دوا تو تیار کرو۔

ایک ماشہ جائی پھل اور اسی کے بقدر جاوتری اور زعفران منگا کر فرمایا کہ ان تینوں کو ایک دو پیسہ بھر پانی میں پیس کر دونوں ہونٹ کھول کر دوا ڈال دینا، جیسے ہی دانتوں پر دوا پہنچے گی، ان شاء اللہ منہ کھل جاوے گا۔

میاں عبداللہ نے ایسا ہی کیا، اسی وقت میرا منہ کھل گیا، دوا حلق میں اتر گئی اور میں ہوش میں آ گیا۔ پھر چند روز میں اللہ نے مجھے تندرست کر دیا اور جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا۔

’’اچانک‘‘ چمار کے لیے دعا:

بنارس میں جو پرانی ٹکسال مشہور تھی اس میں انگریزوں نے اسپتال بنایا، اور اسی کے

قریب ایک اور اسپتال بنایا۔ ٹکسال کے اسپتال میں پچاس ساٹھ مریض تھے۔ انھوں نے حضرت کے پاس اپنا آدمی بھیج کر درخواست کی کہ ہم لوگ تو معذور ہیں ہمارا وہاں تک آنا دشوار ہے، اگر آپ للّٰہ فی اللہ یہاں تشریف لاویں تو ہم لوگ بھی بیعت کریں۔

آپ ایک دن چند لوگوں کے ساتھ اسپتال تشریف لے گئے اور مریضوں سے بیعت لی آپ کے ہمراہ جو لوگ گئے تھے ان میں سے تین شخصوں کے بدن پر پھنسیاں بہت تھیں، دوسرے اسپتال کا ایک آدمی ان میں سے کسی ایک کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے کہا کہ میاں! تم اپنی پھنسیوں کی دوا کرو، ہم دوا دیتے ہیں۔ حضرت نے اس سے پوچھا کہ کہاں رہتے ہو اور کیا کرتے ہو؟ اس نے بتلایا کہ اس اسپتال میں رہتا ہوں اور اسپتال کا کام کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جو دوا تمہارے پاس ہو ان کو دیدو۔ اس نے تینوں آدمیوں کو تین پڑیا دوا دی، اور کہا کہ ایک دن ناغہ کر کے تین دن صبح میں ایک ایک پڑیا کھا لینا۔ تینوں دن تم لوگوں کو پانچ پانچ دست ہوں گے، اور پانچ مرتبہ قے ہوگی۔ قے کے بعد آدھ پاؤ یا دو چھٹانگ دہی پی لینا، متلائی طبیعت موقوف ہو جائے گی۔ خدا چاہے گا تو اسی دوا میں سب پھنسیاں خشک ہو کر ٹھیک ہو جاویں گی۔

تینوں شخصوں نے اسی ترکیب سے دوا کھائی، اور ایک ہفتے میں چنگے ہو گئے۔

ایک روز اتفاقاً حضرت چند لوگوں کے ہمراہ پھر اسی اسپتال کی طرف تشریف لے گئے۔ وہ ڈاکٹر آپ کے پاس آیا، آپ نے اس کی تعریف کی کہ تشخیص تمہاری بہت خوب ہے، اور تم اس فن میں ہوشیار معلوم ہوتے ہو۔ اس نے عرض کی حضرت! سات روپئے میں نوکر ہوں، اور خرچ گھر میں زیادہ ہے، اس نوکری میں گزران کی صورت نہیں معلوم ہوتی۔ آپ میرے حق میں دعا فرما دیجئے۔

آپ نے پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا میرا نام ''اچانک'' ہے اور ذات کا چمار ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم تمہارے لیے دعا کریں گے مگر اس شرط پر کہ جو غریب مسلمان مریض تمہارے اسپتال میں آویں، ان سے کچھ نہ لینا، ہاں جو مالدار ہوں ان سے لینے میں مضائقہ نہیں۔ اللہ تمہارے ہاتھ میں شفا دیوے گا، جس کی دوا کرو گے وہ اچھا ہو جاوے گا، دور دور تک تم مشہور ہو جاؤ گے اور سینکڑوں آدمی تمہارے کاروبار میں ہوں گے۔

پھر آپ نے اس کے لیے دعا کی اور فرمایا کہ چند روز بعد اس دعا کی خیر و برکت دیکھنا کہ کیسا تمہارا عروج ہوتا ہے۔

بنارس سے زمانیہ:

ایک مہینے سے کچھ زیادہ حضرت نے بنارس میں قیام فرمایا اس کے بعد چلنے کی تیاری کی۔ اہل قافلہ کے لیے چار ناویں کرایہ پر لیں، اور ایک بجرا اپنے واسطے لیا اور بنارس سے کوچ کیا۔ اسی روز کچھ دن رہے قصبہ زمانیہ کے کنارے ناویں لگیں، اس دن محرم کی دسویں تاریخ تھی، لوگ تعزیوں کو گاڑ توپ چکے تھے۔

کبڈی کی اجازت:

دریا کے کنارے ریت کا صاف ہموار میدان تھا، قافلہ میں جو لڑکے تھے بعد مغرب اسی میدان میں کبڈی کھیلنے لگے۔ ان کو دیکھ کر اکثر نوجوان بھی راغب ہوئے۔ حضرت سے اجازت چاہی، آپ نے فرمایا کہ مشاقی کرنی تو بہتر ہے خصوصاً مجاہدین کے لیے کفار سے مقابلہ کی نیت سے۔ پھر اکثر لوگ مستعد ہو گئے، آدھے ایک طرف اور آدھے دوسری طرف، اور کبڈی کھیلنے میں مشغول ہو گئے۔

برہنہ مجذوب سے ملاقات:

بستی کے چند لوگ جو حاضر تھے ان میں سے کسی نے ذکر کیا کہ یہاں بستی کے باہر جنگل میں کئی سال سے ایک مجذوب مادرزاد برہنہ رہتے ہیں، کسی کو اپنے پاس آنے نہیں دیتے، جو جاتا ہے اس کو اینٹ پتھر مارتے ہیں۔ یہ سن کر سید صاحب نے فرمایا کہ ہم ان سے ملاقات کے لیے جائیں گے۔ اور بیس پچیس آدمیوں کے ساتھ آپ پیادہ تشریف لے گئے۔ جب قریب پہنچے تو اپنے لوگوں کو ہاتھ کے اشارے سے روک دیا اور اکیلے مجذوب کی جانب بڑھے۔ مجذوب نے جب آپ کو دیکھا تو از خود کھڑا ہو گیا اور بکمال خوش الحانی سے دیوان حافظ کی غزل کا یہ مطلع پڑھا:

تعالیٰ اللہ چہ دولت دارم امشب
کہ آمد ناگہاں دل دارم امشب

آگے بڑھ کر بڑے تپاک سے سید صاحب سے ملا، آپ وہیں دوزانو بیٹھ گئے، اور اس

نے اسی خوش الحانی سے غزل مکمل کی۔

پھر سید صاحب سے پوچھا کہ آپ کا ارادہ کدھر جانے کا ہے؟ جواب دیا کہ حرمین شریفین کا۔ پوچھا کہ بیت المقدس، کربلائے معلیٰ اور بغداد شریف کا بھی ارادہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو ایک اور ضروری کام ہے، سو بعد ادائے حج اس کی تدبیر کرنی ہے۔ اس لیے کہیں اور کا ارادہ نہیں ہے۔ اس کے بعد پھر اس نے حافظ کی دوسری غزل اسی خوش الحانی سے پڑھنی شروع کی، اور مکمل کر کے پھر دو چار بات کی، پھر تیسری غزل پڑھی اور دو چار بات کی، اسی طرح کئی غزلیں پڑھیں اور باتیں کی۔

حضرت کے ہمراہی ایک جھاڑی کے آڑ سے ان بزرگ کو دیکھ رہے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ وہ اس وقت گھٹنوں تک تہبند باندھے ہوئے تھے اور گورے خوبصورت تھے، بڑی بڑی سفید گول داڑھی تھی۔ جب حضرت واپس لوٹے تو فرمایا کہ مجذوب اچھے شخص ہیں۔

زمانیہ میں قیام کے دوران:

دو شب حضرت نے زمانیہ میں قیام فرمایا، غالباً وہاں کسی کی طرف ضیافت نہیں ہوئی۔ حضرت کے ایک شناسا رستم علی خان نامی وہاں رہتے تھے مگر ان دنوں وہ بلدہ ٹونک میں نواب امیر الدولہ بہادر کے یہاں بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ ان کا ایک بیٹا تھا، وہ حضرت کو اپنے مکان پر لے گیا، اور وہاں بہت سے پٹھانوں نے بیعت کی۔

غازی پور گھاٹ:

تیسرے روز وہاں سے ناویں روانہ ہوئیں اور غازی پور گھاٹ پر ایک مسجد کے قریب ٹھہریں۔ وہاں آپ نے کئی روز قیام کیا اور کئی جگہ ضیافت ہوئی۔ ایک تو شاہ منصور عالم کے یہاں، ایک منشی غلام علی ضامن کے یہاں اور ایک قاضی محمد حسن کے یہاں۔ ان لوگوں نے اپنے اہل و عیال سمیت حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی اور اپنے لیے حضرت سے دعا کرائی۔

پیرزادے کی ہٹ دھرمی:

وہاں ایک پیرزادے تھے، کئی گاؤں کے مستاجر، بڑے مالدار اور امیر کبیر اور ساتھ ہی بڑے بدعتی بھی تھے۔ ایک روز انھوں نے دعوت کی اور شادی بیاہ کی رسومات کی بابت بہت سی

گفتگو کی کہ سہرا کنگنا باندھنا، ناچ کروانا، باجا بجانا، گیت گوانا، آتش بازی چھوڑنا، ان کے کرنے میں کچھ برائی نہیں ہے، بڑے بڑے نامی بزرگ اپنے یہاں شادی بیاہ میں کرتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ یہ سب باتیں گناہ کی ہیں، اور ان کو چاہئے کہ اس کو اچھا نہ جانیں، اگرچہ اپنے نفس کی شامت سے وہ ان بلاؤں میں مبتلا ہیں۔ گناہ کے کام کو گناہ جان کر کرنا فسق ہے اور بہتر جان کر کرنا کفر ہے۔ تم کو بھی لازم ہے کہ ایسے عقیدہ سے توبہ کرو اور اپنے دل میں پشیمان ہو۔

انھوں نے ایک نہ مانی، اپنی ہی بات پر اڑے رہے۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھ کو خوف معلوم ہوتا ہے اس امر میں تم پر کہیں غضب الٰہی نہ نازل ہو، پھر آپ نے ان سے کلام نہ کیا۔

غازی پور سے کوچ اور مختلف مقامات:

غازی پور میں کئی دن قیام رہا، اس کے بعد کوچ کر کے پٹھانوں کی بستی بارا ہی گھاٹ پہنچے۔ ابھی دن بہت باقی تھا، آپ نے آگے چلنے کا ارادہ کیا تو وہاں کے لوگوں نے اصرار کر کے روک لیا۔ وہاں کے بیشتر لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان میں سے تیغ علی خان اور سردار خان کو آپ نے اپنا خلیفہ نامزد کیا، اور خلافت نامہ دیا۔ رات میں سب لوگوں نے مل کر آپ کی ضیافت کا انتظام کیا۔

اگلے روز وہاں سے ناویں روانہ ہوئیں تو موضع بلیا میں جا کر ٹھہریں۔ وہاں کے بھی بیشتر لوگوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

وہاں سے روانہ ہو کر بکسر کے کنارے ناویں لگیں، ابھی دن بہت باقی تھا۔ وہاں کے قاضی صاحب نے حضرت کو ٹھہرانے کا ارادہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ رہنے میں حرج ہوگا اور ابھی دن اتنا باقی ہے کہ کئی کوس جایا جا سکتا ہے۔ اگر اتنی اتنی دور دور پر اترتے رہے تو امسال بیت اللہ شریف پہنچنا دشوار ہو جائے گا۔ آپ کو بیعت کرنی منظور ہے، سو اس کے لیے ہم دو چار گھڑی ٹھہر جاویں گے۔

آپ نے اپنا بجرا روک لیا اور کشتیوں کو روانہ کر دیا، اور فرمایا کہ پیچھے سے ہم ان شاء اللہ آتے ہیں۔ قاضی صاحب پٹہ بال رکھے، داڑھی منڈائے، گھٹنوں تک دھوتی باندھے بالکل ہندو معلوم ہوتے تھے۔ قاضی صاحب کیا سب مسلمان وہاں کے ایسے ہی تھے۔ تعزیہ بھی بناتے، امام

باڑہ اور چبوترہ بھی تھا۔

قاضی صاحب نے بیعت کی تو آپ نے ایک روپیہ برکت کا دیا اور ان کو اپنا خلیفہ بنایا اور فرمایا کہ امام باڑہ اور چبوترہ توڑ کر مسجد بنا دو۔ پھر بستی کے بہت سے لوگوں نے یہاں تک کہ انگریزی بٹالین کے لوگوں نے بھی آ کر بیعت کی، اور جلد کھانا پکوا کر حضرت اور جو بیس تیس ہمراہی تھے ان کو کھلایا، اور ایک دیگ گاڑی پر لدوا کر آگے جانے والی ناؤ پر بھی پہنچوایا۔

چیران چھپرے میں:

یہاں سے ناویں چل کر چیران چھپرے میں ٹھہریں۔ بہت سے لوگ آپ کو لینے آئے۔ ان میں فرحت علی نامی ایک شخص بڑے دیندار اور پرہیزگار تھے۔ یہ لوگ حضرت کو لے کر شہر گئے، اور وہاں بیعت کرنی شروع کی۔ بیعت کے بعد فرحت علی حضرت کو اپنے مکان پر لے آئے اور اپنے اہل و عیال کو مرید کرایا۔

کسبیوں کے لیے دعا کی درخواست:

اس کے بعد حضرت سے عرض کی کہ اس شہر میں تین چار کسبنیں بڑی مالدار اور نامی ہیں، ایک عرصہ بعید سے میں درپے ہوں کہ وہ کسی طرح اپنے ناپاک پیشے سے باز آ جائیں، اور کسی نیک بخت و پرہیزگار مرد سے نکاح کر لیں مگر کسی طرح سے قابو میں نہیں آتیں، اور سو طرح کے حیلے اور عذر کرتی ہیں۔ بڑے بڑے دنیا دار پیرزادوں نے ان کو بہکا رکھا ہے۔ سال بھر میں کئی بار آتے ہیں اور ان کی دعوتیں اور ضیافتیں کھاتے ہیں، اور صدہا روپئے نذرانے لے جاتے ہیں۔ نہ کسی گناہ وخطا پر ان کو ٹوکتے ہیں اور نہ ہی حرام کاری سے ان کو روکتے ہیں۔ بلکہ کہتے ہیں کہ اس پیشہ میں کون سی برائی ہے؟ یہ تو مشقت کی کمائی ہے، تمہارا تو یہی پیشہ ہے، البتہ دوسروں کے لیے حرام ہے۔

اپنے مطلب کی ایسی باتیں سن کر وہ اور بھی جری ہو گئی ہیں۔ میرا مدعا یہ ہے کہ آپ اس امر میں دعا کریں کہ اللہ ان کو راہ راست پر لائے اور ہدایت عطا فرمائے۔ حضرت نے فرمایا بہتر ہے ہم کسی وقت دعا کریں گے۔ اس کے بعد آپ اپنے بجرے پر واپس آ گئے۔

کسبیوں کی حاضری:

عشا کے بعد شہر کی طرف سے کئی لالٹینیں روشن نظر آئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد فرحت علی

نے حضرت کو آ کر اطلاع دی کہ وہی کسبنیں آپ سے بیعت کے لیے آ رہی ہیں اور کچھ نذرانہ بھی آپ کے لیے لا رہی ہیں۔ کیا ارشاد ہے اس کے بارے میں؟ آپ نے فرمایا کہ آنے دو، جب آویں تو ان کو بٹھانا۔

جب وہ قریب آئیں تو بجرے سے لوگ اتر گئے۔ مولوی وحید الدین اور ان کے بھائی حافظ قطب الدین بیٹھے رہے۔ انھوں نے ان کو بجرے پر بلا لیا، اندر سے آپ تشریف لائے تو انھوں نے آپ کو سلام کیا اور پیتل کی ایک تھالی جس میں قریب چار سو یا پانچ سو روپے ہوں گے اور چند بیش قیمت سوتی اور ریشمی کپڑے آپ کے سامنے رکھے اور عرض کی کہ یہ آپ کا نذرانہ ہے، آپ ہم کو مرید کریں۔

آپ نے فرمایا کہ تمہاری نذر ہم نہ لیں گے، البتہ بیعت اگر چاہو تو کرو مگر ہماری شرط کے موافق، ورنہ بیعت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سن کر انھوں نے آپس میں کچھ خسر پھسر کیا اور پھر کہا کہ آپ ہم کو بیعت کر لیں، ہم آپ کو مزید نذر دیویں گے۔ حضرت نے مولوی وحید الدین سے کہا کہ ان کو سمجھاؤ۔

مولوی صاحب نے ان سے کہا کہ تمہاری یہ نذر حرام پیسے کی کمائی ہے، اس لیے سید صاحب لینے سے انکار کرتے ہیں۔ تم اس سے ہرگز دلگیر اور ناخوش نہ ہوؤ، اور اگر بیعت کرنی ہو تو تم لوگ جو پیشہ کرتی ہو اس کو چھوڑنا پڑے گا ورنہ بیعت کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ اپنے گھر چلی جاؤ۔

یہ گفتگو سن کر انھوں نے کہا کہ مولوی صاحب! آپ یہ کیا کہتے ہیں؟ بڑے بڑے نامی پیر ہمارے مکان پر آتے ہیں، دعوتیں کھاتے ہیں اور نذریں لے جاتے ہیں، اور جو آپ کہہ رہے ہیں، ہم سے تو آج تک کسی نے نہیں کہا۔ اسی طرح کی اور دو چار باتیں کہہ کر چلی گئیں۔

کسبیوں کے لیے سید صاحب کا حکم:

ان کے جانے بعد فرحت علی نے سید صاحب سے عرض کی کہ مجھ کو بڑی امید تھی کہ آج یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہیں، کچھ نہ کچھ تھوڑا بہت ان کو فائدہ ہو جاوے گا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نصیب میں ہدایت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی فرحت علی! ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے، جس کے ہاتھ چاہے دے۔ ہم تم کو خلافت نامہ دے کر اپنا خلیفہ بناویں گے۔ ہم تم

بوئے جاتے ہیں ان شاء اللہ ہمارے جانے کے بعد یہ لوگ تمہارے ہاتھ پر توبہ کر کے پکی مسلمان دیندار اور پرہیزگار بن جاویں گی۔ توبہ کے بعد اگر یہ تم سے اپنے مال واسباب کے بارے میں پوچھیں کہ ہم اس کو کس خرچ میں لاویں؟ تو سوا اس کے تم کچھ نہ کہنا کہ تمہارا مال خبیث اور حرام ہے تم جانو تمہارا مال جانے، ہم نہیں جانتے، اسی میں تمہاری رہائی ہے۔

پھر فرحت علی نے عرض کی کہ اب میرے لیے دعا فرمایئے کہ اللہ مجھے بابرکت روزی دے، اور اپنی رضامندی کا کام مجھ سے لے۔ آپ نے دعا کی اور برکت کا ایک روپیہ دیا۔ مزید کرتہ اور ٹوپی عطا کر کے اپنا خلیفہ بنایا، اور وہاں کے لوگوں سے کہہ دیا کہ ان کو میری جگہ سمجھنا، دین و دنیا کا جو بھی کام ہو ان سے پوچھ کر کرنا۔

دانا پور گھاٹ پر:

دوسرے دن چیران چھپرے سے ناویں روانہ ہوئیں اور دانا پور گھاٹ پر جالگیں۔ شیخ علی جان جو ملاحوں کے چودھری تھے، حضرت کو بجرے سے اتار کر اپنے مکان پر لے گئے۔ شیخ علی جان بہت خوش حال اور صاحب مال تھے۔ ہندوؤں کی طرح دھوتی باندھے، سر پر پٹے، داڑھی منڈی ہوئی، کمر تک مرزئی (واسکٹ) پہنے ہوئے۔ غرض کوئی علامت مسلمان ہونے کی ان پر نہیں تھی۔ علی جان کیا سارے ہی لوگ اسی ہیئت میں تھے۔

انھوں نے قافلہ کی دعوت کی، پلاؤ پکوا کر کھلایا، اس کے بعد اپنے زنانہ مکان میں لے گئے، عورتوں اور لڑکوں بالوں کو مرید کرایا، پھر برادری کے جوان کے خویش واقربا تھے ان کو مرید کرایا، اور ان کے گھروں میں لے جا کر ان کے اہل وعیال کو مرید کروایا۔

شیخ علی جان کی صاف گوئی:

جب سب سے فارغ ہوئے تو حضرت سے عرض کی کہ حضرت! گستاخی اور بے ادبی معاف، صاف صاف بات یہ ہے کہ میرے مکان پر بہت سے پیرزادے آئے ہیں۔ بہتیروں کے ہاتھ پر میں نے بیعت بھی کی، مگر جیسا تھا ویسا ہی رہا، کچھ نہیں بدلا۔ اگر آپ کی بھی بیعت کا یہی حال ہے تو بیعت کرنی کچھ ضروری نہیں، کئی بار کر چکا ہوں۔ اور اگر میرا حال بدل جانے کی امید ہو تو آپ مجھ سے بیعت لیں۔ آپ نے فرمایا کہ شیخ بھائی! حال بدل دینا تو اللہ کے قبضہ قدرت

میں ہے، تم بسم اللہ کر کے بیعت کرلو۔ اللہ کی ذات پاک سے ہمیں قوی امید ہے کہ تمہارا حال ایسا تبدیل ہوجاوے گا کہ دیکھنے والے کہیں گے کہ یہ شیخ علی جان وہی ہیں یا کوئی اور!

یہ بات سن کر انھوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور کچھ روپے نذر کیے، ساتھ میں چھ سات کرسیاں بھی تھیں، ان میں سے دو بہت بیش قیمت تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم تو مسافر ہیں، ان کرسیوں کو کیا کریں گے؟ اور کہاں لادے پھریں گے۔ یہ تمہارے کام کی ہے تمھیں اپنے پاس رکھو۔ انھوں نے بہت اصرار کیا تو دونوں بیش قیمت کرسیوں میں ایک کرسی ان کی خاطر لے لی، اور باقی واپس کردی۔

مسجد کی بنیاد:

علی جان کے مکان کے قریب ان کا تعزیہ رکھنے کا چبوترہ اور امام باڑہ تھا، لوگوں نے حضرت کو اطلاع دی تو آپ نے علی جان سے فرمایا کہ اس چبوترے کو کھود کر یہاں مسجد بناؤ کہ محلّہ کے لوگ اس میں نماز پڑھا کریں۔ اور امام باڑہ رہنے دو، مہمانوں اور مسافروں کے ٹھہرنے کے کام آوے گا۔ شیخ علی جان نے اسی وقت چبوترہ کھود ڈالا اور حضرت سے عرض کی کہ حضرت! اپنے ہی دست مبارک سے مسجد کی نیو ڈال دیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو نمازیوں سے آباد رکھے۔

صدرالدین سے ملاقات:

علی جان کی جو ہیئت مذکور ہوچکی ہے، ویسی ہی ہیئت صدرالدین کی بھی تھی۔ انھوں نے اپنے اہل وعیال اور عزیز واقربا کو مرید کرایا۔ ان کا ایک احاطہ تھا جہاں جانور ذبح ہوتے تھے، اس میں فرش بچھوایا اور اس میں حضرت کو لے جا کر بیٹھایا، اور وہیں خود بھی بیعت کی۔

ایک پانچ چھ برس کا لڑکا عبدالرحیم نامی ان کے پاس تھا، عرض کی کہ میرے تو کوئی لڑکا بالا نہیں۔ یہ میرا بھتیجا ہے اور یتیم ہے۔ حضرت نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ بھائی صدرالدین! تم للہ فی اللہ اپنے اس بھتیجے کی بیٹے کی طرح پرورش کرو، ان شاء اللہ دنیا میں بیٹے ہی کی طرح یہ تمہارے کام آوے گا۔ پھر آپ نے صدرالدین کے لیے اور اس بستی والوں کے لیے دعا کی۔

سپاہیوں کی بیعت اور ان کی گزارش:

جب شہر دانا پور کے لوگ حضرت سے بیعت کر چکے تو انگریزی چھاؤنی کے مسلمان سپاہی حضرت کو چھاؤنی میں لے گئے، اور بے شمار لوگوں نے وہاں بیعت کی۔ چھاؤنی میں مسلمان سپاہیوں کا تعزیہ داری کا ایک چبوترہ اور امام باڑہ تھا۔ بیعت کے بعد لوگوں نے حضرت سے چبوترے اور امام باڑہ کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ اب تو تم نے تمام شرک و بدعت سے توبہ کر لی ہے، اب تم لوگوں کے لیے لازم ہے کہ چبوترے کو کھود ڈالو اور وہاں نماز پڑھنے کے لیے مسجد بنالو۔ اسی وقت کئی آدمیوں نے مل کھود ڈالا، اور امام باڑہ کے بارے میں حضرت نے فرمایا کہ اس کو مسجد مقرر کر لو اور جب تک چبوترے کی جگہ مسجد نہیں بن جاتی، اس میں نماز پڑھا کرو۔

دوسری عرض یہ کی کہ ہم لوگوں کے وردی کے پائجامے اس قدر تنگ ہیں کہ اس کو پہن کر نماز نہیں پڑھ سکتے۔ اور تیسری عرض یہ کی ہے کہ ہم لوگ داڑھی نہیں رکھ سکتے، اس کی تشویش ہم کو بہت ہے مگر کچھ اختیار نہیں ہے، الا یہ کہ نوکری چھوڑ دیں۔ سو آپ دعا کیجئے کہ اللہ ہم لوگوں کو اس بلا سے نجات دیوے۔

آپ نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور لوگوں نے آمین کہی۔ دعا کے بعد آپ نے فرمایا کہ بھائیو! جناب الٰہی سے امید قوی ہے کہ کچھ ہی مدت کے بعد تم لوگوں کی مرادیں پوری ہو جاویں گی۔

عظیم آباد کے لیے روانگی:

دانا پور میں تین یا چار دن قیام فرمایا، وہیں عظیم آباد کے لوگ آپ کو لینے آ گئے تھے۔ ناویں کھلیں اور قافلہ عظیم آباد کی طرف بڑھا۔ لوگ جا بجا گھاٹ دکھلاتے جا رہے تھے کہ جو گھاٹ پسند ہو وہاں کشتیاں لگائی جاویں، مگر کوئی ایسا گھاٹ نہ مل سکا کہ اس کے کنارے وسیع میدان اور پاکیزہ قابل جماعت جگہ ہو۔ چلتے چلتے عظیم آباد کے پرلے سرے پر ایک پسندیدہ گھاٹ ملا، وہیں کشتیاں لگائی گئیں۔

عظیم آباد میں رہائش کا انتظام:

جب کشتیاں اپنے اپنے ٹھکانے پر لگ گئیں تو حضرت نے مولوی یوسف صاحب سے

مخاطب ہوکر فرمایا کہ یہاں سات آٹھ دن قیام رہے گا، ہمارے پاس سامان کم ہے، اگر اس عرصے میں پانچ سات پال اور دو تین چھپر تیار ہوسکیں تو بنوالو۔ آگے کلکتہ ہے، وہاں قیام کرنے میں دقت ہوسکتی ہے، اگر یہ سامان یہیں بن جاوے گا تو وہاں لوگوں کو آرام رہے گا۔

دوسرے دن میاں دین محمد، رحیم بخش خیاط، شیخ باقر بازار گئے سامانوں کی خریداری کے لیے۔ ٹاٹ وہاں بہت کثیر اور ارزاں تھا۔ ٹاٹ کے دہرے تھیلے جس میں دو من اناج سماوے، ڈیڑھ آنے کا تھیلا بکتا تھا۔

وہیں ایک دوکان سے پانچ پالوں کا ٹاٹ خریدا گیا اور وہیں رسیاں، بانسے اور ستلی سینے کے واسطے خرید لی گئی، اور وہیں دو آنے پال پر مزدوری مقرر کرکے سب اسباب ایک سینے والے کے سپرد کردیا گیا۔

اسی روز دوپہر کو مزدور پانچوں پالیں گھاٹ پر لے کر آئے، اور وہیں گنگا کے کنارے سب کو کھڑا کردیا اور چلے گئے۔

ظہر کی نماز کے بعد حضرت نے پالیں ملاحظہ فرمائیں اور بہت خوش ہوئے کہ تم لوگوں نے خوب اچھی پالیں بنوائی ہیں۔ یہ عیال داروں کے واسطے بہت خوب ہیں۔ اور پوچھا کہ ایک پال کتنے میں تیار ہوئی؟ رحیم بخش خیاط نے عرض کی کہ دونوں طرف کے پردوں کے ساتھ، زمین کا فرش، بانس، رسیاں اور میخیں سب ملا کر ایک روپے چھ آنے میں ایک پال تیار ہوئی ہے۔ یہ سن کر حضرت اور خوش ہوئے اور فرمایا کہ قافلہ میں جو لوگ اپنی بیویوں کے ہمراہ ہیں ایک پال بنواکر ان کے حوالے کردو، اور ان کو اس پر مکمل اختیار دیدو۔

حضرت کی ہدایت کے بعد قریب ساٹھ پالیں دو دن کے اندر تیار کرائیں گئیں۔ بعض لوگوں نے اپنے پال کی قیمت خود دی، اور باقی پالوں کی قیمت حضرت نے مرحمت فرمائی۔

پھر حضرت نے ہدایت دی کہ کھانے پکانے اور ضروری سامان جن کے پاس نہ ہو، یہیں سے خرید کر ان کے حوالے کردو، اور ہر کشتی پر رکھنے کے لیے ایک ایک انگیٹھی بھی مول لے لو۔

شہر عظیم آباد میں:

جس دن کشتی گھاٹ پر لگی تھی اسی دن شہر کے لوگ حضرت کو پینس پر سوار کرکے شہر لے

گئے۔ وہاں جامع مسجد میں جا کر آپ نے نماز پڑھی اور بے شمار لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر آپ نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ تم یہاں دو چار گھڑی لوگوں کے سامنے وعظ کہو۔ مولانا نے تو وعظ شروع کر دیا اور وہاں کے سید مولوی مظہر علی صاحب حضرت کو پینس پر سوار کر کے اپنے یہاں لے گئے اور اپنے تمام اہل وعیال اور عزیز واقربا اور اہل محلّہ کو بیعت کرایا، اور حضرت سے عرض کی کہ جیسا کہ اور مرید آپ کی توجہ سے فیضیاب ہوتے ہیں ہمارے لوگ بھی امید رکھتے ہیں کہ وہ بھی اس نعمت عظمیٰ سے مشرف ہوں۔ حضرت نے فرمایا بہت خوب، اور ایک صاحب کو توجہ دینے کے لیے ان کے ساتھ لگا دیا۔

اس کے بعد حضرت کو مولوی الٰہی بخش اپنے مکان پر لے گئے، اور دیوان خانے میں بیٹھایا۔ بے شمار لوگوں نے وہاں آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر وہاں اپنے زنانے مکان میں لے گئے اور تمام اہل وعیال کو مرید کرایا۔

مغرب سے قبل گھاٹ پر تشریف لائے اور وہیں مغرب کی نماز ادا کی۔ مغرب کے بعد شہر کے لوگ غول درغول گھاٹ پر حضرت کے پاس آنے لگے اور بیعت وہدایت سے مشرف ہوئے۔

عظیم آباد میں ایک امیر لکھ پتیاں کر کے مشہور تھے، دوسرے دن وہ حضرت کو اپنے مکان لے گئے اور بیعت کی۔ ایک شخص شاکر جان کشمیری نام کے تھے، وہ بھی حضرت کو اپنے مکان لے گئے اور اپنی بیوی، ایک بیٹی اور ایک بیٹا کو بیعت کرایا اور خود بھی بیعت سے مشرف ہوئے۔ حضرت نے ان سے پوچھا کہ تم یہاں اپنے اہل وعیال کے ساتھ کیوں آئے ہو؟ تو انھوں نے اپنا حال بیان کیا کہ کئی مہینے قبل ملک کشمیر سے بارادہ حج آیا تھا، کچھ زادراہ کی تنگی ہوئی اور یہاں وطن کے کئی آشنا مل گئے، انہوں نے ٹھہرا رکھا ہے اور خرچ کا وعدہ کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ خیر اب تم ہمارے ساتھ حج کو چلو، جو ہمارا حال ہے وہ تمہارا ہوگا، اپنا اسباب اٹھا لے چلو اور ہمارے لوگوں کے ساتھ کشتی پر رکھو۔ وہ اس پر راضی ہو گئے۔

تبت کے لوگ:

جس مکان میں یہ کشمیری خاندان ٹھہرا ہوا تھا اسی میں نو مسافر اور تھے، چھ مرد اور تین عورتیں۔ حضرت نے شاکر جان سے پوچھا کہ یہ بھی تمہارے رفیقوں میں ہیں؟ انھوں نے کہا

رفیق تو نہیں ہیں، ہاں اتنا جانتا ہوں کہ تبت کے رہنے والے ہیں، کسی کا پانچویں تبت میں گھر ہے اور کسی کا چھٹے میں، ان کا بھی بیت اللہ شریف کا ارادہ ہے۔

حضرت نے ان کی طرف مخاطب ہو کر ان کے ملک اور اہل اسلام کا حال پوچھا، انھوں نے بتایا کہ دوسرے اور تیسرے تبت تک تو مسلمان بستیوں میں زیادہ ہیں، اور باقی چار تبتوں میں مسلمان کم اور کفار زیادہ ہیں۔ خال خال لوگ نماز روزے سے واقف ہیں، زیادہ تر صرف نام کے مسلمان ہیں۔ گور پرستی اور پیر پرستی میں مبتلا ہیں۔ حضرت نے ان سے پھر پوچھا کہ بیت اللہ شریف جانے کا جو ارادہ تم لوگوں کا ہے تو سفر کے واسطے زاد کتنا ہے؟ اگر اس قدر ہے کہ اپنے پاس سے کھاتے جاؤ اور کھاتے آؤ، تو خیر جاؤ۔ انھوں نے عرض کی کہ اتنا خرچ تو ہمارے پاس نہیں ہے مگر ہم نے سن رکھا ہے کہ آپ نے اذن عام دیا ہے، سو ہم بھی امیدوار ہیں، ہم کو بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔

آپ نے فرمایا کہ بات تو سچ ہے، جن شرطوں کے ساتھ ہم نے اذن دیا ہے ان شرطوں کے ساتھ جو چاہے چلے مگر چونکہ زادراہ تم لوگوں کے پاس کم ہے، اس لیے حج تم پر فرض بھی نہیں، اور مقصد بیت اللہ شریف جانے کا خدا کی رضا ہے۔ اگر تم لوگ مانو تو ہم بھی ایک بات کہیں جس میں حج کے ثواب سے زیادہ ثواب ہے۔ انھوں نے عرض کی کہ اس سے بہتر کیا ہوسکتا ہے، جو کچھ ارشاد ہو ہم حاضر ہیں۔

تبت کی ہدایت کا انتظام:

آپ نے فرمایا کہ آؤ پہلے بسم اللہ کر کے ہمارے ہاتھ پر بیعت کرو، پھر ہم وہ بات بتلاویں گے۔ سب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ہم تم لوگوں کو خلافت نامہ دے کر اپنا خلیفہ بنائیں گے، اور دعوت توحید وسنت کے لیے تمہارے ہی ملک بھیجیں گے، اور اعلام نامہ لکھوا دیں، وہاں جا کر مسلمانوں کو احکام توحید وسنت سکھانا اور شرک وبدعت کے کاموں سے بچانا۔ مگر ایک کام ضرور کرنا کہ اگر تم کو کوئی ڈنڈا، پتھر، لات، گھونسا مارے تو تم لوگ اس پر صبر کرنا، ان کو کچھ نہ کہنا اور تعلیم وتلقین کیے جانا۔ پھر عنایت الٰہی سے تھوڑی ہی مدت میں دیکھو گے کہ دین اسلام کو وہاں کیسے عروج حاصل ہوتا ہے، اور ایذا دینے والے خود آ کر تم سے خطا

معاف کراویں گے۔

یہ سن کر انھوں نے اپنا عذر بیان کیا کہ ہم کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا ہے، اور وعظ و نصیحت کے لیے علم چاہئے۔ زبانی جو کچھ ہو سکے گا لوگوں سے کہیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ تم کسی بات کا اندیشہ نہ کرو، دین اسلام اللہ کا ہے وہ مدد کرے گا۔ ان شاء اللہ ہزاروں آدمی تمہارے ہاتھ سے ہدایت پاویں گے۔

پھر آپ نے سب کو خلافت نامے عطا کیے، اور آٹھ آدمیوں میں چار روپئے برکت کے عنایت کیے، اور فرمایا کہ اپنے ملک میں جہاں جہاں وعظ و نصیحت کے لیے جانا تو دو دو جانا، سب اکٹھے یا تنہا مت جانا۔

پھر آپ نے راستے کے خرچ کے لیے پچیس روپئے دیے، اور کئی ورقوں میں چند آیات و احادیث اور ان کا ترجمہ لکھوا دیا۔ ہر مرد کو ایک ایک کرتہ، عمامہ اور ایک ایک تھان سوسی کا دیا، اور تین عورتوں کو ایک ایک سفید اور دو تھان سوسی کے دیے۔ اور فرمایا کہ تم لوگ اپنے وطن کو بخوبی کھاتے پیتے جاؤ گے اور یہ پیسے بھی بچ رہیں گے، اس کے بعد ان لوگوں کو رخصت کیا۔

کھانے میں برکت:

تبت کے لوگوں کو رخصت کرنے کے بعد آپ قافلہ میں خواجہ جان کشمیری کے ہمراہ تشریف لائے، اور رات میں وہیں رہے۔ دوسرے دن شام میں مولوی الٰہی بخش نے اپنا آدمی بھیج کر پورے قافلہ والوں کی دعوت دی۔ صبح میں کئی گھڑی دن چڑھے حضرت ڈھائی تین سو آدمیوں کے ہمراہ ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ مکان بہت وسیع تھا مگر حضرت کے جلو میں چلنے والے دوسرے لوگوں کی اس قدر کثرت تھی کہ مکان بھر گیا۔ مولوی الٰہی بخش متردد تھے کہ آدمی بہت ہیں اور کھانا کم ہے، لوگ حضرت سے ملاقات کر کے چلے جائیں تو کھانا کھلایا جائے۔ یہ حال حضرت کو معلوم ہوا تو آپ نے اعلان کروا دیا کہ کوئی بھی ہم سے ملے بغیر اپنے مکان نہ جاوے اور جو بھائی جا چکے ہیں ان کو بلا لو۔

مولوی الٰہی بخش اپنے لوگوں سے مشورہ کر رہے تھے کہ ہم نے ہزار آدمیوں کا کھانا تیار کرایا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ قریب چھ سو آدمی حضرت کے ہیں، تین سو ہمارے لوگ ہیں،

اور چھ سات سو شہر کے لوگ ہیں۔ کھانا کم ہے افراد زیادہ۔ سو اس کی تدبیر یہ کرتے ہیں کہ ہمارے جو لوگ ہیں ان کو ابھی رہنے دیں، حضرت کے ساتھ جو لوگ موجود ہیں ان کو کھلا دیتے ہیں، اور حضرت کے جو لوگ کشتیوں پر ہیں ان کے لیے بعد میں میٹھا چاول تیار کرا کے بھیج دیں گے۔

یہی مشورہ کر رہے تھے کہ سید صاحب نے مولوی محمد یوسف صاحب، عنایت اللہ، میاں عبداللہ اور دین محمد صاحب کو مولوی الٰہی بخش کے پاس بھیجا کہ ان سے جا کر کہو کہ جو کھانا ہمارے حصے کا ہے وہ ہمارے حوالے کر دو، ہم سب مل کر کھالیویں گے، اور اگر مولوی صاحب کو اس میں کچھ عذر ہو تو ان کو میرے پاس لاؤ۔

ان لوگوں نے حضرت کا پیغام پہنچایا تو انہوں نے کہا کہ کھانا تو ایک قسم کا ہے نہیں، کئی طرح کے کھانے ہیں۔ اس میں کون سا کھانا تمہارے حوالے کیا جائے؟ پھر وہ لوگ ان کو لے کر حضرت کے پاس آئے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہمارے حصے کا کھانا ہم کو دیدو، اور کسی بات کا اندیشہ نہ کرو۔ ان شاء اللہ کھانا پکانا نہ پڑے گا، اس میں اللہ برکت دے گا اور سب لوگ بافراغت کھالیں گے۔

کھانا لا کر انھوں نے حاضر کیا، آپ نے فرمایا کہ کھانے کے برتن کو ڈھکا رہنے دینا اور بسم اللہ پڑھ کر رکابیوں میں کھانا نکالنا، اور ساتھ میں ہمارے آدمی بھی نکالیں گے۔ کھانا نکالا جانے لگا، لوگ کھانے لگے، حضرت کے لوگ جو کشتیوں میں تھے ان کو بھی کھانا بھجوا دیا گیا اور جو ان کے لوگ تھے انھوں نے بھی بافراغت شکم سیر ہو کر کھایا، اور کھانا بچ بھی رہا۔ مولوی صاحب نے حضرت سے آ کر عرض کی کہ کھانا بچ گیا ہے تو آپ نے خوش ہو کر فرمایا الحمد للہ، اللہ کا شکر ہے۔

دعا کی درخواست:

مولوی فتح علی صاحب کے والد سے مولوی شاہ محمد حسین صاحب اور مولوی الٰہی بخش کہنے لگے کہ سید صاحب کے جو فضائل غائبانہ لوگوں کی زبانی سنے تھے، ان سے بڑھ کر پایا، اور مزید جو فضائل و کمال اللہ نے ان کو عطا کیے ہوں گے، ان کو معلوم کرنا دشوار ہے۔ ان کے ہاتھ پر ہم نے بیعت تو کر لی ہے مگر اب ان سے لگ لپٹ کر کچھ حاصل بھی کرنا چاہئے، خدا جانے پھر ایسا موقع ہاتھ لگے کہ نہ لگے۔

پھر حضرت کو مولوی الٰہی بخش اپنے زنانے مکان میں لے گئے، اور وہاں حضرت کے بہت سے فضائل وکمالات کو بیان کیا۔ اس کے بعد عرض کی کہ اللہ نے یہ نعمت عظمیٰ ہم کو گھر بیٹھے عطا کی کہ آپ کو یہاں بھیج دیا۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے اہل وعیال کے واسطے دعا کریں کہ اللہ ان کو اپنی رضامندی کے کاموں میں لگائے، اور دنیا کی محبت ان سے دور کردے۔

مولوی فتح علی نے عرض کی کہ میرا ایک بیٹا ولایت علی نامی جو یہاں نہیں ہے لکھنؤ میں پڑھتا ہے، بہت بے راہ اور بدچلن ہے۔ اس کے لیے بھی دعا کریں، اور ایک لڑکا احمد علی نامی میرے عزیزوں میں سے ہے وہ بھی وہیں ہے، اس کے لیے بھی دعا کریں۔

آپ نے فرمایا کہ بہت خوب ہم سب کے لیے دعا کریں گے اور اس دعا میں جو حاضر ہیں اور جو غائب ہیں، اللہ سب کے لیے کفایت کرے گا۔ اور ان شاء اللہ جو جیسا بدراہ اور بدچلن ہوگا وہ ویسا ہی سیدھا اور نیک چلن ہوجاوے گا۔ اس کے بعد آپ بہت دیر تک جناب الٰہی میں کمال عجز وزاری کے ساتھ دعا کی۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس وقت تو ہم نے دعا کردی، مگر اس کی خیر وبرکت کا ظہور آپ لوگ چند دنوں کے بعد ان شاء اللہ دیکھیں گے۔

خلافت نامہ:

پھر آپ وہاں سے باہر دیوان خانے میں تشریف لائے اور بیٹھے، اور ان تینوں حضرات کو خلافت نامہ عطا کیا، اور اپنا خلیفہ بنایا۔ انھوں نے عذر کیا کہ ہم لوگ اس کے لائق نہیں، ہم سے کب یہ بارگراں اٹھے گا کہ ہم یہاں سے کہیں جاویں اور خلق اللہ کو خدا اور رسول کا حکم سناویں اور ان کو راہ ہدایت پر لاویں۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اس بات کا پس وپیش نہ کرو، دیکھو اللہ یہیں سے بیٹھے بیٹھے کیسی راہ ہدایت نکالتا ہے، تم کو کہیں جانے کی حاجت نہیں پڑے گی۔

رافضیوں کی فتنہ انگیزی:

شہر عظیم آباد میں رافضیوں کی کثرت تھی۔ ان لوگوں نے سید صاحب کی جانب سنیوں کا جب کثرت سے رجوع دیکھا تو عداوت مذہب سے ان میں سے چند ناکسوں نے وہاں کے بڑے انگریز سے جا کر کہا کہ یہ سید صاحب جو شہر میں اتنے لوگوں کے ساتھ آئے ہوئے ہیں، ہم نے سنا ہے کہ ان کی نیت جہاد کی ہے، اور کہتے ہیں کہ ہم انگریزوں سے جہاد کریں گے اور ان کو ماریں

گے۔ یہ خبر ہم آپ کو محض از روئے خیر خواہی دے رہے ہیں۔

انگریز کی دانائی:

وہ انگریز بڑا دانا اور زیرک تھا۔ اس نے سمجھ لیا کہ یہ رافضیوں کی مفسدی اور فتنہ انگیزی ہے۔ یہ بات محض سنیوں کی عداوت میں کہہ رہے ہیں کہ کسی طرح ان کو ذلیل کر دیویں۔ اس نے ان سے تو کچھ نہیں کہا مگر اپنے منشی سے کہنے لگا کہ سید صاحب کے لوگ بھی مسلمان ہیں اور یہ لوگ بھی مسلمان ہیں۔ اگر یہ دین دار مسلمان ہوتے تو ہم سے ہرگز اپنے دین کی بدخواہی کی بات نہ کہتے۔ ہم لوگوں سے جہاد کرنا کیا یہ لوگ اپنے دین میں درست نہیں جانتے ہیں؟ جو ہم سے خیر خواہی جتاتے ہیں، یہ لوگ بے دین اور مفسد معلوم ہوتے ہیں۔

اور جن پادری صاحب کی یہ شکایت کر رہے ہیں وہ بہت نیک بخت اور حقانی شخص ہیں، اس لیے کہ جاسوس ان کے حال کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ابھی تک کسی نے یہ بات نہیں کہی جو یہ کہہ رہے ہیں۔ وہ پادری صاحب تو حج کو جا رہے ہیں، ان کے ساتھ لڑکے بالے، جوان بوڑھے، امیر غریب سب ہیں، اور ان کے ساتھ جنگی سامان بھی کچھ نہیں ہے۔ ان سے کہہ دو کہ خبردار! بار دگر ہم سے اس طرح کے فساد کی بات نہ کہیں۔ اور وہاں کے کوتوال کو لکھ بھیجا کہ اپنے تھانیدار کو کہلا بھیجو کہ یہاں کے رافضی مفسد ہیں، ان کی بات نہ سننا، اور گھاٹ پر جو پادری صاحب حج کو جاتے ہوئے اترے ہیں، ان سے کہہ دو کہ آپ جب تک چاہیں یہاں رہیں، اور مسلمانوں کو وعظ ونصیحت کریں، ہتھیار باندھے دن یا رات کو جہاں چاہے جائیں، آپ کے لوگوں سے کوئی مزاحم نہ ہوگا، اور یہاں کے رافضی اگر کچھ شرارت کریں گے تو اپنی سزا کو پہنچیں گے۔

پھر سے فتنہ انگیزی کی کوشش:

سنیوں میں سے جو لوگ سید صاحب سے بیعت کر چکے تھے انھوں نے اپنے تعزیوں کے چبوترے کھود ڈالے، اور تعزیے توڑ ڈالے، اور چند رافضیوں نے بھی سید صاحب کے ہاتھ پر رفض سے توبہ کی اور ہدایت پر آ گئے۔

یہ حال دیکھ کر ان مفسدوں نے پھر اسی انگریز سے جا کر نالش کی کہ ہم نے پہلے اطلاع

دی تھی کہ سید صاحب اس ارادے کے آدمی ہیں، مگر آپ نے کوئی توجہ نہ دی اور نہ ہی اس کا تدارک کیا۔ اب دیکھیے وہ تعزیوں کے چبوترے بھی کھودتے ہیں اور تعزیے بھی توڑتے ہیں اور ہمارے بہت سے ہم مذہب کو اپنے مذہب میں کر لیا ہے، اور صدہا بلوائی ان کے ساتھ ہیں۔

اس انگریز نے پوچھا کہ سید صاحب جو تعزیے توڑتے ہیں اور چبوترے کھودتے ہیں وہ اپنے زور اور طاقت سے یہ کام کرتے ہیں یا ان تعزیہ داروں کی خوشی اور ان کو نصیحت کر کے انھیں سے یہ کام کراتے ہیں؟ اور تمہارے ہم مذہبوں کو بزور اپنے مذہب میں لاتے ہیں یا لوگ بخوشی ان کا مذہب قبول کرتے ہیں؟ جواب میں انھوں نے کہا کہ وہ خود سے تو کچھ نہیں کرتے مگر لوگوں کو ایسی بات سکھلاتے ہیں کہ وہ اپنے ہاتھوں سے یہ کام کرتے ہیں، اور اسی طرح ہمارے لوگوں کو ایسی بات سناتے ہیں کہ وہ از خود ان کے مذہب کو قبول کر لیتے ہیں۔

یہ سن کر اس انگریز نے کہا کہ اس امر میں ان پر الزام کی کوئی صورت نہیں ہے، اگر وہ زور و زیادتی سے یہ کام کرتے تو ہم ان کو روکنے کی کوشش کرتے، وہ تو اپنے دین کے مطابق لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں جس کا جی چاہے مانے اور اس پر عمل کرے، اور جس کا جی چاہے نہ مانے، اس کو اختیار ہے، اس امر میں ہم ان کو خلاف قانون نہیں روک سکتے۔ اور اب تم لوگ ایسی فتنہ انگیز بات نہ کرنا ورنہ تم پر سنگین جرمانہ ہو جائے گا۔

رافضیوں کی دعوت اور ہدایت:

عظیم آباد میں رافضی مذہب کے چند نواب زادے بڑے نامی اور جاگیر دار تھے۔ ان میں سے تین نواب زادوں نے حضرت کے پاس پیام بھیجا کہ ہمارے لوگوں سے بڑی غلطی ہوئی جو انگریزوں کے پاس جا کر آپ کے خلاف نالش کی۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے دست مبارک پر برے کاموں اور اپنے مذہب سے توبہ کریں۔ اگر آپ ہمارے یہاں قدم رنجہ فرماویں تو عین ہماری سرفرازی اور آپ کی بندہ نوازی ہے، ورنہ ارشاد ہو تو ہم وہیں حاضر ہوں۔

آپ نے ان کے آدمیوں سے فرمایا کہ ان صاحبوں سے کہنا کہ خدا کے کار میں ہم کو کسی طرح کا عار اور انکار نہیں ہے، آپ کا آنا کچھ ضروری نہیں۔ آپ جس وقت چاہیں ہم کو بلا لیں، ہم ان شاء اللہ بے تکلف چلے آویں گے۔

جب ان کا آدمی یہ جواب لے کر چلا گیا تو شہر کے جو ذی عزت لوگ جو حضرت کے پاس حاضر تھے، کہنے لگے کہ آپ ان کے یہاں ہرگز جانے کا ارادہ نہ کیجئے۔ یہ رافضی لوگ بڑے مکار اور دغا باز ہوتے ہیں، ان کی بات کا کچھ اعتماد نہیں۔ اس لیے کہ تقیہ ان کے مذہب میں فرض ہے۔ پھر ان کے توبہ کرنے اور سنی ہونے کا کیا ٹھکانہ؟ جب چاہے توبہ کر کے سنی ہوگئے اور جب چاہے پھر سے شیعہ ہو جاویں۔

آپ نے ان سے فرمایا کہ جو تم کہتے ہو، وہ ہم بھی جانتے ہیں، مگر جب کوئی شخص سنی ہو یا شیعہ، توبہ کرنے کا ارادہ کرے تو ان سب باتوں کے چکر میں نہیں پڑنا چاہئے، اور اس کو توبہ کرانے میں توقف نہیں کرنا چاہئے۔ توبہ کرا کے اس کو نصیحت کر دے کہ یہ کام نہ کرے اور یہ کام کرے۔ ہدایت تو اللہ کے اختیار میں ہے، جس کو چاہے دے۔

پہلے نواب زادے کے یہاں:

ان تینوں نواب زادوں میں سے ایک قطب الدین خان ہزاری کے نام سے مشہور تھا۔ ظہر اور عصر کے درمیان پینس لے کر ان کا آدمی حضرت کو لینے آیا، قریب دو سو آدمیوں کے قافلے کے ہمراہ آپ اس کے مکان پر پہنچے اور دیوان خانے میں بیٹھے۔ اس وقت نواب قطب الدین خان اپنے زنانے مکان میں کچھ پردوں کی درستی کر رہے تھے۔ جب ان کو معلوم ہوا تو باہر آئے، حضرت سے مصافحہ و معانقہ کیا، اور خیریت دریافت کی، اور آپ کے پاس بیٹھے۔ حضرت نے ان سے پوچھا کہ کہیے! آپ کا کیا ارادہ ہے؟ عرض کی کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں گا اور اندر بھی آپ کو قدم رنجہ فرمانا ہوگا کہ عورتیں بھی بیعت کی مشتاق ہیں۔

وہیں حضرت نے ان سے بیعت لی اور تمام بری باتوں سے توبہ کرائی، اس کے بعد انھوں نے عرض کی کہ آپ میرے حق میں دعا فرما دیجئے کہ اللہ مجھ کو اس توبہ پر ثابت قدم رکھے۔ پھر آپ نے دیر تک ان کے واسطے ننگے سر ہو کر دعا کی، اور فرمایا کہ تم نے جو توبہ کی ہے، اللہ تم کو اس توبہ پر راسخ اور ثابت رکھے گا ان شاء اللہ۔ چند دن کے بعد تم اس کی خوبی اور برکت دیکھو گے۔

پھر وہ حضرت کو اپنے زنانہ مکان میں لے گئے، وہاں ان کی عورتوں سے توبہ کرائی اور بیعت لی۔

نذرانے:

حضرت ابھی اندر ہی تھے کہ نواب قطب الدین نے ایک سینی میں پانچ سو روپئے اور ایک سرخ دوشالہ، اور ایک بوٹے دار رومال، اور کئی تھان سفید اور کئی تھان گلبدن مشروع کے اپنے آدمی کے ہاتھ بھیجے، اور ایک سینی میں پان اور شیشیاں عطر کی دوسرا آدمی لایا، اور ایک ٹوکرا بھر کر شیرینی تیسرا آدمی لایا۔ شیرینی لوگوں میں تقسیم کر دی گئی، اور ایک شیشی عطر اور پان بھی بانٹ دیئے گئے، اور باقی اسباب اور روپئے رکھ لیے گئے۔

حضرت اندر سے تشریف لائے اور دیوان خانے میں بیٹھے۔ اس وقت نواب صاحب کے جو نوکر چاکر اور خدمتگار موجود تھے سب کو نواب ممدوح نے حکم دیا کہ سب حضرت کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ جب ان کی بیعت سے حضرت فارغ ہوئے تو نواب صاحب نے ایک بیش قیمت روپہلی قبضہ کی پرانی گجراتی تلوار کہ اس میں سنہری دھاریاں تھیں، اور ایک عمدہ قبہ دار ولایتی سپر اور ایک عدد انگریزی پستول، اور نہایت عمدہ بندوق، اور دو کمانیں اور دو تیر کش، آپ کے سامنے نذر کے واسطے لا کر رکھا۔ حضرت نے فرمایا کہ ہم تو حج کو جاتے ہیں، ان ہتھیاروں کو کہاں لیے پھریں گے؟ ان کو تم اپنے پاس رہنے دو، ان شاء اللہ واپسی میں لے لیں گے۔ نواب صاحب نے عرض کی کہ میں تو آپ کی نذر کر چکا ہوں، اب میں اپنے پاس نہ رکھوں گا۔ موت پیچھے لگی ہے کیا معلوم کب آ جاوے۔ یہ ہتھیار آپ ہی لیتے جاویں۔ اس میں جانبین میں کئی بار تکرار ہوئی، بالآخر حضرت نے وہ سب ہتھیار قبول کر لیے اور وہاں سے رخصت ہوئے۔

دوسرے نواب زادے کے یہاں:

نواب قطب الدین کے یہاں سے نکلے ہی تھے کہ معلوم ہوا کہ دوسرے نواب صاحب کے یہاں سے کچھ آدمی حضرت کو لینے آئے ہیں۔ حضرت ان کے مکان پر تشریف لے گئے اور دیوان خانے میں بیٹھے۔ نواب صاحب نے آ کر حضرت سے مصافحہ و معانقہ کیا، اور بیعت کے واسطے حضرت سے عرض کی۔ آپ نے اول بیعت کا مطلب سمجھایا کہ بیعت کہتے ہیں اللہ سے عہد کرنے کو کہ میں نے سب برے کاموں سے توبہ کی، اور آئندہ نہ کروں گا۔ سو جس نے سچے دل سے توبہ کی اور اس پر قائم رہا، اس کے لیے دنیا میں بہتری ہے اور آخرت میں ثواب پاوے گا۔ جس

نے دغابازی سے توبہ کی، دل میں اس کے کچھ اور ہے تو اس نے گویا اللہ کے بندوں کو فریب دیا بلکہ اللہ کو فریب دیا، اور عذاب الٰہی اپنے سر پر لیا اور اپنی عاقبت کو تباہ کیا۔ دنیا میں بھی اس کی خرابی اور تباہی ہو جاوے تو کچھ بعید نہیں۔

یہ سن کر انھوں نے عرض کی کہ میں سچے دل سے خدا کے واسطے توبہ کرتا ہوں، میری اور کچھ غرض نہیں۔ آپ نے فرمایا بسم اللہ اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے، ان سے توبہ کرائی اور بیعت لی۔ پھر وہ حضرت کو زنانے مکان میں لے گئے، اور عورتوں کو مرید کرایا پھر دیوان خانے میں لاکر بیٹھایا۔ پیچھے سے ان کا آدمی ایک سینی میں سو روپے، سات اشرفی، پانچ تھان سفید قیمتی اور بنارسی دوپٹے لایا۔ حضرت نے سب کو قبول کیا اور پھر ایک ٹوکرے میں شیرینی آئی اور ساتھ میں پان بھی تھا، جو تقسیم کر دیا گیا۔

تیسرے نواب زادے کے یہاں:

پھر وہاں سے حضرت کو تیسرے نواب زادے کے لوگ لے گئے۔ وہاں بھی اول آپ نے وعظ و نصیحت کی جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ پھر نواب صاحب نے بیعت کی اور اپنے زنانے مکان میں لے جا کر عورتوں کو مرید کرایا۔ پھر وہاں سے لا کر اپنے دیوان خانے میں بیٹھایا اور چار توڑے (تھیلی) پچاس پچاس روپے کے، ایک تھان کمخواب کا، ایک بنارسی دوپٹہ، اور چار پانچ تھان سفید لا کر حضرت کی نذر کی، اور ایک ٹوکرا شیرینی اور پان کے آئے جو تقسیم کر دیے گئے۔

ڈومنی کی توبہ اور ارادۂ حج:

پھر وہاں سے آپ کشتی پر تشریف لائے۔ اسی روز ایک عورت آئی، ساتھ میں اس کے پندرہ سولہ برس کی اس کی لڑکی، اور دو لڑکے تھے۔ ایک تو کوئی تیرہ چودہ برس کا اور دوسرا اٹھارہ انیس برس کا۔ بڑے کا نام عنایت اللہ اور چھوٹے کا نام ہدایت اللہ تھا۔ اس عورت نے عرض کی کہ میں ڈومنی ہوں، اور گانے بجانے کا پیشہ کرتی ہوں۔ میرا کئی مہینے پیشتر سے ارادہ تھا کہ میں اس حرام پیشے سے توبہ کروں مگر نفس کی شرارت سے نہیں کر سکی۔ سو اب اس نیت سے آپ کے پاس آئی ہوں۔

حضرت نے خوش ہو کر فرمایا کہ ہم تم کو مرید بھی کریں گے اور اگر تم چاہو تو ہم تم کو اپنے ساتھ حج بھی کرا لائیں۔ یہ بات سن کر وہ بہت خوش ہوئی۔ حضرت نے اس سے، اس کی بیٹی اور

دونوں بیٹوں سے بیعت لی، اوراس سے فرمایا کہ جوسامان تم لے جانا چاہتی ہو، آج ہی کشتی پرلا کر رکھدو، پرسوں یہاں سے کوچ ہے۔

رحیم خان سوداگر کے گھر:

دوسرے دن رحیم خان افغان سوداگر کے یہاں سے آپ کے لیے پینس آئی۔ کوئی سو آدمی کے ساتھ آپ ان کے یہاں تشریف لے گئے اوران کے بنگلے میں بیٹھے۔ اول رحیم خان نے بیعت کی، پھران کے بھائی بھتیجے اورداماد نے بیعت کی، پھراندرزنانہ مکان میں حضرت کو لے گئے اوروہاں اپنے اہل وعیال کو بیعت کرایا، اس کے بعد بنگلے میں تشریف لائے۔

آپ کے ساتھ ہی رحیم خان کے بھائی نذرانہ لے کر آئے۔ ایک تانبے کی طباق میں کھلے ہوئے روپئے تھے، سوروپئے ایک رومال میں بندھے ہوئے رکھے تھے، سات یا آٹھ تھان سفیداورگلبدن مشروع کے تھے، حضرت نے سب کوقبول کیا۔

اس کے بعد حضرت نے رحیم خان سے پوچھا کہ تمہارے یہاں کیا کاروبار ہوتا ہے؟ انھوں نے عرض کی کہ میں ادنیٰ آدمی ہوں، کوئی دس ہزارروپئے کے چمڑے کی تجارت کرتا ہوں۔ ان کے مکان میں ایک طرف چمڑے کا انبار لگا ہوا تھا، اس کی طرف اشارہ کیا، اورحضرت کی تعریف کرنے لگے کہ اب مجھے کس چیز کی کمی ہے۔ آپ سا شخص میرے یہاں تشریف لایا۔ آپ سے میری عرض یہ ہے کہ میری اور میرے اہل خانہ کی عاقبت بخیر ہو، دنیا میں عزت وآبرو سے رہوں اورمیرے ہاتھوں سے اللہ اپنے بندوں کوفائدہ پہنچاوے، سواسی واسطے آپ میرے لیے دعا فرماویں۔ حضرت نے ان کے واسطے دعا کی اورفرمایا کہ ان شاءاللہ حج سے واپسی میں ہم آپ سے ملاقات کریں گے۔ پھرآپ نے مولانا عبدالحی صاحب سے وعظ کے لیے کہا۔

عبدالرحمان خان سوداگر کے گھر:

مولانا نے وعظ شروع کیا تو حضرت وہاں سے رخصت ہوکردوسرے سوداگرعبدالرحمان خان کے گھرتشریف لے گئے۔ عبدالرحمان خان نے بیعت کی اورزنانے مکان میں لے جاکراہل وعیال کو بیعت کرایا، اوردوسوروپئے، کئی تھان سفیداورچند پارچہ دریائی آپ کی نذرکی۔

حضرت مردانے مکان میں تشریف لائے تو انھوں نے عرض کی کہ اللہ آپ کو ہم لوگوں

کی قسمت سے لایا ہے، ورنہ ایسے بزرگ خدا والے کا دیدار ہم لوگوں کو کہاں نصیب ہوتا۔ ہماری آرزو یہ ہے کہ آپ ہمارے لیے دعا کریں کہ ہماری عاقبت بخیر ہو، دنیا میں اللہ اپنی رضامندی کے کام کرائے، اور عزت و آبرو کے ساتھ رکھے، اور جو کچھ آپ کی زبان ہدایت سے ہم نے سنا ہے اس پر عمل کی توفیق بخشے۔

پھر حضرت نے ان کے لیے جناب باری تعالیٰ میں دعا کی اور فرمایا کہ اپنے مال سے ہر سال حساب کر کے خداورسول کے کے حکم کے مطابق زکوۃ نکالنا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا تم پر فرض ہے اور یہ زکوۃ اپنے خویش واقربا اور اپنے ہمسائے میں جو محتاج ہوں ان کو دینا۔ اور اس کے علاوہ جو تم سے ہو سکے اپنے مال سے مسکین اور مسافروں کی خدمت کرنا۔ اس کی وجہ سے اللہ تمہارے مال میں خیر و برکت کرے گا۔

رحیم خان کی دعوت:

پھر آپ وہاں سے کشتی پر تشریف لائے۔ تھوڑی دیر کے بعد رحیم خان کے لوگ آئے اور عرض کی کہ آج شام کو آپ کی اور آپ کے تمام قافلے کی ضیافت ہے، جو آپ کے ساتھ چلیں وہ وہاں کھائیں گے، باقی لوگوں کا کھانا یہیں کشتی پر آجائے گا۔

عظیم آباد سے کوچ اور قصبہ باڑہ میں:

دوسری صبح عظیم آباد سے ناویں کھلیں اور وہاں سے کوچ ہوا۔ سولہ کوس کے فاصلے پر قصبہ باڑہ ہے۔ دوپہر کے بعد اس قصبے کے کنارے ناویں لگیں۔ قصبہ کے صدہا لوگوں نے بیعت کے لیے آکر ہجوم کرلیا، ان کے ساتھ اطراف کی بستیوں کے بھی بہت سے لوگ آگئے تھے۔ سب نے حضرت کے ہاتھ پر وہیں بیعت کی۔

شرفا سے ملاقات:

وہاں کے نامی لوگوں میں سے خواجہ مولا بخش، خواجہ افضل علی، شیخ سوپن، واحد علی خان اور اکرام الحق تھے۔ سب کی بڑی بڑی شرعی داڑھیاں تھیں۔ ان میں سے دو صاحب نمازی بھی تھے۔ ایک خواجہ مولا بخش اور دوسرے خواجہ افضل علی۔ ایک اور وہاں کے نامی رئیسوں میں سے شاہ گھسیٹا نامی تھے۔ اول الذکر تمام لوگ مل کر شاہ گھسیٹا کے پاس گئے اور کہا کہ آج ایک سید صاحب

رائے بریلی سے کشتیوں پر سوار ایک بڑے قافلے کے ساتھ فروکش ہوئے ہیں۔ قصبہ کے تمام لوگ ان سے بیعت کر رہے ہیں، سو چل کر ہم لوگ بھی دیکھتے ہیں کہ کیسے آدمی ہیں؟ شاہ گھسیٹا نے ان سے از روئے طعن کہا کہ تم لوگ متشرع داڑھی والے ہو، تم جاؤ، میں تو ان کے سامنے نہیں جاؤں گا۔ اس لیے کہ میری وضع تم دیکھ رہے ہو، داڑھی منڈی ہوئی، بھنگ تاڑی شراب میں پیتا ہوں، فاحشہ اور رنڈیاں ہر روز میرے پاس آتی ہیں۔ اس کے علاوہ کمشنری کا میں نائب ہوں، وہاں حلال وحرام میں کچھ امتیاز نہیں۔ وہاں مجھ جیسے ناکارہ کا کیا کام؟ سو خلاصہ یہ کہ شاہ گھسیٹا نہ گئے بقیہ لوگ ملاقات کے لیے حضرت کے پاس پہنچے۔

سلام اور اس کا جواب:

گنگا کے کنارے گھاٹ پر ایک بڑی سی جاجم بچھی تھی اس پر یہ لوگ بیٹھے۔ حضرت لوگوں سے بیعت لے رہے تھے، جو لوگ وہاں کھڑے تھے ان کو دیکھ کر ادھر ادھر ہٹ گئے۔ حضرت کی نگاہ ان لوگوں پر پڑی تو آپ نے کہا ''السلام علیکم'' ان لوگوں نے اپنے دستور کے مطابق جواب دینے کی بجائے 'بندگی' اور 'آداب' کہا۔ پھر حضرت نے اٹھ کر ان سے مصافحہ کیا اور وہیں اپنے پاس بیٹھا لیا۔ خواجہ مولا بخش کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ 'سلام علیکم' کے جواب میں 'آداب' یا 'بندگی' نہیں کہنا چاہئے۔ یہ بری عادت ہے، لڑکا ہو بوڑھا، امیر ہو یا غریب، سب کے واسطے 'السلام علیکم' اور 'وعلیکم السلام' ہے۔ یہ کلام سن کر کچھ ایسا ان کے دل میں اثر ہوا کہ خود بخود مولا بخش نے عرض کی کہ حضرت! میں بیعت کروں گا۔ آپ نے کہا بسم اللہ، ہاتھ لائیے۔ انھوں نے اپنے نوکر سے کہا کہ دو روپئے کے خرمے فوراً جا کر بازار سے لاؤ۔ حضرت نے فرمایا کہ بیعت کرنے کے لیے خرمے اور شیرینی کی کوئی ضرورت نہیں، تم بیعت کرو۔ بیعت کیا ہے؟ اپنے اللہ سے عہد کرنا ہے کہ ہم کوئی برا کام نہیں کریں گے۔

خواجہ مولا بخش نے بیعت کی اور ان کے ساتھ جو لوگ تھے انھوں نے بھی بیعت کی۔ پھر انھیں میں سے کسی صاحب نے شاہ گھسیٹا کا تذکرہ کیا کہ وہ یہاں کے نامی رئیس ہیں، اگر وہ آپ کے دست مبارک پر بیعت کر لیتے تو یہاں کے بہت سے لوگوں کو فائدہ ہوتا۔ حضرت نے ان کی بات سنی مگر کوئی جواب نہیں دیا سکوت فرمایا۔

شاہ گھسیٹا کی آمد اور بیعت وخلافت:

ابھی تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ دیکھا کہ شاہ گھسیٹا بھی منہ لپیٹے ہوئے چلے آرہے ہیں، خواجہ مولا بخش ان کو دیکھ کر اٹھے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر حضرت کے پاس بیٹھا دیا۔ انھوں نے بے تأمل یہی عرض کی کہ میں بھی بیعت کروں گا۔ آپ نے ان سے بھی بیعت لی۔ پھر انھوں نے پانچ روپئے کے چھوہارے منگا کر آپ کے سامنے رکھے، آپ نے سب حاضرین میں تقسیم کروا دیے۔

ان لوگوں نے پوچھا کہ ابھی دو تین روز تو یہاں قیام کریں گے؟ حضرت نے کہا کہ ہمارے پاس اتنی فرصت نہیں ہے، کل ان شاء اللہ یہاں سے کوچ کریں گے۔ انھوں نے عرض کی کہ کسی کو اپنا خلیفہ بنا دیں، جو ہم لوگوں کو دین اسلام کی تعلیم دیا کرے۔ آپ نے ان کی یہ بات سن کر تھوڑی دیر سکوت کیا، اس کے بعد فرمایا کہ بہتر ہے، ہم شاہ گھسیٹا کو خلیفہ بناتے ہیں۔ یہ تم کو دین اسلام کی تعلیم دیا کریں گے۔ یہ نام سن کر تمام لوگوں کو تعجب ہوا، مگر لوگ خاموش ہی رہے۔ حضرت کو ان لوگوں کا تأثر معلوم ہوگیا کہ یہ بات ان کو ناگوار ہوئی ہے۔ آپ نے ایک تاج اور ایک کرتا شاہ صاحب کو عنایت کیا اور خلافت نامہ دیا اور ان کے لیے دعا کی۔ اور لوگوں کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ 'بھائیو! چند روز میں ان شاء اللہ تم دیکھو گے کہ شاہ گھسیٹا کا ایسا حال ہوگا کہ تم خود کہو گے کہ یہ وہی شاہ گھسیٹا ہیں یا کوئی اور!'

ناشتہ کی دعوت:

پھر شاہ صاحب نے عرض کی کہ کل یہاں سے آپ کوچ کریں گے اگر ہو سکے تو میرے غریب خانہ پر ناشتہ کر کے کوچ کریں۔ حضرت نے ان کی دعوت قبول کی۔ پھر وہ لوگ وہاں سے رخصت ہوکر اپنے مکان گئے۔

دوسرے روز کچھ دن چڑھے شاہ گھسیٹا، خواجہ مولا بخش، خواجہ افضل علی، شیخ سوپن، اکرام الحق اور واجد علی خان حضرت کے پاس آئے اور عرض کی کہ ناشتہ تیار ہے تشریف لے چلیے۔

فاحشہ کی توبہ:

اسی قصبہ میں ایک فاحشہ بخشن، بڑی نامی، ناچنے گانے میں طاق اور حسن وجمال میں شہرہ آفاق تھی۔ اکثر عیاش لوگ اس پر مبتلا تھے۔ اس روز اپنے چند آشناؤں سے از روئے تمسخر کہا

تھا کہ کل یہاں گھاٹ پر ایک پیر صاحب اترے ہیں، اس بستی کے بہت سے لوگ ان سے مرید ہوئے ہیں اور میں نے سنا ہے کہ شاہ گھسیٹا بھی ان کے مرید ہوگئے ہیں۔ وہی مثل ہے کہ نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی۔ اور آج انھوں نے اپنے پیر کی دعوت کی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ پیر جی جب شاہ صاحب کے مکان پر دعوت کھانے جائیں تو میں بھی ان کو دیکھوں کہ کیسے پیر ہیں؟ جنھوں نے شاہ گھسیٹا کو مرید کرلیا۔

وہ اپنے مکان سے نکل کر ایک چبوترے پر بیٹھ گئی جو حضرت کے آنے کا راستہ تھا۔ ادھر حضرت گھاٹ سے شاہ صاحب کے مکان کی طرف چلے۔ آپ کے ساتھ کئی سو آدمیوں کا ہجوم تھا۔ جب حضرت چبوترے کے پاس سے گزرے (جس پر وہ بیٹھی تھی) تو وہ چبوترہ پر سے اٹھی اور راستہ میں حضرت کے سامنے آگئی، اور اپنا حال بیان کیا کہ میرا یہ پیشہ ہے، سو اب میں اپنے پیشے سے توبہ کرتی ہوں، آپ مجھ کو مرید کریں۔ آپ نے فرمایا واہ سبحان اللہ اس سے بہتر کیا ہے، اور وہیں راستے میں کھڑے کھڑے اس سے بیعت لی، اور اس کے لیے دعا کی، اور شاہ صاحب سے فرمایا کہ یہ تمھاری دینی بہن ہے، اس کو تم دین اسلام کی باتیں سکھلانا۔

یہ فرما کر آپ آگے بڑھے اور شاہ صاحب کے مکان میں داخل ہوئے۔ وہاں فرش بچھا ہوا تھا۔ حضرت بیٹھے اور جو ہم رکاب تھے وہ لوگ بیٹھے۔ ناشتہ میں نان گوشت، پلاؤ اور دہی تھا، سب کے ہاتھ دھلا کر سامنے ناشتہ رکھا گیا، اور سب نے شکم سیر ہوکر کھایا۔

جب برتن اٹھایا جانے لگا تو حضرت نے شاہ صاحب سے فرمایا کہ ہمارے آگے کی رکابیاں تم اپنے گھر لے جاؤ، یہ تم کھانا اور جس کو چاہے کھلانا۔

شاہ صاحب کے یہاں ایک لکڑی کی کشتی دیگ سے کھانا نکالنے کے لیے سوا گز لمبی اور دس گرہ چوڑی تھی، اور اس میں دونوں طرف اٹھانے کے دستے تراشے ہوئے تھے۔ جب حضرت وہاں سے اٹھے اور رخصت ہونے لگے تو آپ کی نگاہ اس کشتی پر پڑی۔ اس کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ برتن بہت خوب ہے۔ شاہ صاحب نے کہا کہ یہ آپ کی نذر ہے، آپ نے اپنے آدمی سے فرمایا کہ اس کو کشتی پر لے چلو۔

مختلف بستیوں میں لوگوں کی بیعت:

ظہر کے بعد وہاں سے کشتیاں کھلیں، چار پانچ کوس پر ایک بستی تھی (وقائع سید احمد شہید کے راوی میاں دین محمد فرماتے ہیں کہ اس بستی کا نام مجھے یاد نہیں، ذہن سے نکل گیا) شام کو وہاں کشتیاں ٹھہریں۔ چند غربا نے بیعت کی۔ اگلے روز وہاں سے کشتیاں روانہ ہوئیں اور ایک بستی کے کنارے ٹھہریں۔ وہاں بھی چند لوگوں نے بیعت کی۔ اگلے روز مونگیر کے کنارے کشتیاں لگیں۔ وہاں بھی چند غربا نے بیعت کی۔ اس کے بعد بھاگل پور پہنچے۔ بھاگل پور کے بعد راج محل کشتیاں گئیں، اور وہاں بھی چند غربا نے بیعت کی۔

انصاری بھائی کی بستی میں:

قافلے میں محمدی نام کے ایک شخص تھے، ان کو حضرت انصاری بھائی کہا کرتے تھے۔ انھوں نے عرض کی کہ میرا غریب خانہ یہاں سے دس گیارہ کوس پر ہے، مجھ کو کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہم کلکتہ جا کر ٹھہریں گے، وہاں بیس پچیس روز میں تم آجانا، اور جو کوئی تمہارے ساتھ آوے، اس کو بھی لیتے آنا۔ انھوں نے عرض کی کہ میں تو بغیر آپ کے نہ جاؤں گا۔ وہاں جو میرے بھائی، عزیز واقربا ہیں، وہ آپ سے بیعت کریں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ خیر ہم کو تمہاری خاطر منظور ہے، ہم چلیں گے۔

دوسرے دن محمدی قریب کی بستی سے جا کر کہار لے آئے۔ حضرت کی پنس کشتی میں تھی۔ حضرت سوار ہو کر تیس چالیس آدمیوں کے ہمراہ ان کی بستی میں گئے۔ ایک رات وہاں رہے۔ محمدی کے والد منشی رؤف الدین اور ان کے عزیزوں میں منشی مخدوم بخش، منشی حسن علی، فضل الرحمان اور عزیز الرحمان نے بیعت کی۔ ان کے علاوہ بہت سے مردوں اور عورتوں نے بھی بیعت کی۔ وہاں کے لوگوں نے حضرت سے عرض کی کہ آپ تین چار دن یہاں تشریف رکھیں تو آپ کے ہمراہ یہاں کے کئی لوگ حج کو جانے کے لیے تیاری کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارا ٹھہرنا تو نہ ہوگا، جن صاحبوں کو چلنا ہو وہ ہمارے ساتھ چلیں یا پھر بعد میں کلکتے میں آ کر ہم سے مل جائیں۔ اس وقت محمدی کے والد اور منشی فضل الرحمان حضرت کے ساتھ آئے۔

مرشدآباد میں:

دوسرے دن وہاں سے کشتیاں روانہ ہوئیں تو مرشدآباد میں جا کر ٹھہریں۔ ڈیڑھ پہر کے قریب دن گزرا ہوگا۔ حضرت کے تشریف لانے کی خبر شہر کے مسلمانوں کو ہوگئی۔ وہاں مسلمانوں کے دو گروہ تھے، ایک سنیوں کا اور دوسرا رافضیوں کا۔ مگر وہاں سنی رافضیوں میں ملے جلے رہتے تھے۔ شکل وصورت، لباس وپوشاک اور افعال واقوال میں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہ تھا، وہاں کا جو نواب تھا، وہ بھی رافضی تھا، شہر میں غلبہ رافضیوں ہی کا تھا۔

شہر کے غریب لوگ دریا کے کنارے آنے لگے، وہاں سے کوئی دو سو قدم پر جانب مشرق ایک بہت بلند اور وسیع مسجد تھی۔ چند لوگوں نے درخواست کی کہ آپ وہیں مسجد میں تشریف لے چلیں، وہاں اور بھی لوگ مرید ہوں گے، اور وہیں نماز کے لیے آرام رہے گا۔ انھیں میں سے کسی شخص نے کہا کہ وہ مسجد نواب کی ہے، اور وہ رافضی ہے، ایسا نہ ہو کہ کچھ فتنہ وفساد ہو۔ حضرت نے یہ دونوں باتیں سنیں اور کسی کو جواب نہیں دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہاں کے ایک رئیس نے پینس حضرت کو لینے کے لیے بھیجی۔ وہ رئیس وہاں کے مسلمانوں کی نسبت بڑا دیندار اور پرہیزگار تھا۔ عربی وفارسی کا کچھ علم بھی رکھتا تھا، اور وہاں کے نواب کے یہاں نوکر تھا۔

حضرت سوار ہو کر سو سوا سو آدمیوں کے ہمراہ اس کے مکان پر گئے۔ اس نے اپنے دیوان خانے میں بیٹھایا اور بیعت کی۔ اس کے بعد آہستہ سے آپ کے کان میں کہا کہ یہاں سنی اور رافضی ایک سے ہیں، کسی میں کچھ امتیاز نہیں ہے، اور سب آپ کی ملاقات کو آویں گے۔

حق گوئی کا حکم:

ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ شہر کے لوگ آنے لگے اور بیعت کرنے لگے۔ ان میں سنی اور رافضی دونوں تھے، اور حضرت کو اپنے مکان پر لے جانے لگے۔ آپ کو تردد ہوا کہ ان میں سنی کون ہے اور شیعہ کون ہے؟ اسی تردد کو دور کرنے کے لیے آپ نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ یہاں کے لوگ آپس میں ملے ہوئے ہیں، نہ یہ ان کو برا جانتے ہیں اور نہ وہ ان کو، بلکہ یہ

لوگ سمجھتے ہیں کہ دونوں مذہب درست ہیں، جیسے حنفی اور شافعی۔ ہم کو یہ اپنے گھروں میں لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، ہم بھی نہیں جانتے کہ کون کیا ہے؟ سو آپ وعظ کہئے اور اہل سنت والجماعت کی خوبی بیان کیجئے، اور رافضیوں کے مذہب کی صاف صاف برائی بیان کیجئے، تا کہ دونوں فرقوں کے لوگوں پر ظاہر ہو جائے کہ یہ مذہب حق ہے اور یہ باطل۔

حق گوئی کا اثر:

مولانا نے خوب کھل کر بیان کیا۔ دونوں فرقوں کے لوگ سن کر متعجب ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ اور دونوں میں تفرقہ پڑ گیا۔ سنی کہنے لگے کہ ہم تو سید صاحب کے طفیل آج مسلمان ہوئے ہیں، اور یہ حال سن کر غریب رافضی بھی حضرت کے ہاتھ بیعت کرنے لگے اور اپنے مذہب سے تائب ہونے لگے۔ چشم زدن میں صدہا تعزیوں کے صدہا چبوترے کھود دیے گئے۔

یہ معاملہ دیکھ کر کچھ رافضیوں نے نواب سے جا کر نالش کر دی۔ نواب کم عمر چودہ پندرہ برس کا لڑکا تھا۔ اس نے اپنے فرنگی ایجنٹ کو لکھا کہ یہاں ایک سید کئی سو آدمیوں کے ساتھ سلاح بند آئے ہیں اور انھوں نے ہمارے مذہب کے لوگوں کے درمیان تفرقہ اور فساد ڈالا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بلوہ ہو جائے۔ اس فرنگی نے جواب میں کہلا بھیجا کہ شاید نواب صاحب کو ان کے حال کی خبر نہیں ہے۔ ہم کو پہلے سے اخباروں کے ذریعے ان کے آنے کی خبر مل چکی ہے، وہ اچھے اور بے شر آدمی ہیں۔ لوگوں کو نیک راہ کی ہدایت کرتے ہیں اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں۔

نیز اسی فرنگی نے سید صاحب کے پاس اپنا جمعدار بھیج کر کہلا دیا کہ یہاں شہر میں آپ کو ہتھیار باندھ کر رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے آدمیوں کے ہتھیار کھلوا دیں اور بے خطر جہاں چاہیں جائیں۔ جو کوئی آپ سے مزاحم ہوگا اس کو تعزیر ہوگی اور جو امیر کچھ فساد کرے گا، اس پر شدید جرمانہ ہوگا۔

صورت حال کا درست علم اور اس کا اثر:

اس فرنگی ایجنٹ نے جب درست صورت حال کی خبر نواب صاحب کو دی اور سید صاحب کے بارے میں تفصیل سے بتایا تو نواب صاحب نے کہا کہ اگر وہ شخص صاحب ہدایت ہیں تو شوق سے وعظ ونصیحت کریں، اور ان سے تو ہمارا بھی سلام کہنا اور ہمارے واسطے بھی دعا

کروانا۔

جب وہاں کے لوگوں نے نواب کا یہ حال سنا تو مزید لوگ دونوں فرقوں کے حضرت کے ہاتھ بیعت کرنے لگے۔

مرشد آباد کا انتظام:

جن صاحب کے مکان پر آپ تشریف رکھتے تھے انھوں نے عرض کی کہ آپ کسی شخص کو ہم لوگوں میں سے مقرر کر دیں جو آپ کے بعد لوگوں کو تعلیم کیا کریں۔ یہ سن کر آپ نے انہیں کو اپنا خلیفہ بنایا۔ کئی بار انھوں نے انکار کیا کہ میں خلافت کے لائق نہیں مگر آپ نے فرمایا کہ ہم نے تم کو ہی اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے، اب تم کو اجازت ہے جس کو مناسب سمجھو اپنی جگہ خلیفہ مقرر کر دو۔

مرشد آباد سے کوچ اور کلکتہ میں آمد:

مرشد آباد میں آپ نے چار یا پانچ دن قیام فرمایا، پھر وہاں سے کوچ ہوا، اور ایک بستی کٹوا نامی کے کنارے کشتیاں لگیں، ایک شب وہاں رہے۔ دوسرے دن وہاں سے کوچ ہوا اور کئی دنوں کے بعد قصبہ ہوگلی کے کنارے ناویں لگیں۔ رات وہیں گزار کر صبح وہاں سے ناویں روانہ ہوئیں۔ وہاں سے تین یا چار کوس پر پرمٹ تھا۔ جب اس کے مقابل ناویں پہنچیں تو نقارہ بجا، ملاحوں نے کہا کہ پرمٹ والے ناویں روکنے کے لیے نقارہ بجاتے ہیں۔ لنگر ڈال کر وہیں کشتیاں روک دی گئیں۔ حضرت نے قاضی احمد اللہ اور قاضی عبدالستار گڑھ مکتیسری کو پرمٹ والوں کے پاس بھیجا، وہ وہاں سے محصول کا فیصلہ کر کے آئے۔

مسابقت الی الخیر:

اس عرصہ میں کلکتہ کی طرف سے ایک ناؤ جس کو پینس کہتے ہیں، ظاہر ہوئی اور تیر کی طرح تیزی سے آئی۔ جب کچھ قریب آئی تو معلوم ہوا کہ اس پر ایک شخص جامہ پہنے پگڑی باندھے سوار ہے۔ جب وہ بہت قریب آئی تو انھی صاحب نے پکار کر پوچھا کہ کیا یہی قافلہ حج کو جانے والا ہے؟ لوگوں میں سے کسی نے جواب دیا کہ ہاں یہی قافلہ ہے، آپ کہاں سے آئے ہیں اور آپ کا اسم شریف کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں کلکتہ سے آیا ہوں، میرا نام امین الدین ہے۔ خط کتابت کی وجہ سے قافلہ کے اکثر لوگ ان کے نام سے واقف تھے۔ کلکتہ کے میر منشی ہیں، انھوں نے پوچھا

کہ حضرت کہاں تشریف رکھتے ہیں؟ لوگوں نے بجرے کی طرف اشارہ کیا۔ انھوں نے اپنی ناؤ لے جا کر بجرے سے لگا دی، اور حضرت سے بہت تپاک اور اشتیاق سے ملے، خبر خیریت کے بعد حضرت سے کہنے لگے کہ جب آپ نے وطن شریف رائے بریلی سے مجھ کو سرفراز نامہ بھیجا تھا کہ ”اب کی سال ہمارا ارادہ ہجرت کا ہے، تمہاری طرف آنا نہ ہو سکے گا، جن لوگوں کو ہماری بیعت کا اشتیاق ہے وہ کسی جگہ ایک مجلس مقرر کریں اور سچے دل سے سب شرک و بدعت اور فسق و فجور سے توبہ کریں، اور جناب الٰہی میں کمال عجز وانکساری سے دعا کریں، اور کچھ خرمے یا شیرینی لوگوں میں تقسیم کر دیں تا کہ لوگوں کو خبر ہو جائے کہ فلاں فلاں شخص نے برے کاموں سے توبہ کر لی۔“

ہم لوگ اسی حکم کی بجا آوری میں کوشاں تھے کہ آپ کا دوسرا عنایت نامہ وارد ہوا کہ ”ہم نے ابھی سفر ہجرت کو موقوف کر دیا ہے، ہمارا ارادہ سفر حج کا ہے۔ سو پانچ سو آدمیوں کے ہمراہ ہم آئیں گے۔ اللہ سے امید ہے کہ آپ لوگوں سے ملاقات ہوگی۔“ اس خط سے ہم لوگوں کو کمال خوشی ہوئی۔ پھر جب بنارس سے آپ کا نامہ مبارک آیا تو ہر شخص کو اشتیاق ہوا کہ آپ کو ٹھہرانے کے لیے کوئی وسیع مکان تلاش کرے۔ اکثر لوگوں نے اپنے حوصلے اور ہمت کے مطابق مکان تلاش کیے اور مول لیے۔ میں نے بھی ارادہ کیا کہ کوئی مکان شہر کے اندر ملے تو بہتر ہو۔ خواہش کے مطابق ایک وسیع سایہ دار میوہ والا باغ مجھ کو مل گیا، وہ میں نے خرید لیا، اس میں میٹھے پانی کے تین تالاب ہیں۔ ایک کوٹھی مردوں کے رہنے کے لیے اور بہت سے زنانہ مکان ہیں، جس میں عیال دار لوگ بخوبی رہ سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلے میں آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا ہوں، اور بہت سے لوگ پیچھے آ رہے ہیں۔ آپ پر میرا حق ثابت ہو چکا ہے، آپ میرے ہی باغ میں مع قافلہ کے چل کر رونق افروز ہوں گے، اسی واسطے میں آیا ہوں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ بے شک آپ ہی پہلے آئے ہیں، آپ ہی کا حق ہم پر ثابت ہے، آپ جمع خاطر رکھیں، ہم ان شاء اللہ آپ ہی کے باغ میں اتریں گے۔

مولانا شاہ اسماعیل صاحب کی سادگی:

پھر انھوں نے وہیں حضرت کے پاس مولانا عبدالحی صاحب سے ملاقات کی، اور ان

سے مولانا اسماعیل صاحب کو پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ مولانا عبدالحی صاحب نے دوسری ناؤ پر آدمی بھیج کر ان کو بلوایا۔ وہ اپنے خاص سادہ انداز میں پرانا سفری کپڑا پہنے جو گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا، اپنی ناؤ سے خشکی پر آئے اور بجرے کی طرف چلے۔ لوگوں نے منشی امین الدین سے کہا کہ مولانا اسماعیل صاحب آتے ہیں۔ انھوں نے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا کہ کہاں ہیں؟ لوگوں نے ان کی طرف اشارہ کیا۔ منشی صاحب نے جانا کہ یہ مولوی اسماعیل کوئی اور ہوں گے۔ کہا ’میں ان مولوی اسماعیل صاحب کو پوچھتا ہوں جو مولانا مرشدنا شاہ عبدالعزیز صاحب کے برادرزادے ہیں‘ لوگوں نے بتلایا کہ یہ وہی ہیں۔ منشی جی آبدیدہ ہوگئے اور بجرے سے خشکی میں اترے اور دو چار قدم چل کر استقبال کیا، معانقہ و مصافحہ کیا اور خیریت و عافیت مزاج دریافت کی۔

دعوت عدم دعوت پر:

پھر منشی جی دوبارہ بجرے پر آئے اور حضرت سے عرض کی کہ ایک بات میں یہ چاہتا ہوں کہ جس دن کہیں آپ کی دعوت نہ ہو، اس دن آپ میرے یہاں کھائیں۔ اور پھر کلکتہ سے ملاقات کے لیے کشتیوں پر آنے والے لوگوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ لوگ آ رہے ہیں، مجمع ہو جائے گا، فرصت نہیں ملے گی، آپ جلد میرے سوال کا جواب دیویں تا کہ میں اطمینان خاطر کے ساتھ یہاں سے جاؤں۔ حضرت نے فرمایا کہ اس کا اقرار تو ہم نہیں کریں گے، اس کو یونہی اللہ پر رہنے۔ دوانھوں نے کہا کہ یہ بھی تو اللہ ہی طرف سے ہے، آپ مانیں یا نہ مانیں میں یونہی کروں گا۔

اس عرصے میں وہ لوگ بھی پہنچ گئے، اور حضرت سے ملے، اور اپنے مکان پر اتارنے کے لیے کہنے لگے۔ کوئی کہتا کہ میں نے اتنی قیمت میں آپ کے لیے مکان لیا ہے، اور کوئی کہتا میں نے اتنی قیمت میں لیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم سب بھائی آپس میں صلاح کر کے اتفاق کر لو، ہم تو سب بھائیوں کے مہمان ہیں۔ جو بھی ہم کو لے جاوے گا ہم اس کے یہاں جاویں گے، اس کی مہمانی کھاویں گے۔

رمضانی نام کے اک شخص تھے، ان سے منشی امین الدین نے کہا کہ میں نے حضرت سے سب سے پہلے عرض کیا ہے کہ میں اپنے مکان پر اتاروں گا، اور جس دن کہیں دعوت نہیں ہوگی میں کھانا بھیجوں گا۔ اب تم لوگوں کو اختیار ہے، شوق سے حضرت کی دعوت کرو، میں اس پر راضی

ہوں۔ مگر بہر حال میرے باغ ہی میں اتریں گے۔ یہ کہہ کر وہ رخصت ہوئے۔

جب لوگوں نے یہ بات سنی تو سب نے کہا کہ منشی جی کے یہاں اترنا ایک حساب سے بہتر ہی ہوگا کہ وہ راہ راست پر آجاویں گے، اور ان کی وجہ سے بہت سے لوگ ہدایت پاجاویں گے۔

تردد کی بات اور خدائی انتظام:

جب یہ لوگ روانہ ہوگئے تب خیال آیا کہ کلکتہ گھاٹ پر اسباب اور ہتھیار کی تلاشی کے بارے میں پوچھ لینا چاہئے تھا۔ شنید کہ یہاں کوئی چھری بلکہ لاٹھی تک لے کر نہیں جانے پاتا۔ اور قافلہ والوں کے پاس محصولی اسباب بھی ہیں اور ہتھیار بھی۔ حضرت نے فرمایا کہ بات تو صحیح ہے وہ لوگ چلے بھی گئے، اب یہاں اللہ تعالی ہے اس سے دعا کرنی چاہئے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے یہاں تک پہنچایا ہے تو وہی ہماری مشکلیں بھی آسان کرے گا۔ یہ کہہ کر آپ برہنہ سر ہوکر جناب باری میں کمال عجز وانکساری والحاح وزاری سے دعا کرنے لگے اور دیر تک دعا کرتے رہے۔

دعا سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس سفر میں ایک جگہ مجھے اس بات کا خیال آیا کہ لوگوں سے سنتے ہیں کہ کلکتہ میں میٹھے پانی کی بہت قلت ہے، سو مجھ کو تو شاید پیر سمجھ کر لوگ کہیں نہ کہیں سے میٹھا پانی لادیویں، مگر اتنے مسلمان بھائی جو میرے ساتھ ہیں ان کو کیوں کر ملے گا؟ اسی تشویش میں تھا کہ جناب الٰہی سے الہام ہوا کہ ہم تو تجھ سے پہلے ہی کہہ چکے ہیں یہ سب لوگ تیرے ہمراہی ہمارے مہمان ہیں۔ جس طرح آرام سے ان کو لیے جاتے ہیں اسی طرح آرام سے لے آویں گے، تو پھر تو کیوں تردد اور فکر میں ہے؟ اور جس چیز کی تو ان کے لیے تشویش کرتا ہے اس کے لیے وہاں تو انہیں کا محتاج ہوگا۔

سو یہی بات ظہور میں آئی۔ منشی امین الدین نے آتے ہی پہلی خوشخبری سنائی کہ میرے باغ میں میٹھے پانی کے تین تالاب ہیں، اور فی الحقیقت میں ان کا محتاج ہوں گا۔ اس لیے کہ وہی لوگ تو تالاب سے پانی لاکر مجھ کو پلاویں گے۔

اس مدت میں بہت سے لوگ کشتیوں پر سوار ہوکر آئے اور کہنے کہ حضرت! ناویں کھلوائیے، بھاٹا شروع ہوگیا ہے۔ وہاں دریا میں چوبیس گھنٹے میں دو طرح کی تبدیلی ہوتی ہے، ایک جوار یعنی پانی بڑھنا، اور دوسرے بھاٹا یعنی پانی کم ہونا۔ اس کو عربی میں 'مدّ' اور 'جزر' کہتے ہیں۔

کشتیاں کھل کر روانہ ہوئیں، کلکتہ میں بالو گھاٹ مشہور جگہ ہے، شام کے وقت وہاں ناویں جالگیں، رات بھر وہیں گھاٹ پر لوگ رہے۔

کلکتہ شہر میں جانے کا انتظام:

صبح سویرے منشی امین الدین اپنے لوگوں کے ساتھ طرح طرح کی سواریاں لے کر حاضر ہوئے۔ خدا جانے کتنی پینسیں، ڈولیاں، گاڑیاں، کھڑ کھڑیاں، بگھیاں اور کرانچیاں (سامان لادنے کی گاڑی) تھیں، اور ساتھ میں صدہا مزدور بھی تھے۔

حضرت کو خبر ہوئی تو بجرے سے اتر کر ایک بڑی شطرنجی (دری) دریا کے کنارے بچھوادی اور اس پر سب کو بٹھایا۔ منشی جی نے عرض کی کہ ہر طرح کی سواریاں زنانی و مردانی حاضر ہیں، جیسا ارشاد ہو، کیا جاوے۔ حضرت نے ہر کشتی کے سرگروہ کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ ہر کشتی کے سامنے تین تین چار چار ڈولیاں اور پینس منگوالو، اور بجائے قنات کے جاجمیں پکڑ کر کھڑے ہو جاؤ، تا کہ عورتیں ڈولیوں اور پینسوں میں سوار ہو سکیں۔

پھر منشی جی نے عرض کی کہ جو بھاری اسباب ہیں ان کے اٹھانے کی لوگ زحمت نہ کریں ہمارے لوگوں کو دکھلا دیویں، باغ میں جا کر اپنا اپنا سامان پہچان کر اٹھالیویں۔ ایک ذرہ ان شاء اللہ کسی کے اسباب میں فرق نہیں آوے گا۔

جب زنانی سواریوں سے کشتی خالی ہو گئیں تو ہر کشتی پر چار پانچ آدمی سامان کی حفاظت کے لیے رہ گئے، اور باقی سب لوگ حضرت کے ہمراہ باغ کو روانہ ہوئے۔ بے شمار سواریاں خالی واپس ہوئیں۔

پھر منشی جی کے لوگوں نے ایک ہلہ اسباب اٹھانے کے لیے کشتیوں پر کیا، چشم زدن میں سارے سامان اٹھا کر کرانچیوں میں لاد دیے اور کشتیاں خالی ہو گئیں۔ کرانچیاں باغ کو روانہ ہوئیں۔ وہاں سے باغ کم یا زیادہ دو کوس کے فاصلے پر تھا۔

گھاٹ پر اسباب کی محصولی اور ہتھیار کے لے جانے پر کوئی روک ٹوک نہیں ہوئی، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ کسی نے پوچھا تک نہیں۔

رہائش کا انتظام:

جب لوگ باغ میں پہنچے تو عورتوں کو ایک مکان میں اتارا گیا، اس کے بعد لوگ مکان کا جائزہ لینے لگے۔ کسی مکان میں پلنگ بچھا تھا، کسی میں شطرنجی اور کسی میں جاجم اور کسی میں چٹائی۔ اسباب ضروری گھڑے، لوٹے جھاڑو، چراغ، بتی وغیرہ ہر مکان میں موجود تھے۔ مردانہ مکانوں میں بھی چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ سولہ بیت الخلاء اور چار غسل خانہ مردانہ الگ تھا، اور زنانہ ہر مکان میں بیت الخلا وغسل خانہ الگ تھا۔

دوسرے دن حضرت نے ہر ایک زنانے اور مردانے مکان دیکھے، اور جس کے لیے جو مناسب سمجھا اس کے حوالے کیا۔ کوٹھی سے ملا ہوا ایک احاطہ تھا، اس میں حضرت نے اپنے اہل و عیال اور عزیز واقربا کو رکھا۔ مکان تقسیم ہونے کے بعد پندرہ بیس آدمی ایسے رہ گئے جن کے حصے میں کوئی مکان نہیں آیا، انھوں نے باغ میں ٹاٹ کی پالیں کھڑی کرلیں اور اسی میں رہائش کرلی۔

کھانے کا انتظام:

ابتدائی تین دن تک منشی امین الدین کے یہاں سے پورے قافلے کے لیے دونوں وقت کا کھانا آیا۔ اول دونوں وقتوں میں کھانا بہت نفیس، مکلّف اور قسم قسم کے آئے۔ قورمہ، شیر مال، باقر خانی، زردہ، ماہی پلاؤ، بکری کے گوشت کا پلاؤ اور کئی قسم کے مربے اور اچار تھے۔ حضرت کے لیے اس سے بھی مکلّف کھانے آئے۔ حضرت کا کھانا زنانہ مکان میں آتا اور حضرت وہیں تناول فرماتے۔ ایک روز حضرت نے کھانا تقسیم کرنے والوں سے پوچھا کہ کھانے کا کیا حال ہے؟ عرض کی کہ بہت افراط اور عمدہ آتا ہے، مگر کئی طرح کا ہوتا ہے اس لیے تقسیم کرنے میں پریشانی ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ منشی جی کے آدمی جو کھانا لاتے ہیں ان سے کہہ دو کہ اب ایک ہی قسم کا کھانا لایا کریں، طرح طرح کے تکلفی کھانا لانے کی کیا ضرورت ہے؟ اول تو ہم لوگ تکلف والے نہیں ہیں دوسرے تقسیم کرنے میں مشکل پیش آتی ہے۔

منشی جی کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ اپنے دل میں سوچے کہ کہ شاید ہمارے باورچی کھانے کے تکلف میں کچھ قصور کرتے ہیں۔ اس لیے سید صاحب کے لوگوں نے ایسی بات کہی ہے۔ یہ سوچ کر وہ اپنے باورچی خانے کے داروغہ پر خفا ہونے لگے اور اس سے کہا کہ خبردار! بہت

عمدہ اور مکلّف کھانا بھیجا کرو کسی امر میں قصور نہ ہونے پائے۔

شام کو اور زیادہ مکلّف اور قسم قسم کا کھانا آیا۔ سید صاحب کے لوگوں نے کہا کہ بھائیو! یہ تم لوگ کیسا کھانا لائے ہو؟ ہم نے تم سے کہا تھا کہ ایک قسم کا کھانا لایا کرو، ہم کو بانٹنے میں دقت ہوتی ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایسے ہی آپ کا پیغام منشی جی سے کہا تھا مگر وہ الٹا سمجھے اور داروغہ پر خفا ہوئے، اور بتاکید کہا کہ بہت عمدہ اور مکلّف کھانے بھیجا کرو، سو حکم کے موافق کھانا آیا ہے۔

یہ ماجرا حضرت سے عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا حرج ہے، اب اسی طرح تقسیم کردو، ان شاء اللہ کل ہم خود منشی جی کے گھر جا کر سمجھا دیویں گے۔

دوسرے دن صبح سویرے منشی جی حضرت کے پاس آئے۔ حضرت سے دیر تک باتیں کرتے رہے، اخیر میں حضرت نے کہا کہ آپ کھانے میں بہت تکلف کرتے ہیں، ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ ہم لوگ تو ماش کی دال کی کھچڑی یا ماش کی دال اور چاول کھانے والے ہیں۔ انھوں نے عرض کی کہ آپ یہ کیا فرماتے ہیں، ہم کس لائق ہیں جو آپ کے لائق مکلّف کھانا پکوائیں۔ آپ کی جس قدر کھانے میں یا دوسرے طریقے سے خدمت ہوسکے وہ کم ہے۔ ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے مگر آپ سا حقانی ربانی، خدا پرست اور بے ریا کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ اسی طرح رہنے دیویں، جو کچھ دال دلیا آتا ہے اسے قبول کریں۔

حضرت نے فرمایا کہ طرح طرح کی خدمت گزاری کا مقصد یہی تو ہے کہ اللہ کی رضامندی حاصل ہو۔ سو ایسا کام آدمی کرے کہ اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو، اسراف، ریا اور نمود سے پاک ہو، اور جو آدمی کے پاس روپیہ پیسہ ہوتا ہے ان سب کا اللہ کو ایک دن حساب دینا ہوگا۔ اس کو بے جا برباد نہیں کرنا چاہئے، اسی کے فرمان کے موافق صرف کرنا چاہئے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس کی راہ ہم آپ کو بتاتے ہیں۔ غرض کھانے سے تو پیٹ بھرنا ہے، آپ ہم لوگوں کے واسطے ایک قسم کا کھانا جیسا چاہیں بھیجا کریں۔ طرح طرح کے کھانے کے تکلف کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم آپ کے لیے جناب الٰہی میں دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے یہاں خیر و برکت کرے۔

جاتے جاتے منشی جی نے عرض کی کہ حضرت! ایک روز آپ کو میرے غریب خانے پر چلنا ہوگا، وہاں میں اور میرے اہل وعیال آپ کے دست مبارک پر بیعت کریں گے۔ حضرت نے

فرمایا کہ جس وقت کہیے ہم حاضر ہیں۔

سید صاحب کی بشاشت:

دوسرے دن حضرت فجر کے بعد سورج نکلنے کے قریب کوٹھی کی چھت پر سائبان کے آگے چھوٹی چارپائی پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے اور بہت بشاش نظر آرہے تھے۔ مولانا عبدالحی صاحب، مولوی یوسف صاحب، میاں جی عبدالرحیم، میاں دین محمد اور ان کے علاوہ پانچ سات آدمی حاضر تھے۔ حضرت کی بشاشت دیکھ کر لوگ آپس میں کہنے لگے کہ شاید حضرت پر اللہ کی طرف سے کوئی الہام یا کسی طرح کا کوئی اشارہ ہوا ہے، یا پھر ہم لوگوں کو اللہ ورسول کے کلام میں کچھ سنانے کا ارادہ رکھتے ہیں، اسی لیے چہرہ پر اتنی زیادہ بشاشت ہے۔

بشاشت کی وجہ:

تھوڑی دیر کے بعد سید صاحب نے خود مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ مولانا! آپ کو لکھنؤ کی بات یاد ہے؟ مولانا نے عرض کیا کہ ارشاد فرمائیے تو کچھ یاد آئے۔ آپ نے فرمایا کہ جو آپ نے کہا تھا کہ یہ شہر لاکھوں آدمیوں سے بھرا پڑا ہے، مگر عجب ہے کہ لوگوں کو جیسا چاہئے ہدایت نہیں ہو پاتی۔ اس کے جواب میں مَیں نے آپ سے تین بار کہا تھا کہ ’’آپ کا دل بہت چاہتا ہے کہ لوگوں کو ہدایت ہو۔‘‘ آپ نے ہر بار جواب میں ’’ہاں میرا دل بہت چاہتا ہے‘‘ کہا تھا۔ یہ سن کر مولانا نے عرض کیا کہ ہاں یاد آیا۔ آپ نے فرمایا کہ وہاں ہدایت خلائق کا جو کچھ حال تھا وہ تو آپ نے دیکھا ہی مگر ہم اپنے وطن میں یہ بات سوچتے تھے کہ ہمارے پاس زادراہ کے نام پر ایک حبہ نہیں، اگر خرچ کی کوئی صورت نکل آوے گی تو اس سال حج کو جاویں گے ورنہ محنت و مزدوری کریں گے، اس میں چاہے برسوں لگ جائیں۔ جب بخوبی خرچ جمع ہو جائے تب جہاز پر سوار ہوں گے۔ بلکہ یہی بات ہم نے اپنے تمام ہمراہیوں سے بھی کہی تھی، مگر یہاں تک آتے آتے اللہ نے کرم کا کچھ اور ہی معاملہ فرمایا، اور ہمارا گمان یکسر غلط ثابت ہوا۔ اب اس معاملہ میں اللہ نے مجھ کو آگاہ کیا ہے۔ اب دیکھنا ان شاء اللہ کیسے باب ہدایت کھلتا ہے؟ اور کیسی فراغت اللہ تعالی ہم لوگوں کو عطا کرتا ہے، اس کا بیان مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔ ہم تو لوگوں سے بیعت لیتے لیتے تھک جاویں گے، اور آپ وعظ کہتے کہتے تھک جاویں گے مگر لوگوں کی کثرت کم نہ ہوگی۔

منشی امین الدین کی بیعت اور ان کے حق میں دعا:

ایک روز دوپہر کے قریب منشی جی باغ میں آئے اور حضرت کو پینس میں سوار کر کے اپنے مکان لے گئے، وہاں حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر زنانہ مکان میں لے جا کر اپنے اہل و عیال کو بیعت کرایا، اس کے بعد آپ نے منشی جی کو بہت کچھ نصیحت کی۔

منشی جی کا حال یہ تھا کہ ہر طرح کے فسق و فجور میں مبتلا تھے، اہل سنت والجماعت، روافض، خوارج اور نواصب سب ان کی نگاہ میں برابر تھے۔ بیعت کے بعد انھوں نے عرض کی کہ آپ کے ہاتھ پر میں نے برائیوں سے توبہ تو کر لی ہے مگر میں اپنے آپ کو ایسا نہیں پاتا ہوں کہ ان پر ثابت قدم رہ سکوں، بغیر تائید الٰہی کے مجھے بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ آپ میرے لیے دعا فرمائیے کہ اللہ مجھے اس توبہ پر قائم رکھے۔

حضرت نے برہنہ سر ہو کر دیر تک ان کے لیے دعا کی، اور فرمایا کہ منشی بھائی! فسق و فجور کے ترک کرنے پر کمر ہمت باندھو، اللہ سے امید ہے کہ وہ آپ کو بچاوے گا۔

پھر فرمایا کہ کسی دن لوگوں کو جمع کرو، ہم ذکر اللہ اور وعظ لوگوں کو سناویں گے۔ منشی جی نے عرض کی کہ جس دن ارشاد فرماویں لوگوں کو جمع کروں۔ آپ نے فرمایا کہ کل سویرے ہمارے پاس باغ میں لے کر آؤ۔

دعا اور وعظ:

دوسرے دن سورج نکلے منشی جی ڈھائی تین سو آدمیوں کے ساتھ سید صاحب کے پاس آئے، اور کوٹھی میں بیٹھے۔

پہلے تو سید صاحب نے دعا کی کہ "الٰہی! جو کچھ میں جانتا ہوں بیان کروں گا، بندوں کی ہدایت تیرے اختیار میں ہے، تو محض اپنے فضل و کرم سے ان بھائیوں کو ہدایت دے، شرک و بدعت اور فسق و فجور سے ان کو محفوظ رکھ، اور سنت و توحید پر ان کو قائم رکھ۔"

اس کے بعد سورہ فاتحہ کا وعظ شروع کیا، اور ایسے مؤثر انداز میں خدا کی حکمت و قدرت اور اس کی نعمتوں کو بیان کیا کہ بعض لوگوں پر حال طاری ہو گیا۔ کوئی تین گھڑی تک آپ کا وعظ جاری رہا، اس کے بعد پھر آپ نے دعا کی۔ اور لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ جن بھائیوں کا

جی چاہے وہ اسی وقت روز تشریف لایا کریں اور خدا اور سول کی باتیں سنا کریں۔ اس کے بعد اکثر حاضرین نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور رخصت ہوئے۔

فجر کے بعد وعظ کا یہ سلسلہ پندرہ بیس روز تک چلتا رہا، جس میں تقریباً دو ہزار سے زائد علما و درویش شریک ہوا کرتے تھے، عوام کا تو کچھ شمار ہی نہیں۔ اکثر لوگ یہ کہتے ہوئے سنے گئے کہ ہم تو سوائے نام کے مسلمان ہونے کے، اسلام کے بارے میں کچھ جانتے نہیں تھے۔ اسلام کا حال تو ہم کو آپ کی زبان ہدایت نشان سے معلوم ہوا، گویا کہ آج ہی ہم مسلمان ہوئے ہیں۔ اور عوام کو تو یہاں تک کہتے سنا گیا کہ ''یہی امام مہدی ہیں۔''

بیعت کی کثرت:

وعظ شروع ہونے کے آٹھ دس روز کے بعد کثرت بیعت کا یہ حال ہوا کہ صبح سے رات گئے تک مردوں وعورتوں کا ہجوم رہتا، سوائے نماز پڑھنے، کھانا کھانے اور حوائج ضروریہ کے پورا کرنے کے آپ کو فرصت نہیں ملتی تھی۔ دن میں مردوں کی کثرت اور رات میں عورتوں کا ہجوم رہتا۔

کوٹھی کے زنانے مکان سے متصل کمرہ تین چار سو عورتوں سے بھرا رہتا۔ سید صاحب کمرے کے دروازے پر تشریف لاتے اور باہر سے دو تین پگڑیاں پھیلوا دیتے اور فرماتے کہ سب مل کر اس کو پکڑ لو۔ جب وہ پکڑ لیتیں تو آپ بیعت کے کلمے کہلواتے۔ پھر کمرہ ان سے خالی کرایا جاتا، ان کی جگہ دوسری عورتیں آتیں۔ اسی طرح ہر شب دس بار کمرہ خالی کرایا جاتا اور بھرا جاتا۔

عموماً عورتیں تھالی یا کسی برتن میں مٹھائی اور بتاشے لے کر آتیں تھیں۔ ہر عورت کی خواہش ہوتی کہ آپ بتاشے پر اپنے لب مبارک لگا دیں تاکہ وہ بطور تبرک کے خود بھی کھائیں اور اپنے چھوٹے بچوں کو کھلائیں۔ سو بتاشوں پر لب لگاتے لگاتے حضرت کے ہونٹوں پر چھالا پڑ گیا تھا۔

رافضیوں کی فتنہ انگیزی:

بلاکیر نامی ایک انگریز جو کلکتہ کا کوتوال تھا، اول روز سے آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ آپ یا مولانا عبدالحی صاحب اگر مسلمانوں کو وعظ کہتے تو وہ بھی مؤدب کھڑا سنتا رہتا، دو چار گھڑی کے بعد چلا جاتا، پھر حاضر ہوتا۔ غرض دن میں چار پانچ بار اس کے آنے کا معمول تھا، حضرت سے بہت محبت اور خلوص رکھتا تھا۔

حضرت کو کلکتہ آئے ایک ہفتہ ہوا ہوگا کہ فرخ آباد کے رافضیوں نے ایک بھاری بھرکم محضر ڈیڑھ سو مہروں اور گواہوں کے ساتھ وہاں سے لاٹ کے پاس بھیجا، جس میں لکھا تھا کہ:

''ایک شخص میر احمد نام نواب امیر خان ڈاکو کے لشکر کا نشان بردار کہ ہمیشہ ہمراہ لشکر نواب ممدوح کے تمام شہروں اور بستیوں کو لوٹا کرتا تھا۔ جب نواب صاحب ممدوح سرکار کمپنی سے مل گیا، اور اپنی جاگیر سرکار کمپنی سے لے کر کنارہ گیر ہوا، تب اس شخص مذکور نے پیری و مریدی کا ڈول ڈالا۔ لاکھوں شرفا و غربا ہندوستانی اس کے مرید ہوئے ہیں، اور ہر روز ہوتے جاتے ہیں، اور یہ شخص محض امی و بے علم ہے، مگر دو عالم متبحر مولوی عبدالحی صاحب اور مولوی اسماعیل صاحب نام کے اس کے ہمراہ ہیں۔ جو کچھ لوگوں سے فتوحات حاصل ہوتی ہے، وہ آپس میں جو جو اس کے شریک ہیں، تقسیم کر لیتے ہیں۔ یہی پیشہ اپنے معاش کا ان سب نے مقرر کیا ہے، اور ارادہ ان کا یہ ہے کہ ہم کلکتہ میں جا کر کمپنی سے جہاد کریں گے اور ان کو مار کر ہم ملک پر قابض اور متصرف ہوں گے۔''

''سو ہم نے سرکار کمپنی کی خیر خواہی سمجھ کر یہ محضر ارسال کیا ہے کہ سرکار سے اس کا تدارک کیا جاوے۔''

انگریز کی عقیدت:

یہ محضر کلکتہ کے لاٹ کے پاس بھیجا گیا، اس نے بلا کر کوتوال کو دکھایا اور کہا کہ جلد از جلد اس کا بندوبست کرو۔ کوتوال (اوپر کوتوال کا ذکر ہوا ہے) حضرت کا بڑا مخلص اور آپ کے حال سے واقف تھا۔ اس نے سمجھ لیا کہ حاسدوں اور مفسدوں کا افترا ہے۔ اس نے لاٹ سے کہا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے دو فرقے ہیں، ایک سنی اور ایک شیعہ جس کو رافضی بھی کہتے ہیں، اور دونوں میں قدیمی عداوت ہے۔ یہ سید صاحب اور ان کے سب رفیق سنی ہیں، اور جنھوں نے یہ محضر نامہ بھیجا ہے وہ رافضی ہیں۔ محض اسی قدیمی عداوت کی وجہ سے ان پر تہمت لگائی جا رہی ہے۔ جب تک یہ سید صاحب یہاں رہیں گے اگر کسی طرح کا شر و فساد ان کے لوگوں سے ظہور میں آوے گا تو اس کا ذمہ دار میں ہوں گا، اور سرکار کمپنی کے سامنے جواب دہی میں کروں گا۔ اور ساتھ ہی ایک ضمانت نامہ لکھ لاٹ صاحب کے حوالے کر دیا۔

سید صاحب سے اس کو اس قدر محبت تھی کہ تیس چالیس چپراسی باغ میں اس نے صرف اس لیے مقرر کر دیے تھے کہ بازار سے جو کچھ بھی سید صاحب کے لوگوں کو منگانا ہوگا وہ یہ لا دیا کریں گے، اور ہر قسم کے سودے کے دوکاندار کو بلا کر باغ کے دروازے پر چھوٹا سا بازار لگوا دیا تھا، تاکہ سید صاحب کے لوگوں کو کسی طرح کی کوئی تکلیف نہ ہو۔

منطقی عالم سے سوال وجواب:

مدرسہ کلکتہ میں جتنے عالم فاضل مولوی مدرس تھے سب نے آکر حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی، سوائے مولوی غلام سبحان کے، کہ وہ بڑے منطقی اور متبحر عالم تھے۔ لوگوں نے ترغیب دی تو انھوں نے صاف انکار کر دیا کہ میں بیعت نہیں کروں گا، اور میں کسی کو منع بھی نہیں کرتا، جس کا جی چاہے کرے۔ یہ بات میرے سمجھ سے باہر ہے کہ سب لوگ بھیڑیا دھسان بیعت کرتے چلے جارہے ہیں، یہ کیا بات ہوئی؟ نہ جانا نہ پرکھا، سیدھے بیعت کر لی۔

ایک بار وہ ایک مشکل مسئلہ پوچھنے کے ارادہ سے کئی لوگوں کو لے کر باغ میں حضرت کے پاس آئے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت کا چہرہ دیکھ کر کچھ ایسا رعب ان پر چھایا کہ جو مسئلہ پوچھنے کے ارادے سے آئے تھے وہ نہ پوچھا بلکہ گھبرا کر تقدیر کا مسئلہ پوچھ بیٹھے۔ ان کے ساتھ جو لوگ آئے تھے انھوں نے ٹوکا کہ مولوی صاحب! یہ کیا سوال کر رہے ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ کیا مضائقہ ہے؟ یہ بھی کام کی بات ہے، جو کچھ پوچھتے ہیں پوچھنے دو۔

پھر جو کچھ ان کو پوچھنا پوچھ چکے تو حضرت نے مختصر جواب ان کے سب سوالوں ایسا دیا کہ وہ بالکل لاجواب ہوگئے، اور ندامت زدہ رخصت ہو کر مدرسہ گئے۔

مدرسہ آنے کی دعوت:

دوسرے دن ایک مدرس مولوی احمد کبیر نامی جو کہ حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد میں سے ہیں، حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ہم سب لوگوں نے مولوی غلام سبحان صاحب کو بیعت کے لیے طرح طرح سے سمجھایا مگر وہ اپنے انکار پر جمے ہوئے ہیں۔ اگر آپ کسی روز مدرسہ میں تشریف لاویں تو خدا کی ذات سے امید ہے کہ وہ مان جاویں۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا مضائقہ ہے، جس دن کہو ہم حاضر ہیں۔ انھوں نے دن مقرر کیا اور رخصت ہوئے۔

وعدہ کے مطابق مقررہ دن حضرت کو لینے آئے۔ گھڑی دو گھڑی دن باقی رہا ہوگا، حضرت مدرسہ میں تشریف لے گئے۔ مولانا عبدالحی، مولانا اسماعیل، مولوی وحیدالدین، مولوی یوسف، سید عبدالرحمان، حضرت محمد یعقوب اور شیخ ولی محمد اور بہت سے علمائے کلکتہ حضرت کے ساتھ تھے۔ مدرسہ دومنزلہ تھا، سب لوگ اوپر کی منزل میں گئے اور وہاں بیٹھے۔

مدرسہ کے دیگر علما حضرت کو لے کر ایک الگ مکان میں بیٹھے۔ وہیں مولوی غلام سبحان صاحب بھی تھے۔ اندر کیا بات ہوئی اور کس امر میں گفتگو ہوئی اس کا حال کسی کو معلوم نہیں، ہاں مگر اتنا ہوا کہ لوگوں کے سمجھانے پر وہ تنہائی میں خفیہ بیعت پر تیار ہو گئے، اور بیعت کی۔ پھر اسی رات خدا جانے ان پر کیا حادثہ گزرا کہ آدھی رات کو آہ نالہ اور گریہ وزاری شروع کر دی، اور کہنے لگے کہ غلام سبحان تو کافر ہو گیا، جو اس نے سید صاحب کی بیعت سے انکار کیا۔

فجر کی نماز کے بعد مولوی صاحب بہت سے علما اور طلبا کو ساتھ لے کر باغ میں سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ حضرت! مجھ سے بہت بڑی غلطی اور بے وقوفی ہوئی۔ نفس وشیطان نے مجھ کو بڑا فریب دیا جو آج تک آپ کی بیعت سے محروم رہا۔ آخر کو دل میں خیال آیا بیعت کرنے کا تو بھی فاسد ہی آیا کہ تنہائی میں پوشیدہ بیعت کرلوں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ بیعت میں تو یہی بات کہی جاتی ہے کہ ’’الٰہی! میں نے سب گناہوں اور برے کاموں سے توبہ کی اور خداوندا! میری سب خطائیں معاف کر۔‘‘ اس میں کون سی بری بات ہے جو میں بیعت نہ کروں۔ اب اللہ نے مجھ کو ہدایت دی، سو اب میں جم غفیر اور مجمع کثیر میں بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ پھر انھوں نے بیعت کی، اور ساتھ میں کئی خوان شیرینی کے لائے تھے، وہ لوگوں میں تقسیم کی گئی۔ پھر جتنے لوگ ان کے ہم خیال تھے سب نے بیعت کی، کوئی باقی نہیں رہا۔

شاہزادوں کی خواہش:

ایک دن حضرت کوٹھی میں بیٹھے ہوئے تھے، اور بہت سے لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ محمد قاسم نامی ایک خواجہ سرا آیا اور سلام کے بعد عرض کی کہ یہاں شہر میں سلطان ٹیپو کے بیٹے اور ان کی خاندان کے لوگ جو بطور قیدی کے رہتے ہیں۔ انھوں نے جب سنا کہ تکیہ شریف کے ایک پیر صاحب منشی امین الدین کے باغ میں فروکش ہیں، اور ہزاروں لوگ روزانہ ان سے جا کر بیعت

کرتے ہیں تو انھوں نے مجھے حکم دیا کہ جا کر ان کا حال دریافت کروں کہ وہ کس کی اولاد ہیں؟ سید ابوسعید اور سید ابواللیث صاحب جو ہمارے خاندان کے مرشد ہیں ان کا بھی وہیں مکان تھا، اگر اسی خاندان سے کوئی صاحب ہیں تو ہم بھی قدم بوسی سے شرف یاب ہوں۔

حضرت نے فرمایا کہ سید ابواللیث تو ہمارے حقیقی نانا اور سید ابوسعید صاحب ہمارے ماموں تھے۔ یہ بات سن کر وہ خواجہ سرا رخصت ہوا۔

ادھر کلکتہ کے بعض معتمد لوگوں نے حضرت سے بیان کیا کہ ان شاہزادوں کے مکان پر عبدالرحیم نامی دہری بڑا منطقی اور فلسفی رہتا ہے۔ یہ لوگ اسی کے معتقد ہیں، اسی کے زیر اثر یہ لوگ بھی ارتداد کے قریب ہیں۔ نہ وہ خدا کو خدا مانتا ہے اور نہ رسول کو رسول۔ اس کا کہنا ہے کہ مخلوقات کو نہ پیدا کرنے والا کوئی اور نہ مارنے والا۔ ہمیشہ سے اس عالم کا یہی خاصہ ہے کہ چیزیں خود بخود پیدا ہوتی ہیں اور از خود فنا ہو جاتی ہیں۔

آپ نے یہ حال سن کر کچھ دیر سکوت کیا، اس کے بعد فرمایا کہ ان شاء اللہ دو چار ملاقات میں سب درست ہو کر راہ راست پر آ جاویں گے۔

دوسری بار اسی دن یا اس کے اگلے روز قاسم خواجہ سرا پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان شاہزادوں کا پیغام حضرت کے پاس لایا کہ شاہزادوں نے آداب وتسلیمات کے بعد عرض کی ہے کہ آپ تو ہمارے خاندان کے پیر و مرشد ہیں۔ ہم لوگوں کی بڑی بے نصیبی ہے کہ شہر کے لوگ آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے اور ہم لوگ ابھی تک اس نعمت عظمی سے محروم ہیں۔ آپ کسی وقت ہمارے غریب خانے پر تشریف لاویں تو کیا ہی اچھا ہو۔

آپ نے فرمایا کہ بہتر ہے، ہم اسی وقت چلیں گے، اور پینس پر سوار ہو کر تشریف لے گئے۔ ساتھ میں میاں دین محمد، مولانا عبدالحی، مولانا اسماعیل اور ان کے خواہر زادے سید احمد علی صاحب، اور ان کے علاوہ کوئی دو ڈھائی سو آدمی سید صاحب کے جلو میں چلے۔ شاہزادوں کا مکان باغ سے کوئی دو کوس پر تھا، اس جگہ کا نام ''برسا پگلا'' تھا۔ باغ سے وہاں جاتے ہوئے عبدالرحیم فلسفی کا مکان راستے میں پڑتا تھا۔ جب حضرت کی سواری اس کے مکان کے برابر پہنچی تو آپ نے مولانا محمد اسماعیل صاحب سے فرمایا کہ تم عبدالرحیم کے پاس جاؤ اور دیکھو کہ اس کا کیا حال ہے؟ اگر ویسا

ہی ہے جیسا لوگ کہتے ہیں تو اس کو سمجھا کر معقول کرنے کی کوشش کرو۔ ساتھ میں سید احمد علی کو بھی لے لو۔

مولانا نے جب جا کر اس سے ملاقات کی تو وہ مولانا کا قدیم شناسا نکلا۔ وہ دہلی میں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس پڑھتا تھا۔ مولانا اسماعیل صاحب بھی اسی زمانے میں شاہ صاحب سے پڑھا کرتے تھے۔ مولانا نے گفتگو شروع کی، گفتگو کا آغاز جناب باری عز اسمہ کی الوہیت سے ہوا۔ وہ جو اعتراض کرتا مولانا اس کا جواب دیدیتے، وہ محض خدا کی ذات کے انکار پر اڑا ہوا تھا کسی طرح سے سمجھ کے نہیں دے رہا تھا۔ طرح طرح کے شکوک پیش کرتا، آخر الامر چار پانچ گھڑی کی گفتگو کے بعد وہ مغلوب ہوا، اور اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

مولانا اسماعیل صاحب اور سید احمد علی وہاں سے سید صاحب کے پاس گئے اور اس کے مغلوب ہونے کا حال عرض کیا۔ یہ خبر سلطان ٹیپو کے شاہزادوں تک پہنچی تو ان کو بہت ندامت ہوئی۔ بڑا شہزادہ جو اس فلسفی کا بڑا معتقد اور شاگرد تھا، اور کچھ عربی، فارسی اور انگریزی کا علم بھی رکھتا تھا، اس نے جب یہ خبر سنی تو اپنے بنگلے کا دروازہ بند کر لیا اور سلام کے لیے بھی حاضر نہیں ہوا۔

محمد قاسم خواجہ سرا نے حضرت کو ایک بنگلے میں بیٹھایا اور ہر ایک شاہزادے کو وہیں بلا لیا، ہر ایک کا تعارف کرایا، جو چھوٹے شاہزادے دس بارہ برس کے تھے ان کو حضرت نے پاس بٹھایا، ان سے بیعت لی۔ اس کے بعد قاسم حضرت کو دو یا تین زنانے مکانوں میں لے گیا وہاں شاہزادوں کی بیگمات نے بیعت کی، اور چند تھان نذر کیے۔

حضرت نے **محمد قاسم** سے فرمایا کہ ان شاء اللہ تین چار بار کی ملاقات میں سب شاہزادے درست ہو جائیں گے، پھر آپ وہاں سے باغ میں تشریف لائے۔

دوسری بار جب حضرت شاہزادوں کے یہاں تشریف لے گئے تو جنھوں نے بیعت کی تھی ان کے حال کو دیکھ ان کو بھی بیعت کا کمال اشتیاق ہوا جو پہلی ملاقات میں بیعت نہیں کیے تھے، مگر بڑے شاہزادے جو اس فلسفی کے شاگرد تھے، انھوں نے ابھی تک ملاقات بھی نہیں کی تھی۔ قاسم کئی شاہزادوں کو لے کر ان کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ آپ چل کر سید صاحب سے ملاقات تو کر لیویں، اس میں آپ کا کیا نقصان ہے؟ بیعت میں آپ کو اختیار ہے چاہے کریں یا نہ

کریں۔ ملاقات کے لیے کسی طرح ان کو راضی کیا اور حضرت کو ان کی کوٹھی پر لے گئے۔

جب حضرت پہنچے تو دروازے تک استقبال کے لیے آیا۔ حضرت کوٹھی کے اندر گئے اور آپ کے ساتھ دو تین لوگ اور بھی گئے، باقی لوگ باہر کھڑے رہے۔ اولاً تو اس نے خدا کی الوہیت پر چند اعتراض کیے۔ حضرت نے مختصران کا ایسا جواب دیا کہ خاموش ہو گیا اور سوائے اقرار کے کچھ نہ بن پڑا۔

پھر آپ باہر تشریف لائے۔ دیگر شاہزادے آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ الحمدللہ ہمارے بڑے بھائی نے آپ سے ملاقات کی، ہم کو بہت خوشی ہوئی۔ ہم کو امید نہیں تھی کہ وہ آپ سے ملنے کے لیے تیار ہو جائیں گے، لیکن اب ہمیں خدا کی ذات سے امید ہے کہ وہ راہ راست پر آ جاویں گے اور بیعت بھی کریں۔

شہزادے کی دعوت:

دوسری ملاقات کے کئی روز کے بعد محمد قاسم خواجہ سرا آیا اور عرض کی کہ کل آپ کی اور تمام قافلے والوں کی بڑے شہزادے کے یہاں دعوت ہے۔ دوسرے دن شاہزادے کے یہاں سے بہت سی سواریاں آئیں، کوئی چھ گھڑی دن چڑھے حضرت باغ سے نکلے۔ قریب تین سو آدمیوں کا قافلہ آپ کے ہمراہ تھا۔ شیخ ولی محمد صاحب پھلتی کہتے ہیں کہ میں حضرت کی پینس کے دہنی طرف بائیں ہاتھ سے پینس پکڑے ہوئے تھا۔ باغ سے ابھی چالیس پچاس قدم سواری گئی ہوگی کہ حضرت نے فرمایا کہ پینس کے دروازے بند کر دو۔ جب پہنچنے کے قریب ہوں تو دروازہ بجا کر ہم کو اطلاع کر دینا۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ شاید سونے کے لیے دروازے بند کرائے ہوں، مگر بعض لوگوں نے کہاروں سے سنا کہ جیسے ہی دروازہ بند ہوا، پینس ہلکی معلوم ہونے لگی، جیسے کہ خالی ہو۔ جب ہم لوگ قریب پہنچے تو پینس کا دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ نے اندر سے پوچھا کہ کیا پہنچ گئے؟ میں نے عرض کی ہاں، تو آپ نے فرمایا کہ دروازہ کھول دو۔

بنگلہ کے قریب پینس رکھی گئی، آپ اتر کر بنگلے میں تشریف لے گئے۔ سب شاہزادے جمع ہو کر آپ کو بڑے شاہزادے کے یہاں لے گئے۔ بڑے شاہزادے نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر کئی من شیرینی انگریزی اور ہندوستانی رنگا رنگ کی باہر لوگوں میں تقسیم ہوئی۔ ہر شخص کو اس

قدر ملی کہ اس وقت کے ناشتے سے فراغت ہوگئی۔

پھر بڑے شاہزادے حضرت کو اپنے زنانے مکان میں لے گئے، وہاں عورتوں نے بیعت کی۔ قریب دو پہر کے آپ وہاں سے باہر تشریف لائے اور کھانا تناول کر کے سو رہے۔ ظہر کے وقت بیدار ہوئے، وضو کیا، نماز پڑھی، اس کے بعد دو چار گھڑی وعظ فرمایا۔

وعظ کے بعد قاسم آیا اور عرض کی ایک بیگم صاحبہ کا محل باقی رہ گیا ہے، وہاں چلیے۔ آپ وہاں تشریف لے گئے، وہاں تمام عورتوں نے بیعت کی۔ عصر کے قریب آپ وہاں سے تشریف لائے۔ عصر کی نماز حضرت نے پڑھائی۔ عصر بعد قافلہ کے لوگوں نے کھانا کھایا، مغرب وہیں پڑھی گئی، اور عشا بھی۔ عشا کے بعد آپ نے کھانا تناول فرمایا، اس کے بعد تمام شاہزادے جمع ہو کر آپ کے پاس آئے اور عرض کی کہ ہم تو گویا آج ہی مسلمان ہوئے ہیں۔ دین اسلام کی قدر آج ہم کو معلوم ہوئی۔ آپ ہمارے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ ہمیں تاحین حیات صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے۔ آپ نے بہت دیر تک ان کے لیے جناب باری تعالیٰ میں دعا کی، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اب شیطان کو تمہارے یہاں سے دفع کر دیا ہے اور چند روز کے بعد تم لوگ دیکھنا کہ اللہ تمہارے یہاں کیسی خیر و برکت کرے گا۔

شاہزادوں نے اپنے نوکروں کو بتاکید حکم کر دیا کہ خبردار! عبدالرحیم فلسفی ہمارے یہاں آنے نہ پاوے۔

پھر آپ وہاں سے رخصت ہو کر باغ میں تشریف لائے۔ یہاں بھی ہزاروں آدمی آپ کے منتظر تھے۔ سب نے آپ سے ملاقات اور بیعت کی، پھر قریب آدھی رات کو رخصت ہو کر اپنے اپنے گھر گئے، اور حضرت بھی سو رہے۔

منشی امین الدین کی آپ بیتی:

فجر کے بعد حضرت کوٹھے پر بیٹھے ہوئے تھے، اور آپ کے پاس میاں دین محمد اور مولانا اسماعیل صاحب وغیرہما بھی تھے۔ اسی اثنا میں منشی امین الدین آئے اور پہرے والے سے پوچھا کہ حضرت کہاں ہیں؟ اس نے بتلایا تو کہا کہ جا کر عرض کر دو کہ امین حاضر ہے۔ اس نے آ کر اطلاع دی تو آپ نے فرمایا کہ یہیں بلا لاؤ۔

منشی صاحب حاضر ہوئے اور کچھ دیر بیٹھنے کے بعد عرض کی کہ لوگوں کو یہاں سے ہٹا دیجیے، میں تنہائی میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے سب کو نیچے جانے کا حکم دیا۔ شیخ ولی محمد کہتے ہیں کہ میں وہیں کھڑا رہا۔ منشی صاحب نے عرض کی کہ ان کو بھی رخصت کردیں، تو آپ نے فرمایا کہ ان کو رہنے دو، یہ ہمارے ہمراز ہیں، اور مجھ سے فرمایا کہ تم بھی آجاؤ۔

منشی صاحب نے عرض کی کہ ایک عجیب واقعہ مجھ پر گذر گیا کہ میں اس کو بیان نہیں کرسکتا آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ بیان کرو۔ انھوں نے عرض کی کہ کل چھ گھڑی دن چڑھے جب آپ محلّہ برسا پگلے شاہزادوں کے یہاں تشریف لے گئے، اس وقت نفس وشیطان نے مجھ کو ورغلایا۔ میں نے اپنے مکان میں ایک کنچنی (رقاصہ) بلائی اور کئی بوتل شراب منگائی، اور اپنے پہریداروں کو بتاکید شدید کہہ دیا کہ اگر سید صاحب یہاں تشریف لاویں تو پہلے مجھ کو اطلاع کردینا۔ پھر میں اس کنچنی کے پاس اپنی کوٹھی میں گیا اور گلاس میں شراب ڈالنے لگا۔ دیکھتا کیا ہوں آپ ایک طرف سے سونٹا ہاتھ میں لیے بڑے غصے میں آئے، اور مجھ کو بہت سخت وسست کہا۔ میں آپ کو دیکھ کر سخت بدحواس ہوا، گلاس ہاتھ سے گر پڑا، وہ کنچنی پلنگ کے نیچے دبک گئی۔ اس کے بعد آپ مجھ کو وہاں نظر نہیں آئے۔ میں وہاں سے چوکیداروں کے پاس بھاگا ہوا گیا اور ان پر غصہ کرنے لگا کہ سید صاحب مکان کے اندر آگئے اور تم میں سے کسی نے مجھے اطلاع نہیں دی۔ انھوں نے کہا یہ آپ کیا کہتے ہیں؟ سید صاحب یہاں کب آئے؟ وہ آتے ہیں تو ڈیڑھ دو سو آدمی بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں، اور اگر بالفرض اکیلے بھی آتے تو اسی دروازے سے ہو کر جاتے مگر ہم نے تو یہاں انھیں نہیں دیکھا۔

سو عرض خدمت عالی میں ہے کہ حقیقت میں یہ کیا معاملہ تھا؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں، یہ بات صحیح ہے۔ جب میں پینس میں سوار برسا پگلا جارہا تھا تو اس وقت مجھے جناب الٰہی سے الہام ہوا کہ تیرا مرید اس وقت ایسی ایسی حرکت کرنے جارہا ہے، جلد جاکر اس کی خبر لے اور اس کو روک، تب میں وہاں گیا اور تم کو روکا۔

شیخ ولی محمد کہتے ہیں کہ جب آپ نے یہ فرمایا تب مجھے سمجھ میں آیا کہ کل آپ نے پینس کے دروازے کیوں بند کرائے تھے؟۔

کلکتہ کی حالت زار اور اس کا تدارک:

کلکتہ کا یہ حال تھا کہ وہاں کے بے علم مسلمانوں میں نکاح اور ختنہ کا سرے سے رواج نہ تھا۔ شراب، تاڑی، بھنگ، چرس، مدک وغیرہ مسکرات کو برا نہیں جانتے تھے۔ جب لوگوں نے حضرت سے بیعت کی اور مولانا عبدالحی صاحب کا وعظ سنا تب وہاں کے لوگوں نے اپنا حال بیان کرنا شروع کیا۔ صورت حال یہ تھی کہ لوگ صریح زنا کاری اور حرام کاری میں مبتلا تھے۔ لڑکے لڑکیاں موجود ہیں مگر نکاح نہیں ہوا، اڈھیڑ عمر کو پہنچ چکے ہیں مگر ابھی تک ختنہ نہیں ہوا۔

حضرت نے قافلے کے چند لوگوں کو نکاح پڑھانے کے لیے مقرر کر دیا۔ ایک رات میں چالیس چالیس پچاس پچاس لوگ اپنی عورتوں کے ساتھ آتے اور اپنا نکاح کرواتے۔ کسی کی چار اولاد ہے کسی کی تین، مگر نکاح ندارد، ویسے ہی گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

اسی طرح حضرت نے باغ میں ختنے کا بھی انتظام کروا دیا۔ باغ کی دیوار سے متصل دور تک چھپر لگے ہوئے تھے، اسی کے سائے تلے چارپائی بچھا دی گئی۔ جو لوگ شہر کے ہوتے وہ ختنہ کرا کے اپنے گھر چلے جاتے، اور جو لوگ دور سے آئے ہوتے، یا بغل کے دیہات کے ہوتے، وہ ختنے کرا کے ان چارپائیوں پر رہتے، کھانا، دوا اور دیگر خدمت کے لیے حضرت کے لوگ وہاں مقرر تھے۔

حضرت کی بیعت اور مولانا عبدالحی صاحب کے وعظ کی برکت سے یہ حال ہوا کہ یکلخت شراب بکنی موقوف ہوگئی۔ دوکانداروں نے سرکار انگریزی میں جا کر شکوہ کیا کہ ہم لوگ سرکاری محصول بلا ناغہ ادا کرتے ہیں، اور دکانیں ہماری بند ہیں۔ حکومت کے لوگوں نے بند ہونے کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ جب سے سید صاحب تشریف لائے ہیں، شہر اور دیہات کے تمام مسلمان ان کے مرید ہو گئے، اور انھوں تمام مسکرات سے سب کو توبہ کرا دی۔ اب صورت حال یہ ہے کہ لوگ مسکرات اور شراب کی دوکانوں کے قریب سے بھی نہیں گزرتے، خریدنا تو دور کی بات ہے۔

ان لوگوں نے کہا کہ اگر کوئی زور زبردستی کر کے تمہاری دوکانیں بند کراتا تو ہم اس کا تدارک کرتے، اگر لوگوں نے خریدنا ہی چھوڑ دیا تو ہم اس کا کیا کر سکتے ہیں؟

غیر مسلم کا خواب اور اس کی ہدایت:

کلکتہ سے کئی منزل دور پُرنیا نامی ایک بستی ہے، وہاں کا ایک بڑا نامی مہاجن ایک دن حضرت کی خدمت میں مسلمان ہونے کی غرض سے حاضر ہوا، اور اپنا حال بیان کیا کہ ایک رات اپنے مکان میں سویا ہوا تھا۔ خواب دیکھا کہ ایک سیڑھی زمین سے آسمان تک کھڑی ہے، اس پر چڑھ کر آسمان کے قریب پہنچا تو اس میں دروازہ دیکھا۔ اندر داخل ہو کر تھوڑی دور گیا تو دیکھا کہ وہاں ایک زریں کرسی نہایت خوبصورت بچھی ہوئی ہے، اور اس پر ایک شخص نہایت حسین و جمیل بیٹھا ہے۔ نزدیک جا کر نام پوچھا تو اس شخص نے جواب دیا کہ ہمارا نام ’آدم صفی اللہ‘ ہے۔ اسی اثنا میں دو دروازے اور نظر آئے، ایک داہنی طرف اور ایک بائیں طرف۔ بائیں سمت کے دروازے سے دھواں اور آگ کے شعلے لپک رہے، اور لوگوں کی چیخ و پکار کی آواز آرہی تھی۔ ان کا حال دیکھ کر میرا مرغِ ہوش آشیانۂ دماغ سے پرواز کر گیا، اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ انھیں صاحب نے اپنے ایک خادم سے فرمایا کہ ان کو داہنے طرف کے دروازے کے سامنے لے جاؤ۔ پھر وہ شخص مجھے اٹھا کر وہاں لے گیا۔ کیا دیکھتا ہوں عجیب و غریب سایہ دار، خوش بہار باغ ہے، درختوں پر طرح طرح کے میوے لگے ہوئے ہیں اور قسم قسم کے گل کھلے ہوئے ہیں، جن کو دیکھنے سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا ہوتا ہے۔

یہ حال دیکھ کر پھر اسی کرسی نشین کے پاس آیا اور پوچھا کہ ان دونوں جگہوں کا کیا نام ہے؟ فرمایا کہ داہنی طرف کے مکان کا نام ”بہشت“ ہے، اور وہ مسلمانوں کے رہنے کی جگہ ہے، اور بائیں طرف کے مکان کا نام ”دوزخ“ ہے، اور وہ کافروں اور مشرکوں کا ٹھکانہ ہے۔ اور تو بھی زمرۂ کفار اور فرقۂ مشرکین میں سے ہے، مگر ابھی عالم اختیار میں بود و باش رکھتا ہے، اور اپنے کو اس ذلت کی جگہ سے محفوظ رکھنے کی فرصت تیرے پاس ہے۔ جلد اپنے اس دین باطل کو چھوڑ کر دین حق میں داخل ہو جا۔

میں نے ان سے عرض کی کہ خدا کے لیے مجھے اس آتش خونخوار سے بچایئے اور نجات کی راہ بتلایئے، تو انھوں نے فرمایا کہ ایک بزرگ ولی اللہ ایک قافلہ لیے حج کو جا رہے ہیں۔ ان دنوں وہ کلکتہ میں مقیم ہیں، تو ان کے پاس جا، اور ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لے۔ اسی میں تیری نجات

ہے۔ پھر میں جگ گیا اور مارے خوف کے پھر مجھے نیند نہیں لگی، صبح کو میں نے سامان سفر درست کیا اور آپ کی تلاش میں کلکتہ آ گیا۔

حضرت نے اس کا خواب سنا، اور اسی وقت اس کو کلمہ شہادت پڑھا کر مسلمان کیا، اور احمد اللہ نام رکھا، اور اسی دن اس کا ختنہ بھی کروا دیا۔ اور کچھ لوگوں کو ان کی خدمت کے لیے متعین فرما دیا۔ جب چند دنوں میں ختنہ کا زخم ٹھیک ہوگیا تو حضرت نے اس سے بیعت لی اور لوگوں سے فرمایا کہ ان کو نماز، روزے، وضو وغیرہ کے ضروری مسائل سکھلا دیویں، اور شرک وبدعت کی برائی اور توحید وسنت کی خوبی بتا دیویں۔ چند دنوں میں لوگوں نے انھیں تعلیم دے کر پکا کر دیا۔

حضرت نے چاہا کہ کچھ زادراہ دے کر ان کو رخصت کر دیا جائے تو انھوں نے عرض کیا کہ میں ہرگز نہیں جاؤں گا، کہیں پھر مجھ کو کچھ کھلا پلا ہندو نہ بنا ڈالیں۔ میں تو آپ کے ہمراہ حج کو چلوں گا حضرت نے فرمایا، سبحان اللہ اس سے بہتر کیا ہوسکتا ہے، ہم تم کو اپنے ساتھ لے چلیں گے۔

دست شفا:

جب حضرت نے حج کا ارادہ کیا اور جا بجا لوگوں کو خط سے اس کی اطلاع اور دعوت دینی شروع کی تو حاجی حمزہ علی خان جو رئیسوں میں تھے، ان کو بھی خط لکھا۔ ان دنوں حاجی حمزہ کی پنڈلی میں ایک مرض تھا جس کا زخم بالشت بھر لمبا اور ڈھائی انگل چوڑا تھا۔ انھوں نے اپنی اس بیماری کا حال لکھ کر عذر کیا تو آپ نے ان کو لکھا کہ تمہارے پاؤں میں جو عارضہ ہے تم اس کے سلسلے میں اندیشہ نہ کرو، جس طرح ہوسکے آجاؤ، اللہ سے مجھے امید ہے کہ اسی سفر میں ان شاء اللہ تمہارا پاؤں ٹھیک ہو جائے گا۔ حضرت کے ترغیب دینے سے وہ اور لوگوں کے ساتھ آ گئے۔

کلکتہ تک وہ زخم بدستور پہلی حالت پر رہا، زرد آب، لہو اور پیپ اس سے جاری تھا۔ ایک روز حضرت چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے، جاڑے کا موسم شروع ہو چکا تھا، کسی نے ایک رضائی لا کر حضرت کی نذر کی۔ حضرت نے وہ رضائی کسی کے ہاتھ حاجی حمزہ کے پاس بھیجی کہ وہ اس کو اوڑھا کریں۔ انھوں نے دو یا تین دن اوڑھ کر کسی کی زبانی حضرت کے یہاں کہلا بھیجا کہ یہ رضائی کسی اور کو عنایت فرما دیں، میرے پاس یہ ناپاک ہو جاوے گی۔ میرے زخم سے ہر دم پیپ اور لہو بہا کرتا ہے، سونے میں مجھ سے احتیاط ہونی دشوار ہے۔

حضرت نے کہلا بھیجا کہ اس کو آپ ہی اوڑھا کریں، مگر جب باصرار انھوں نے کئی مرتبہ لوٹا دیا تو حضرت ایک دن عصر کی نماز کے بعد ان کے پاس تشریف لے گئے، اور ان سے پوچھا کہ حاجی صاحب! کیا چاہتے ہیں؟ انھوں وہی عذر بیان کیا۔ عذر سن کر آپ بیٹھ گئے اور ان کے زخم پر تین چار مرتبہ اپنا ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ رضائی تم اوڑھو، ان شاء اللہ پیپ اور خون تو آج ہی بند ہوجائے گا، اور باقی زخم بھی چند دن میں ٹھیک ہوجائے گا۔

زخم کا پانی تو اسی وقت بند ہوگیا اور پھر رفتہ رفتہ زخم خشک ہونے لگا، اور چند دن میں بالکل اچھا ہوگیا، وہ اچھی طرح چلنے پھرنے لگے۔

دست شفا:

حاجی عبدالرحیم صاحب کے خادم حاجی عمر ولایتی کو ناف ٹل جانے کا عارضہ تھا۔ یہ مرض ان کو برسوں سے تھا۔ کلکتہ میں بھی اس عارضہ کے سبب ان کو دست آتے تھے، اور مارے درد کے بے تاب ہوجاتے تھے۔ جب سید صاحب حاجی حمزہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے زخم پر ہاتھ پھیرا تو حاجی عمر نے حاجی عبدالرحیم سے کہا کہ میرا بھی حال حضرت سے عرض کردیجئے۔ حضرت جب حاجی حمزہ کے پاس سے اٹھے تو حاجی عمر کے پاس گئے، اور بیٹھ کر ان کی ناف پر اپنے داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت رکھی اور کچھ پڑھ کر دم کیا، اور فرمایا کہ ان شاء اللہ اب یہ عارضہ دفع ہوجائے گا، اور پھر کبھی نہ ہوگا۔

ہوا بھی یہی، اس روز سے جب تک وہ زندے رہے، کبھی ان کو یہ عارضہ نہیں ہوا۔

مولوی امام الدین کی تلقین:

ایک دن حضرت نے مولوی امام الدین سے فرمایا کہ جب تک ہم کلکتہ میں ہیں، تم اپنی والدہ کو دیکھ آؤ۔ اگر وہ بھی حج کے لیے تمہارے ساتھ آنا چاہیں تو ان کو بھی لیتے آنا، ورنہ اکیلے ہی آجانا۔

ان کی بستی کلکتہ سے جانب مشرق نو دس منزل دور تھی، بستی کا نام حاجی پور تھا۔ وہ حضرت سے رخصت ہوکر گھر کو روانہ ہوئے۔ راستے میں جو بھی آشنا دوست یا مسلمان ملتا ان سے حضرت کا تذکرہ ضرور کرتے کہ ہمارے سید صاحب ایسے بزرگ اور صاحب کرامت ہیں۔ حج کے ارادہ

سے قافلہ لے کر آئے ہیں، کلکتہ میں فروکش ہیں، جس کو راہ خدا سیکھنی ہو وہ کلکتہ جائے۔

پھر جب اپنے مکان پہنچے تو وہاں سے اپنے پرگنہ، ڈھاکہ اور سلہٹ کے مسلمانوں کو لکھ کر حضرت کے حال اور ارادے سے مطلع کیا، اور اپنی والدہ کو بھی کلکتہ چلنے کی ترغیب دی مگر انھوں نے عذر کر دیا۔ پھر کئی روز کے بعد مولوی صاحب اپنی والدہ سے رخصت ہو کر چالیس پچاس آدمیوں کے ہمراہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب کو بیعت کروایا۔

ڈھاکہ کے لوگ:

اس کے کئی روز کے بعد ڈھاکہ کے کچھ لوگ آئے، حضرت سے ملاقات کی اور مولانا عبدالحی صاحب کا وعظ سنا۔ وعظ کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی اور اپنی پیر پرستی، تعزیہ داری وغیرہ شرک وبدعت کا حال بیان کیا۔ کہا کہ ہم لوگ ابھی تک اسی کو دینداری سمجھتے تھے۔ وعظ سننے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ سب برے کام ہیں اور ان کے کرنے والا مبتدع ہے۔

پھر انھوں نے ایک خط حضرت کو دیا اور عرض کی کہ ہمارے شہر کے تمام امیر وغریب آپ کے دیدار کے مشتاق ہیں، اگر آپ وہاں تشریف لے چلیں تو ہزاروں لوگ راہ راست پر آجاویں۔ آپ نے وہ خط دیکھ کر فرمایا کہ ان شاء اللہ کل ہم اس کا جواب دیں گے۔

سلہٹ، چاٹگام اور آسام کے لوگ:

اسی دن سلہٹ، چاٹ گانون (چاٹ گام) اور آسام وغیرہ کے لوگ کشتیوں پر سوار ہو کر کلکتہ آئے اور لوگوں سے معلوم کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ہمراہ عورتیں بھی تھیں، سب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

بنگالے کی حالت زار:

آنے والوں میں سے جو ذی حیثیت لوگ تھے انھوں مولوی امام الدین کے توسط سے حضرت سے عرض کی کہ ڈھاکے کے لوگوں نے جو اپنا حال بیان کیا ہے بعینہ وہی حال ملک بنگالے کے مسلمانوں کا ہے۔ نہ کوئی نماز پڑھتا ہے اور نہ کوئی روزہ رکھتا ہے۔ سلہٹ اور چاٹ گاؤں کے کئی لوگوں نے یہ حال بیان کیا کہ ہمارے یہاں شادی غمی میں لوگوں کو جو کھانا کھلایا جاتا ہے، وہ مٹی کے برتنوں کی بجائے کیلوں کے پتے پر کھلایا جاتا ہے۔ کھانے کے بعد جو پتوں میں کھانا بچ جاتا

ہے اس کو پھینک دیا جاتا ہے۔ آسام کے لوگوں نے عرض کی کہ اس کے علاوہ بھی بنگالہ میں طرح طرح کی اور بھی بہت سی بلائیں ہیں۔ ان میں یہ بھی ہے کہ لوگ بکری کا گوشت تو کھاتے ہیں مگر بکرے کا گوشت حرام سمجھ کر نہیں کھاتے۔ چاٹ گام کے لوگوں نے بتایا کہ ہمارے یہاں یہ دستور ہے کہ جو لوگ عید کا تہوار مناتے ہیں وہی لوگ اپنے کو بڑا مسلمان جانتے ہیں۔ بعضے لوگ عیدین، محرم، ہولی، دیوالی، دسہرہ اور بھوانی کی پوجا بھی کرتے ہیں۔ پیروں، شہیدوں کی نذر و نیاز ماننا تو عام ہے۔ ایک اور قبیح رسم بزرگوں سے چلی آئی ہے کہ عورتوں سے نکاح تو کرتے ہیں مگر بے نکاحی عورت بھی گھر میں رکھتے ہیں، ان سے جو اولاد ہوتی ہے اس کو کوئی بھی برا نہیں جانتا۔

جب ان لوگوں نے اپنے یہاں کا حال بیان کر لیا تو انھیں میں سے ایک ذی حیثیت آدمی نے عرض کی کہ حضرت! جس طرح ہو سکے آپ ہمارے یہاں تشریف لے چلیں اور لوگوں کو از سر نو مسلمان بنائیں۔

بنگالہ کا انتظام:

حضرت نے فرمایا کہ تمہارا علاقہ بہت وسیع ہے۔ اگر برس دو برس ہم کو یہاں رہنا ہوتا تو تمہارے یہاں کا دورہ کرتے۔ اب جہاز کھلنے کا موسم قریب ہے، زیادہ دن یہاں ٹھہرنا نہیں ہے، اس لیے ہم معذور ہیں۔

مگر اتنا انتظام ہم کر دیتے ہیں کہ مولوی امام الدین، صوفی نور محمد سلہٹی اور بھی تمہارے جو قریب الوطن لوگ ہیں، ہم ان سے کہہ دیویں گے کہ وہ تم لوگوں کو ضروری دینی مسائل سکھلا دیں اور جو بھی مسئلہ پوچھنا ہو ان سے پوچھ لیا کرنا، ان شاء اللہ حج کے بعد فرصت ملے گی تو تمہارے علاقے کا دورہ کریں۔

پھر آپ نے مولوی امام الدین اور صوفی نور محمد سے فرمایا کہ ان میں سے دس بیس جو ہوشیار ہیں، ان کو چن لو، اور مسائل ضروری سکھلا دو، اور توجہ دو، ہم ان کو خلافت نامہ دیدیں گے۔ ان شاء اللہ انہیں کے ہاتھ پر اللہ لوگوں کو ہدایت کرے گا۔

سید صاحب کی خلفا کو نصیحت:

پھر ان لوگوں کو جن کی تربیت مولوی امام الدین اور صوفی نور محمد کے حوالے تھی، خلافت

نامہ دے کر اپنا خلیفہ بنایا۔ کسی کو کرتا، کسی کو عمامہ اور کسی کو تاج عطا ہوا۔ پھر ان کے حق میں دعا کی اور رخصت کرنے سے پہلے ہر ایک کو تاکید کی کہ:

''سیر و دورہ کرتے رہنا، جو یہاں تم لوگوں نے توحید و سنت کا مضمون سیکھا ہے وہی لوگوں کو سکھلانا۔ اگر کوئی تم لوگوں کو مارے یا کسی طرح کی ایذا دیوے تو صبر کرنا اور وعظ و نصیحت سے باز نہ آنا۔ ہم تمہارے جانے کے بعد پھر جناب الٰہی میں دعا کریں گے، اللہ تعالیٰ سے امید قوی ہے کہ تمہارے ہاتھوں سے بہت لوگوں کو ہدایت ہوگی۔''

سیاہ فام لوگوں کی ہدایت:

ایک روز حضرت کے پاس نو دس سیاہ فام لوگ آئے۔ ان کے تمام بدن میں پھوڑوں کے سے داغ تھے۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ حضرت! ہم لوگ آسام کے رہنے والے ہیں، تجارت پیشہ ہیں، ہمارے یہاں کافروں کی عمل داری ہے، نہ وہاں کوئی اذان کہتا ہے اور نہ ہی گائے ذبح ہوتی ہے۔ ہمارے جسم پر یہ جو داغ نظر آرہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں دو بلائیں ہیں۔ ایک تو موٹی موٹی جنگلی جونک، جو اچھل کر جسم سے چمٹ جاتی ہیں، اور خون پی لیتی ہیں، بڑی مشکل سے چھوڑتی ہیں۔ دوسری بلا مچھر ہے جو ٹڈی سے بھی بڑے ہوتے ہیں، ان کے کاٹنے کی وجہ سے جسم پر داغ پڑ جاتے ہیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے لیے دعا کریں کہ اللہ ہم کو اس مصیبت سے نجات دیوے۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ ہمارے ہاتھ پر بیعت کرو، ہم دعا کریں گے۔ ان لوگوں نے بیعت کی۔ اس کے بعد آپ نے سب کے بدن پر اپنا ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ ان شاء اللہ اب تم میں سے کسی کو نہ جونکیں کاٹیں گی اور نہ مچھر، اور اگر کاٹ بھی لیا تو کچھ اثر نہیں ہوگا۔

پھر آپ نے ان کے سامنے توحید و سنت کی خوبی اور شرک و بدعت کی برائی اور ضروری مسائل بیان کیے اور فرمایا کہ جب تک تم لوگ اس شہر میں ہو ہمارے پاس آتے رہا کرو، ہم تم کو سکھلاتے رہیں گے۔ جب اپنے ملک کو جاؤ گے تو ہم تم کو اپنا خلیفہ بناویں گے، تم لوگ وہاں جا کر لوگوں کو جہاد کی ترغیب دینا، ان سے بیعت لیا کرنا اور توحید و سنت کی تعلیم کرنا۔

پیر بغدادی سے ملاقات:

بغداد کے ایک پیر اسی وقت سید احمد نام کے منشی امیر کے مکان پر اترے تھے۔ وہ منشی بڑا مالدار اور صاحب حیثیت تھا۔ پیر بغدادی بھی حج کے ارادے سے آئے تھے اور جہازوں کی روانگی کے منتظر تھے۔ ان کو بزرگی اور درویشی کا بھی دعوی تھا۔ منشی ان کی خدمت گزاری کرتا اور ان کا مرید بھی تھا۔

پیر بغدای کے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ کسی طرح سید صاحب پہلے مجھ سے ملاقات کے لیے آئیں، تا کہ میری عزت وعظمت لوگوں کے دل میں اور بڑھ جائے۔ اس کے بعد میں ان سے ملنے جاؤں۔ لہٰذا انھوں نے ایک شخص کی زبانی حضرت کے یہاں پیغام بھیجا کہ میں بیماری کی وجہ سے آپ کی ملاقات کو نہیں آ سکتا، اور آپ سے ملنے کو دل بہت چاہتا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ بیمار کی عیادت سنت ہے، ہم ہی ان کی ملاقات کو چلیں گے۔ ان سے کہنا کہ وہ یہاں آنے کی تکلیف نہ کریں۔

پھر آپ نے مولوی محمد علی سے فرمایا کہ آج بعد مغرب ہمیں یاد دلانا، ہم سید احمد بغدادی کی ملاقات کو جاویں گے۔ مغرب کے بعد آپ چند آدمیوں کے ہمراہ تشریف لے گئے اور ان سے ملاقات کی اور خیریت پوچھی۔

پیر بغدادی کا اعتراض:

پیر بغدادی نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ایک بڑا قافلہ لے کر بارادہ حج تشریف لائے ہیں؟ اس جم غفیر اور جماعت کثیر کے ساتھ آنا آپ کو مناسب نہیں تھا۔ اتنے لوگوں کو جہاز پر کون بیٹھاوے گا؟ اور کھانے، کپڑے کا خرچ کہاں سے آوے گا؟

سید صاحب کا جواب:

حضرت نے فرمایا کہ ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ اگر حاکم انگریز چاہے تو ہزار دو ہزار آدمی جہاز پر سوار کر کے حج کے لیے یا کسی دوسرے ملک کو پہنچاوے، تو یہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ انھوں کہا ہزار دو ہزار کیا، وہ اگر چاہے تو پانچ دس ہزار کو سوار کر کے جہاں چاہے پہنچا دیوے۔ حضرت نے فرمایا: سبحان اللہ، حاکم انگریز مخلوق جو ہر امر میں جناب باری تعالٰی کا محتاج ہے، اس کو تو یہ

مقدور ہے کہ ہزاروں آدمیوں کو جہاز پر سوار کر کے جہاں چاہے پہنچا دیوے، اور وہ شاہنشاہ عالم پناہ، جہان کا پروردگار کہ اس کے آگے حاکم انگریز ادنیٰ فقیر سے بھی زیادہ محتاج ہے، اتنا مقدور نہ رکھے کہ ہم چھ سات سو غربا کو مکہ پہنچا دیوے، یہ آپ کا عجیب عقیدہ ہے؟

یہ سن کر وہ اپنے دل میں پشیمان ہوئے اور خاموش ہو گئے۔ حضرت نے مزید فرمایا کہ میں کسی خیراتی جہاز پر نہ خود سوار ہوں گا اور نہ ہی کسی کو سوار کراؤں گا۔ تم جلد ہی ان شاء اللہ سن لوگے کہ میں نے جہازوں کا کرایہ ادا کیا اور سب لوگوں کو اپنے ہمراہ لے گیا۔

ایفائے عہد:

ایک روز منشی امین الدین صاحب کے یہاں سے چار گٹھری کپڑوں کی آئی۔ ایک میں سپید تھان، لٹھے، ململ، نین سکھ وغیرہ کے تھے۔ دوسرے میں سوسی چار خانہ اور چھینٹ وغیرہ کے تھان تھے۔ اور دو گٹھریوں میں موٹے کپڑے کے تھان تھے۔ اس کپڑے کو وہاں ‘سُلّم’ کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ کم وبیش تین سو جوڑے جوتے اور پانچ ہزار روپئے۔ یہ سب اسباب مع روپئے منشی صاحب کا داروغہ لایا تھا۔ اس نے عرض کی کہ منشی صاحب نے سلام عرض کیا ہے، اور کہا ہے کہ میں نے آپ کے حضور اول دن ہی وعدہ کیا تھا کہ جس دن آپ کی کہیں دعوت نہ ہوگی، اس دن میرے یہاں دعوت رہے گی، مگر ہوا یہ کہ کسی دن قافلہ کے ایک حصے کی دعوت ہوئی، کبھی کسی نے آدھے قافلے کی دعوت کی، دو تین مرتبہ ہم نے بقیہ لوگوں کا کھانا پکا کر بھیجا مگر ہم سے خاطر خواہ انتظام نہ ہوسکا، اور بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ جو لوگ باغ میں رہ گئے انہیں بازار سے جنس خرید کر پکانی پڑی۔ سو یہ پانچ ہزار روپئے اسی کوتاہی کی تلافی میں ہے۔ باقی اسباب کپڑے وغیرہ آپ کے لوگوں کے لیے ہیں، جیسے آپ مناسب سمجھیں تقسیم فرمادیں۔

یہ سن کر حضرت نے منشی صاحب کے لیے دعا کی کہ اللہ ان کو جزائے خیر عطا کرے۔

قافلہ کے اہل حاجت کا انتظام:

اس کے بعد آپ نے میاں دین محمد، قاضی احمد اللہ صاحب میرٹھی اور میاں عبداللہ سے فرمایا کہ تم لوگ قافلہ میں جا کر دریافت کرو کہ کس کو کپڑے یا دیگر سامان کی ضرورت ہے؟ جن کو ضرورت ہو ان کے نام اور ان کی حاجت کاغذ پر لکھ لینا۔

جب ان لوگوں نے اہل حاجت کی فہرست پیش کی تو آپ نے فرمایا کہ تم تینوں اور شیخ ولی محمد اور یوسف جی سب آپس میں مشورہ کر کے لوگوں کے کپڑے بنوا دو، خدا چاہے گا تو ہم چار مہینے میں بیت اللہ شریف پہنچ جائیں گے۔ جہاز میں آب و ہوا کا یہ حال ہے کپڑے جلد گل جاتے ہیں، سو بہتر یہ ہے کہ جن کے پاس ایک جوڑا ہو، ان کو تین جوڑے دو، باقی لوگوں کو دو دو جوڑے دو۔ اور جتنے لوگ جس جہاز پر سوار ہوں گے اسی کے مطابق جہاز میں کپڑے رکھ دیے جائیں گے تاکہ اگر کسی جہاز پر کپڑے کی ضرورت پیش آئے تو استعمال کر سکے۔

مزید کپڑے اور احرام:

کپڑے تقسیم ہو رہے تھے کہ اسی اثنا میں شیخ رمضانی، سعدالدین ناخدا، منشی حسن علی اور امام بخش وغیرہم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کپڑوں کی تقسیم دیکھی اور رخصت ہو کر اپنے مکان کو گئے۔

دوسرے دن وہ لوگ آئے اور سب کے ہاتھ میں حساب کی فرد (فہرست) تھی۔ ہر ایک نے اپنی اپنی فرد حضرت کو دکھلائی اور عرض کی کہ ہم اتنے تھان اس قسم کے آپ کے لیے خریدے ہیں۔ اگر ارشاد ہو تو گٹھریوں میں باندھ کر یہاں لاویں ورنہ جب جہازوں پر آپ کا اسباب چڑھایا جاوے گا تو ہم چڑھا دیں گے۔ اور مزید پانچ سو احرام ہم نے اہل قافلہ کے لیے خریدے ہیں۔ آپ کے آدمیوں کی تعداد ہمیں معلوم نہیں اس لیے اندازہ سے پانچ سو خرید لیے ہیں، اگر صحیح تعداد معلوم ہو جائے تو جو کم و بیش ہو، اس کو بھی پورا کر دیا جائے۔

سید صاحب کا توکل:

ان کی بات سن کر سید صاحب نے فرمایا کہ احرام تو ہمارے لوگوں کے پاس موجود ہے، اب مزید احرام کی ضرورت نہیں۔ اور جو کپڑا تم لوگوں نے ہمارے واسطے خریدا ہے اللہ دنیا و آخرت میں اس کا بدلہ دیوے، وہ نہ ہمارے پاس لاؤ اور نہ جہاز پر چڑھاؤ۔ جس قدر حاجت تھی اتنے کپڑوں کا انتظام ہو گیا ہے، بلا وجہ زیادہ کپڑے لادنے کی کیا ضرورت؟ پھر اگر کہیں ضرورت پڑے گی تو پھر اللہ دیوے گا۔

ان لوگوں نے کئی بار بتکرار و اصرار کہا کہ حضرت قبول فرمالیں، ہماری خوشی یہی ہے، تو

آپ نے فرمایا کہ لینے میں تو کوئی حرج نہیں ہے مگر لاد کر لے جانا اور اس کی نگہبانی کرنا کارے دارد۔ اس لیے ہم کو لینے میں تردد ہو رہا ہے۔

خوشی کی انتہا:

اخیر میں انھوں نے کہا کہ حضرت اگر کپڑا نہیں لیتے تو نہ سہی، مگر کم از کم احرام تو قبول فرما لیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ خیر اگر تم لوگوں کی اسی میں خوشی ہے تو کچھ احرام ساتھ کر دو۔ یہ سن کر وہ لوگ بہت خوش ہوئے، اتنا خوش ہوئے کہ آپس میں لڑنے لگے۔ ہر ایک کہتا کہ سارا احرام میں دوں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس میں نزاع کرنے کیا بات ہے، آپس میں بیٹھ کر طے کر لو۔ قافلے میں ساڑھے سات سو آدمی ہیں، اسی اعتبار سے حصہ متعین کر لو۔

ان لوگوں نے فی آدمی دو احرام کے حساب سے پندرہ سو احرام لانے کے لیے کہا، اور عرض کہ میقات پر ہمارا احرام بندھوا دیجیے گا اور عرفات جاتے وقت جو احرام ان کے پاس موجود ہے وہ باندھ لیں، یا اس کے برعکس، جیسا آپ مناسب جانیں۔ ان کی یہ تجویز حضرت کو پسند آئی اور بہت خوش ہوئے۔

سبقت الی الخیر:

دوسرے دن فجر کے بعد سعد الدین صاحب حضرت کے یہاں آئے تو دیکھا کہ ایک جگہ شیخ رمضانی بیٹھے لٹھے کے تھان پھاڑ رہے ہیں۔ انھوں نے پوچھا کہ شیخ! یہ کپڑے کس کے لیے پھاڑ رہے ہو؟ جواب ملا کہ احرام بنا رہا ہوں، قریب چار سو کے بنا چکا ہوں۔ پھر سعد الدین نے پوچھا کہ کتنے اور بناؤ گے؟ کہا جتنے خدا چاہے گا۔ انھوں نے شیخ رمضانی کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت کے پاس لائے۔ سلام کے بعد عرض کی کہ کل آپ کے پاس معاہدہ ہوا تھا کہ سب لوگ اپنے حصے کے مطابق احرام بنا کر لا دیں گے۔ اب یہ وعدہ شکنی کر رہے ہیں، چار سو کے قریب احرام بنا چکے ہیں، اور مزید بنائے چلے جا رہے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ سب یہی بنا کر دیدیں۔

آپ نے شیخ رمضانی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ شیخ بھائی! عہد شکنی تو اللہ کے نزدیک بہت ناپسندیدہ بات ہے، یہ حرکت مناسب نہیں ہے۔ انھوں نے عرض کی کہ حضرت! پہلے سے میری نیت یہی تھی کہ اور بھائیوں کے مقابلے میں میرے پاس وسعت زیادہ ہے، اس لیے میں

نے سوچا کہ اوروں کے مقابلہ میں ذرا زیادہ دوں، اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ جزاک اللہ، نیت تو تمھاری بہت خوب ہے، مگر خلاف اقرار نہیں کرنا چاہئے تھا۔

حضرت کی یہ بات سن کر شیخ رمضانی نے وہیں حضرت کے سامنے معافی مانگی اور غلطی سے توبہ کی۔ اس کے بعد وعدہ کے مطابق سب لوگ اپنے اپنے احرام گٹھریوں میں باندھ کر حضرت کے پاس لائے اور حوالے کیا۔

سید صاحب کی دعا:

آپ نے ان لوگوں کے لیے دعا کی اور فرمایا کہ ان شاء اللہ بیت اللہ شریف جا کر بھی ہم تم لوگوں کے لیے دعا کریں گے۔ پروردگار سے امید ہے کہ وہ تمھارے یہاں بہت خیر و برکت کرے گا۔ جس وقت آپ یہ بات فرما رہے تھے، اس وقت آپ کے چہرہ پر ایک حال ظاہر ہو رہا تھا۔ حاضرین مجلس پر خیر و برکت کا سایہ پڑتا محسوس ہو رہا تھا، بعض لوگ رو رہے تھے، اس کے بعد آپ نے لوگوں سے بیعت لی۔

سعد الدین ناخدا کی دعوت:

بیعت کے بعد موقع پا کر سعد الدین ناخدا نے عرض کی کہ کل دوپہر دن چڑھے آپ کی میرے یہاں دعوت ہے۔ آپ نے فرمایا بہتر ہے، ہم تمھارے ساتھ یہاں سے چلیں گے۔

دوسرے دن سعد الدین آ کر حضرت کو اپنے مکان لے گئے۔ آپ کے ساتھ تین چار سو قافلہ کے لوگ تھے، اس کے علاوہ شہر کے بھی بہت سے لوگ ساتھ ہو گئے۔ حضرت کو تردد ہوا، سعد الدین سے فرمایا کہ بہت سے لوگ جمع ہو گئے ہیں، اس کی کیا تدبیر ہوگی؟ انھوں نے عرض کی کہ کوئی مضائقہ نہیں، آپ اندیشہ نہ کریں، اگر کھانا کفایت نہ کرے گا تو بازار قریب ہے، وہاں سے کھانا یا مٹھائی منگوالی جائے گی۔

کچھ دیر کے بعد حضرت نے فرمایا کہ بھائی سعد الدین! تم نے بازار سے کھانا منگوانے کا جو ارادہ کیا ہے اس کو ترک کر دو، اللہ اپنے فضل سے اسی میں برکت دے گا۔ تم نے جو کھانا پکوایا ہے وہ ہمارے حوالے کر دو، ہم سب مل کر کھالیویں گے۔ انھوں نے پھر عرض کیا کہ بازار قریب ہے، اللہ نے آپ کی دعا کی برکت سے مجھے سب کچھ دیا ہے۔ آپ نے منع کیا کہ بازار سے مت

منگاؤ۔ ہم جو کہتے ہیں وہی کرو۔ ناچار عرض کی کہ میں فرماں بردار ہوں، جو آپ ارشاد فرماویں ویسا ہی ہوگا۔

سید صاحب کی ہدایت:

حضرت نے اپنے لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے حصے کا کھانا الگ کرلو، اور سعدالدین کے لوگوں سے کہو کہ وہ بھی اپنے حصے کا الگ کرلیں، پھر برتنوں میں نکال کر کھلانا شروع کرو۔ کل چھ دیگ کھانا تھا، چار دیگوں میں پلاؤ اور دو دیگوں میں زردہ۔

کھانا تقسیم کے وقت آپ بھی دیگوں کے پاس آکر کھڑے ہوگئے، اور سعدالدین سے فرمایا کہ تم کسی بات کا اندیشہ نہ کرو، کھانے سے پیٹ نہیں بھرتا، پیٹ اللہ کے حکم اور قدرت سے بھرتا ہے۔ پھر آپ نے تمام دیگوں کے منہ کھول کر ہر دیگ سے چاول نکال کر دیکھے اور بہت تعریف کی۔

دیگ میں ہاتھ لگانے کی وجہ:

میاں دین محمد کہتے ہیں کہ دیگ میں ہاتھ لگانے کے نکتے سے ہم میں سے صرف چند ہی آدمی واقف ہیں۔ آپ کو اس بہانے کھانے میں برکت کے واسطے ہاتھ لگانا منظور تھا۔ اللہ نے آپ کے دونوں ہاتھ میں بلکہ پورے جسم میں برکت کا اثر رکھا ہے، خصوصاً داہنے ہاتھ کی گدی اور ناخن میں سب سے زیادہ برکت کا اثر ودیعت ہوا ہے۔

برکت کا حال:

الغرض کھانے کو ملاحظہ فرما کر آپ اپنی جگہ جا کر بیٹھ گئے، اور لوگوں نے کھلانا شروع کیا، تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھایا، اور بہت سا کھانا دیگوں میں بچ بھی رہا۔ سعدالدین صاحب نے یہ حال دیکھ کر کہا کہ الحمدللہ اتنے کھانے میں تمام آدمی کھا چکے اور کھانا بھی بچ رہا۔ یہ محض سید صاحب کی برکت اور کرامت ہے۔

پھر اس کے بعد چند لوگ جو بیعت کرنے سے رہ گئے تھے، انھوں نے وہیں حضرت سے بیعت کی، اور وہاں سے رخصت ہوئے۔

شیخ امام بخش کے گھر میں:

شیخ امام بخش ایک بڑا سوداگر، مالدار اور صاحب اقتدار آدمی تھا۔ اس نے حضرت کی دوبار بڑی دھوم دھام سے ضیافت کی تھی، کئی طرح کا بہت نفیس کھانا کھلایا تھا۔

ایک روز حضرت کو اپنے مکان پر لے گیا، اور عرض کی کہ میرے زنانہ مکان میں آپ تشریف لے چلیں۔ حضرت نے فرمایا کہ پہلے اندر جاکر پردہ کرادو، اس کے بعد ہم چلتے ہیں۔ وہ گیا پردہ کرا کے آیا اور پھر حضرت کو لے گیا۔

زنانہ مکان میں ایک عجیب منظر نظر آیا۔ تمام عورتیں لباس فاخرہ پہنے بے پردہ فرش پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ یکا یک ان کو دیکھ کر گھبرا گئے، اور دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ کر لاحول پڑھتے ہوئے باہر آگئے، اور مولوی یوسف سے فرمایا کہ یہ لوگ مانند جانور کے ہیں، مجھ کو مکان میں لے گئے اور عورتوں کو پردہ تک نہیں کرایا، سب ویسے ہی بے پردہ فرش پر بیٹھی تھیں۔

باہر کچھ کرسیاں بچھی ہوئی تھیں، وہیں ایک کرسی پر حضرت بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ امام بخش بھی ایک کرسی پر آکر بیٹھے۔ آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمہارے یہاں پردے کا دستور نہیں ہے؟ یہاں کے لوگ اس کی خوبی و خامی سے واقف نہیں ہیں؟ انھوں نے عرض کی آپ کی ہدایت کے مطابق میں اندر گیا وہاں کوئی غیر مرد نہیں تھا، میں نے فرش بچھوادیا اور عورتوں کو بٹھادیا۔ میں نے سمجھا آپ اسی کو پردہ فرماتے ہیں۔

حضرت نے ان سے فرمایا کہ اندر جاؤ، عورتوں کو ایک طرف دالان میں بیٹھا کر ان کے آگے کپڑے یا کسی چیز کا پردہ جو آر پار نظر نہ آئے، لگادو۔ ہدایت کے مطابق شیخ امام بخش پردہ کرا کے آئے اور اندر لے گئے۔ جانے سے پہلے آپ نے اپنے لوگوں سے فرمایا کہ مولانا عبدالحی کو بلا کر بیٹھاؤ، ہم ابھی آتے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد آپ تشریف لائے، آپ کے پیچھے شیخ امام بخش تین سو روپئے، بیس اشرفیاں، پندرہ تھان سفید اور چھینٹ کے، اور کوئی پانچ تولہ عطر کی دو شیشیاں لے کر آئے اور حضرت کی نذر کی۔ پھر آپ نے ان کے سامنے بہت دیر تک پردہ کی خوبی اور عدم پردہ کی برائی بیان کی۔

عورتوں کے لیے وعظ کا انتظام اور ان کے لئے دعا:

مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ آپ یہاں ان لوگوں کے سامنے دو دن تک پردہ کے سلسلے میں وعظ ونصیحت کرتے رہئے۔ مولانا نے عرض کی کہ میں حاضر ہوں، جو ارشاد ہو بجالاؤں، مگر یہاں صرف ایک پردہ ہی کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ اس کے علاوہ نہ جانے کیا کیا الا بلا اور شرک وبدعت ہے، آپ اس کے لیے دعا کریں۔

حضرت نے ننگے سر ہو کر بہت دیر تک دعا کی اور فرمایا کہ شیخ بھائی ان شاء اللہ تھوڑے دن میں دیکھو گے کہ جو لوگ اپنے یہاں پردہ کرانے سے گھبراتے ہیں، اور کہتے ہیں اس کا بندوبست نہیں ہو پائے گا، وہ خود ہی خوشی خوشی پردہ کریں گی، اور جو شرک وبدعت میں مبتلا ہیں وہ توحید وسنت پر قائم ہو جائیں گی۔

تعزیہ کا چبوترہ:

جس وقت سید صاحب شیخ امام بخش کے زنانہ مکان میں تشریف لے گئے تھے، اسی وقت حضرت کے کچھ لوگ وہیں ایک چبوترے پر جوتا پہنے کھڑے تھے۔ شیخ کے نوکر چاکر اور محلے کے لوگوں نے کچھ کہا تو نہیں مگر ان کے انداز سے لگ رہا تھا کہ ان لوگوں کو جوتا پہنے چبوترے پر چڑھنا کھٹک رہا ہے۔ شیخ باقر نے ان سے پوچھا تو بتلایا کہ ہم اس چبوترے کا احترام کرتے ہیں اور یہ لوگ جوتا پہنے اس پر کھڑے ہیں۔ حضرت جب اندر سے تشریف لائے اور صورت حال کا علم ہوا تو شیخ باقر سے کہا کہ شیخ بھائی! اب آپ نے تمام شرک وبدعت سے توبہ کر لی ہے تو ابھی اسی وقت اس چبوترے کو کھدوا ڈالو اور اس کی جگہ چھوٹی سی مسجد بنالو جس میں تمہارے نوکر چاکر نماز پڑھا کریں گے۔ شیخ حضرت کی بات سن کر بخوشی تیار ہو گئے۔

شیخ امام بخش کو خلافت:

حضرت اسی چبوترے پر بیٹھے اور فرمایا کہ شیخ بھائی! ہم تم کو اپنا خلیفہ بناویں گے۔ انھوں نے عرض کی کہ مجھ میں اس کی لیاقت نہیں ہے، اور یہ بار گراں مجھ سے نہیں اٹھ سکے گا۔ حضرت نے ان سے فرمایا کہ تم انکار نہ کرو، یہ بھاری بوجھ نہیں ہے بلکہ بھاری بوجھ کو ہلکا کرنے والا ہے۔ شیخ یہ بات سن کر آبدیدہ ہو گئے۔ پھر حضرت نے ایک ٹوپی پہنائی اور ایک کرتا عطا کیا اور

ساتھ میں خلافت نامہ دیا اور دعا کی، اور فرمایا کہ شیخ بھائی! تم خاطر جمع رکھو، اللہ تعالی چند روز میں اس خلافت کے خیر و برکت کو ظہور میں لاوے گا۔

سید صاحب کا استغناء:

جب سید صاحب ان سے رخصت ہونے لگے تو عرض کی کہ میرے باغیچہ میں بھی تشریف لے چلتے تو خوب ہوتا، آپ نے فرمایا بہتر ہے چلیے۔

ان کے باغیچے میں ایک مکلّف کوٹھی بنی ہوئی تھی، حضرت اندر تشریف لے گئے۔ بہترین فرش بچھا ہوا تھا، دروازوں پر سلیقے سے شیشے لگے ہوئے تھے۔ حضرت کو ایک کرسی پر بیٹھایا، اور عرض کی کہ یہ کوٹھی آپ کی خادمہ نے بنوائی ہے۔ سو اس کی طرف سے یہ آپ کی نذر ہے، اللہ قبول فرماویں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ اس کا اجر ان کو دیوے، اب ہم نے یہ کوٹھی اپنی طرف سے تم کو دی، تم جو چاہو کرو۔ ہم لوگ تو مسافر ہیں، مکان کا کیا کریں گے؟ شیخ صاحب نے عرض کی کہ یہ تو نہیں ہوسکتا، اب یہ کوٹھی آپ کی ہے، چاہیں تو بیچ ڈالیں، چاہیں تو کو کرایہ پر دیدیں۔

شیخ کے نوکر جو وہاں موجود تھے کہنے لگے کہ حضرت اس کوٹھی کو کیوں قبول نہیں کرتے؟ اگر کسی کو کرایہ پر دیدیں تو سو روپئے مہینے کا آوے گا اور اگر بیچ دیں تو پندرہ ہزار کی بکے گی۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی! ہم لوگ تو مسافر ہیں، اللہ ہم کو ہر روز نیا کھانا، نیا پانی اور نیا مکان دیتا ہے۔ پھر بھلا ہم اس مکان کا کیا کریں گے؟۔ پھر آپ نے شیخ صاحب سے فرمایا کہ ہم یہ اپنی طرف سے تم کو دیتے ہیں، اللہ تمہارے اس جذبے کے بدلے جنت میں اس سے بہتر مکان عطا کرے۔

پھر آپ نے ان کے لیے دیر تک دعا کی۔ دعا کے بعد شیخ صاحب نے اس باغیچہ کا پھل منگوا کر حضرت کے سامنے رکھا۔ آپ نے سب کو تقسیم کروا دیا، اس کے بعد وہاں سے رخصت ہوکر جائے اقامت پر تشریف لائے۔

نجومی پیرزادے سے ملاقات:

کلکتہ میں ایک نجومی پیرزادے تھے، انھوں نے حضرت کو کہلا بھیجا کہ آپ میرے غریب خانے پر تشریف لائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ان شاء اللہ کسی وقت ہم آویں گے۔ یہ سن کر شہر کے چند لوگوں نے عرض کی کہ آپ نے ان کے مکان پر جانے کا وعدہ کرلیا مگر وہ شخص خلاف شرع کام

کرتا ہے۔ وہ نجومی آدمی ہے، شہر کے اکثر پنڈت علم نجوم سیکھنے کے لیے اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ کسی کو اپنے مکان پر بلاتا بھی ہے صرف اس سے بحث کرنے کے لیے بلاتا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ خیر جو ہوگا دیکھا جائے گا، اور ان پیرزادے کے آدمی سے فرمایا کہ پرسوں آنا، ہم ان شاء اللہ تمہارے ساتھ چلیں گے۔

وعدہ کے موافق وہ آدمی پینس لے کر آیا، آپ سوار ہوئے اور آپ کے ہمراہ پچیس تیس آدمی اور ہو گئے۔ آپ نے اپنے لوگوں سے فرمایا کہ بھائیو! ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے، مگر جو بات ان پیرزادے صاحب نے سوچ رکھی ہوگی ان شاء اللہ ان میں سے ایک بھی ان سے نہ بن پڑے گی، اور وہ راہ راست پر آجاویں گے۔ اور تم لوگ وہاں آپس میں کسی طرح کی گفتگو نہ کرنا، خاموش رہنا۔

آپ کی سواری پیرزادے کے احاطے میں داخل ہوئی۔ آپ اترے تو دیکھا کہ پھاٹک کی چوکھٹ سے پیرزادے کی کوٹھی تک پگڑیاں بچھی ہوئی ہیں۔ پیرزادے کے لوگوں نے عرض کی کہ ان پگڑیوں پر چل کر اندر تشریف لے چلیں، اور باصرار یہ بات کہی۔ آپ نے فرمایا کہ پگڑی تو سر پر باندھی جاتی، چلنے کے لیے اللہ نے زمین بنائی ہے، ہم زمین پر ہی چل کر جاویں گے۔

حضرت ان کے بنگلہ کے دروازے پر پہنچے تو سلام کیا، اس کے بعد مصافحہ و معانقہ ہوا، اور خیر و عافیت پوچھی گئی۔ پھر ان کا آدمی عطر اور پان لایا، سب نے عطر لگائی اور پان کھایا۔ وہ بزرگ تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے، اور آپ اپنی عادت کے موافق ان کی طرف دیکھتے رہے۔ بات کرتے کرتے وہ یکا یک خاموش ہو گئے اور عرض کی کہ جو حال میں نے آپ کا لوگوں کی زبانی سنا تھا، اس سے بڑھ کر پایا۔ آپ کے دیدار سے طبیعت بہت خوش ہوئی، اور جو اعتراض میں نے سوچ رکھے تھے، سب دل سے محو ہو گئے، اب ایک بھی یاد نہیں آرہے ہیں۔ یہ آپ کی بزرگی و کرامت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو آپ کو یاد ہو بے تکلف پوچھئے، مجھ کو جو معلوم ہوگا بیان کروں گا۔ انھوں نے عرض کی کہ اب سوال یہی ہے کہ میں ان سب باتوں سے توبہ کرتا ہوں، آپ مجھ سے بیعت لیویں۔ آپ نے بیعت لی، اس کے بعد اپنے لوگوں سے اس وقت وہاں جو حاضر تھے، کہا کہ ہمارا جو مرید سید صاحب سے بیعت نہیں کرے گا وہ ہمارا مرید نہیں۔ پھر

ایسا سنہرہ وقت نہیں ملے گا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ آپ کو میری طرف سے اجازت ہے، آپ ان سے بیعت لے لیں۔ یہ بات سن کر وہ بہت خوش ہوئے، بہت سی مٹھائی منگوا کر تقسیم کرائی، اس کے بعد حضرت وہاں سے اپنے مکان پر تشریف لائے۔

پیرزادے کی آمد اور دعوت:

دوسرے دن وہ پیرزادے چند مریدوں کے ہمراہ ملاقات کے لیے آئے، اور وقتِ رخصت عرض کی کہ کل میرے یہاں آپ کی ضیافت ہے۔ آپ نے عذر کیا تو انھوں نے کہا کہ اللہ نے آپ کی وجہ سے مجھے ہدایت دی ہے، اس خوشی میں دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے ان کی دعوت قبول کی۔ انھوں نے اہل قافلہ کی تعداد دریافت کی۔ لوگوں نے بتایا کہ ساڑھے سات سو کے قریب ہوں گے۔ انھوں نے عرض کی کہ اتنے لوگوں کا کھانا پکوانے کا انتظام مجھ سے نہ ہو سکے گا، نقد روپئے بھیج دوں گا آپ اپنے یہاں ہزار آدمیوں کا کھانا پکوا لیجئے گا۔ آپ نے فرمایا بہتر اس سے اچھا کیا ہو سکتا ہے۔

کھلی کرامت:

حضرت کے پاس باغ میں ہر روز سینکڑوں بلکہ ہزاروں آدمی آتے تھے۔ جمعہ کے دن تو لوگوں کی اتنی کثرت ہوتی تھی کہ شمار سے باہر ہوتا۔ نماز میں جگہ کا ملنا دشوار ہوتا۔ ایک جمعہ کو بہت ہی زیادہ ہجوم ہوا۔ حضرت نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ آج بہت زیادہ ہجوم ہے، ہم نماز پڑھ کر فوراً چلے آویں گے۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ مصافحہ کے لیے ہجوم کریں اور اس میں کمزور اور بیمار لوگ کچلے جاویں۔ جمعہ کے بعد آپ ہمارے مصلے پر بیٹھ کر وعظ شروع کر دیجئے گا۔

نماز کے بعد آپ فوراً اٹھے کہ تشریف لے جاویں مگر ہر طرف سے لوگوں نے مصافحہ کے لیے گھیر لیا۔ اس وقت ایسا شدید شور و غل ہوا کہ کان پڑی آواز سنائی دینا مشکل تھا۔ آپ کو اندیشہ ہوا کہ آدمی دب نہ جائیں۔ اس وقت آپ مشرق کی طرف رخ کیے کھڑے تھے۔ آپ نے جانب شمال رخ کیا اور آپ کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا اور بدن کے بال کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دفعۃً سب کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ لوگ ادھر ادھر دیکھنے لگے کہ آخر کہاں چلے

گئے؟ ابھی تو یہیں تھے۔ لوگ ابھی اسی گتھی میں الجھے ہوئے تھے کہ کوٹھی کے دروازے کی طرف سے سید صاحب کے سلام کی آواز آئی۔ لوگوں نے دیکھا کہ دروازے کے بازو پر ہاتھ رکھے کھڑے ہیں۔ کچھ لوگ وہیں مولانا کا وعظ سننے کے لیے بیٹھ گئے اور کچھ پھر مصافحہ کے لیے لپکے۔ آپ ان کو دیکھ کر کوٹھی کے اندر چلے گئے۔ وعظ کے بعد لوگوں نے کوٹھی کے اندر جا کر مصافحہ کیا اور جس کو بیعت کرنی تھی وہ بیعت کیے۔

عصر کے بعد مولوی محمد یوسف صاحب نے نماز جمعہ کے بعد والے واقعے کے بارے میں پوچھا کہ حضرت کیا عجیب وغریب معاملہ تھا؟ آپ کا چہرہ سرخ ہوا اور دفعۃً انبوہ سے آپ غائب ہوگئے۔ آپ نے فرمایا کہ معاملہ یہ ہے کہ جب لوگ یکبارگی مصافحہ کے لیے میری طرف لپکے تو مجھے خیال ہوا کہ کہیں لوگ دب اور کچل نہ جائیں۔ اسی اثنا میں مجھے جناب الٰہی سے الہام ہوا کہ تو جلد یہاں سے نکل جا، نہیں تو لوگ دب جاویں گے۔ میں نے عرض کی کہ الٰہی! میں کیوں کر نکل سکتا ہوں؟ یہ امر تو میرے اختیار سے باہر ہے۔ حکم ہوا کہ ہم تجھ کو نکالتے ہیں۔ اور پھر جناب باری نے اپنی قدرت سے مجھے کوٹھی کے دروازے پر پہنچا دیا۔ میں نے شکر الٰہی ادا کر کے لوگوں سے سلام کیا تا کہ سب لوگ آگاہ ہوجائیں کہ میں یہاں ہوں۔ اور جب تم لوگوں نے میرے چہرے اور بدن کا حال دیکھا تھا، وہ الہام کا وقت تھا، الہام کے وجہ سے ایسی کیفیت ہوگئی تھی۔

دریائی سفر کے لیے خوراک کی خریداری:

ایک روز قادر بخش، میاں دین محمد کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ چلو، تم کو کوٹھی میں شیخ عبداللطیف صاحب بلاتے ہیں۔ جب وہ پہنچے تو شیخ صاحب نے کہا کہ پانچ طرح کے چاولوں کی بانگی (نمونہ) آئی ہوئی ہے، چل کر دیکھ لیجئے۔ میاں دین محمد نے سب کو ملاحظہ کیا اور ہر ایک کا نرخ پوچھا۔ بتایا کہ ایک بانگی روپیہ من کی ہے۔ ایک اٹھارہ آنے من کی۔ ایک ڈیڑھ روپئے من کی، اور ایک دو روپئے من کی۔ وہ پانچوں بانگیاں لے کر حضرت کے پاس آئے۔ حضرت نے سب کو ملاحظہ کیا اور ڈیڑھ روپئے من کے چاول کو پسند کیا کہ یہ ٹوٹے بھی نہیں ہیں اور لمبے بھی ہیں۔

حضرت کی پسند کے مطابق وہی چاول جہاز پر خورد ونوش کے لیے خرید لیے گئے۔

جہاز کا انتظام:

ایک روز سعد الدین ناخدا، منشی امین الدین، شیخ امام بخش، شیخ رمضانی اور منشی حسن علی چار پانچ جہازوں کے ناخداؤں اور بہت سے ذی حیثیت لوگوں کے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ اللہ نے اپنے فضل وکرم سے گیارہ جہازوں کا انتظام کرادیا ہے مگر گیارہواں جہاز ہم نے موقوف کردیا ہے۔ حضرت نے یہ خبر فرحت اثر سن کر اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس پاک پروردگار نے اپنی عنایتِ بے غایت سے ہم ناچار بندوں کا سامان مہیا کردیا۔ پھر آپ نے ان جہازوں کا نام دریافت کیا۔ لوگوں نے بتایا، ایک ’دریا بقی‘ دوسرا ’عطیة الرحمان‘ تیسرا ’فتح الکریم‘ چوتھا ’فیض ربانی‘ پانچواں ’فتح الباری‘ چھٹا ’فتح الرحمان‘ ساتواں ’غراب احمدی‘ آٹھواں ’عباسی‘ نواں ’تاج‘ دسواں ’فیض الکریم‘۔

مخلوق کے بار احسان سے گریز:

شیخ غلام حسین خان جو کہ کلکتہ کے فخر التجار تھے، بہت مالدار اور صاحب ثروت تھے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ یہاں کے سوداگروں نے مجھ سے الگ، میرے مشورہ کے بغیر سید صاحب کے لیے جہازوں کا انتظام کردیا ہے تو ایک دن حضرت کے پاس آئے اور عرض کی کہ ان دنوں میرے چار جہاز خالی کھڑے ہیں۔ آپ انھیں پر اپنے لوگوں کو سوار کرکے بیت اللہ شریف لے جائیں۔ یہاں سے مکہ تک جو کچھ زادراہ اور اسباب ضروری کی حاجت ہوگی سب جہاز پر رکھ دیا جائے گا۔ حج سے فراعت کے بعد پھر انھیں جہاز پر انھیں سامان کے ساتھ واپس تشریف لائیں۔ سارا خرچ میرے ذمہ ہوگا۔

آپ نے فرمایا کہ ’شیخ بھائی! تم نے بات بہت اچھی کہی ہے مگر ہم نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ جب اللہ زادو راحلہ اور سفر خرچ کا انتظام کردے گا تو ہم اپنے کرایہ اور اپنے خرچ سے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ بیت اللہ شریف جاویں گے۔ سوائے اللہ کے کسی مخلوق کا بار احسان نہیں اٹھاویں گے، چاہے اس میں برسوں لگ جاویں۔‘ شیخ موصوف نے جب حضرت کا یہ صاف جواب سنا تو عرص کی کہ میرے جہازوں پر آپ کو سوار ہونا اگر منظور نہیں تو جو جہاز آپ نے کرائے پر کیے

ہیں، اس میں میری بھی شرکت منظور کرلیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں میرا کوئی دخل نہیں ہے، تم جا کر ان لوگوں سے صلاح کرلو، جنھوں نے جہاز طے کیا ہے، اگر ان کو منظور ہو تو شرکت کرلو۔

حضرت کی بات سن کر وہ سمجھ گئے کہ اب اس میں میری چلنے والی نہیں ہے، جو لوگ میرے محکوم ہیں سید صاحب ان کی خوشامد مجھ سے کرانا چاہتے ہیں۔ وہ مایوس ہو کر حضرت کے پاس سے اٹھے اور ایک نیا حربہ استعمال کیا۔

شیخ غلام حسین کی ریشہ دوانی:

جہاز کے ناخداؤں سے جا کر کہا کہ تم لوگ بڑے بیوقوف ہو جو سولہ روپئے فی آدمی تم نے کرایہ منظور کرلیا۔ سید صاحب تو امیر کبیر مالدار آدمی ہیں۔ اگر فی نفر پچیس روپئے مانگتے تب بھی وہ اپنی غرض پوری کرنے کے لیے دیتے۔ ایک صورت انکار کی ہے، ان کا غلہ اور اسباب بھی تو جہازوں پر رکھا جائے گا۔ اس کا کرایہ دو روپئے من کے حساب سے الگ لو۔ اگر نہ مانیں تو تم بھی انکار کردو۔ ان کے بہکاوے میں آکر وہ لوگ اپنے اقرار سے پھر گئے، اور غلے اور اسباب کا کرایہ الگ سے مانگنے لگے۔

جن لوگوں سے کرایے کی بات ہوئی تھی انھوں نے طرح طرح سے سمجھایا کہ شیخ غلام اگر چہ بڑا مالدار ہے مگر وہ اکیلا ہے۔ اور ہمارے پاس چھوٹے چھوٹے سوداگروں کی پوری ایک جمعیت ہے۔ جہازوں کے سلسلے میں اکثر ہمارا بھی کام پڑتا ہے صرف شیخ غلام حسین ہی کا نہیں، تمہارے تو صرف دس ہی جہاز ہیں۔ یہاں دریا میں چھوٹے بڑے کم وبیش دس ہزار جہاز ہوں گے، جن کا کاروبار ہمیں لوگوں سے متعلق ہے۔ جہاز کے ناخداؤں نے کہا کہ جو تم لوگ کہتے ہو سچ ہے، مگر جتنے پر قول وقرار ہوا تھا اس میں ہمارا نقصان ہے۔ اب جو تم لوگ مناسب جانو مشورہ سے طے کرلو۔

حسن انتظام:

مشورہ ہوا کہ چاولوں اور اسباب وغیرہ کا بوجھ پانچ چھ ہزار من سے کم نہ ہوگا۔ فی من دو روپئے کے حساب سے دس بارہ ہزار روپئے ہو جائیں گے۔ آسان صورت یہ ہے کہ فی نفر سولہ سے بڑھا کر بیس روپیہ کردیا جائے۔ اس میں وہ بھی خوش ہو جائیں گے اور سید صاحب کا بھی فائدہ

ہو جائے گا کہ ساڑھے سات سو آدمیوں کے حساب سے صرف تین ہزار ہی اور بڑھیں گے۔

لوگوں نے طے کر کے ناخداؤں سے کہا تو وہ بخوشی اس پر راضی ہو گئے۔

جہازوں کی سیر:

ان لوگوں نے آکر حضرت سے کہا کہ معاملہ فی نفر بیس روپے پر طے ہو گیا ہے۔ آپ بہت خوش ہوئے اور ان کے واسطے دعا کی۔ عرض کی کہ اگر مرضی ہو تو چل کر جہاز ملاحظہ فرما لیں، سارے جہاز گنگا کے کنارے کھڑے ہیں۔ آپ نے فرمایا بہتر ہے، ہم چلیں گے۔

ظہر کی نماز پڑھ کر آپ تشریف لے گئے، اور جہاز کے اوپر نیچے سارے حصوں کو ملاحظہ فرمایا، اور کہا کہ الحمدللہ، اللہ یہ دن تو لایا کہ ہم جہاز دیکھنے آئے۔ جہاز کے ناخدا کو آپ نے ایک بیش قیمت مسقطی لنگی عنایت فرمائی اور کئی تھان نین سکھ وغیرہ کے دیے، اور اس سے فرمایا کہ ہمارے لوگوں کو آرام سے لے جانا، کہیں تکلیف نہ ہونے پائے۔ ان شاء اللہ تمہارا جہاز جلد جدہ پہنچ جائے گا اور ہر طرح کے حادثے سے اللہ تعالی اس کی حفاظت فرمائیں گے۔

اہل قافلہ کی تعداد اور ان کا انتظام:

ایک دن سعد الدین ناخدا، شیخ رمضانی اور شیخ عبداللطیف وغیرہ نے میاں دین محمد سے پوچھا کہ حضرت کے ہمراہ کل کتنے آدمی ہوں گے؟ انھوں نے تفصیل بتلائی کہ جن لوگوں کا نول (کرایہ) دینا ٹھہرا ہے ۹۳ر آدمی ہیں، ان کے علاوہ ۵۷ر مساکین ہیں، دو سو کے قریب لڑکے اور لڑکیاں ہیں کہ ان کا نول نہیں دیا جائے گا۔ سب ملا کر قریب ساڑھے آٹھ سو آدمی ہیں۔ مگر کھانے کے تقسیم کی یہ صورت ہوتی ہے کہ نابالغ لڑکوں کو مردوں کا آدھا ملتا ہے اور نابالغ لڑکیوں کو عورتوں کا آدھا دیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ حضرت کا مقرر کیا ہوا ہے۔

ان لوگوں نے کہا خیر، آدمیوں کا اندازہ ہو گیا۔ فی آدمی دو بستے چاول مقرر ہیں۔ ایک بستے میں دو من چاول ہوتے ہیں، تو ساڑھے آٹھ سو آدمیوں کے سترہ سو بستے ہونے چاہئیں۔

انتظام کی تفصیلات:

اس کے بعد بازار سے ضروریات کی ساری جنسیں خریدی گئیں، جس کی تفصیل یہ ہے۔

ڈیڑھ روپے من کے حساب سے دو ہزار بستوں میں چار ہزار من چاول، چھ ہزار روپے

کے۔ ایک روپیہ من کے حساب سے تین سو بستوں میں چھ سو من مسور کی دال، چھ سو روپے کی۔ مسور کی دال اس لیے خریدی گئی کہ تھوڑے ایندھن میں جلد پک جائے گی اور باورچی خانہ خالی ہوجائے، تو اوروں کے کام آئے گا۔ دو روپے من کے حساب سے پچاس بستوں میں سو من آٹا، دو سو روپے کا۔ اور ہر بستے کی سوا آنا قیمت تھی جو دوہرے ٹاٹ کا تھا جس کو کلکتہ کی زبان میں ’بورا‘ کہتے ہیں۔

حضرت کے نام ’’سید احمد‘‘ کا عدد ایک سو ستائیس نکلتا ہے۔ پہچان کے واسطے ہر بستے پر یہی عدد لکھ دیا گیا۔ بستے کے منہ کی سلوائی فی بستہ پاؤ آنہ مزدوری دی گئی۔ شہر سے جہاز تک کی بار برداری کے لیے مزدوروں کو فی بستہ ڈھائی آنے مزدوری دی گئی۔ قیمت کے ساتھ ڈھلوائی وغیرہ ملا کر فی بستہ چار آنہ پڑے۔ بستوں کی تعداد ۲۳۵۰/ تھی۔ سب کی مزدوری ملا کر پانچ سو ستاسی روپے پچاس پیسے ہوئی۔

کلکتہ میں تانبا ان دنوں سوا روپے سیر تھا۔ پانچ دیگیں جو وزن میں چھ پسہری تھیں، جن کی قیمت دو سو روپے سے کچھ کم تھی، اور پانچ دیگچے جو وزن میں سوا سیر کے تھے، جن کی قیمت ۶۳ روپے سے کچھ زیادہ تھی، چھ دیگیں جو وزن میں پانچ پسہری تھیں، جن کی قیمت ۱۸۸/ روپے سے کچھ زیادہ تھی، چھ دیگچی ان کے علاوہ جو وزن میں آٹھ سیر کی تھیں، جن کی قیمت قریب ۶۲/ روپے تھی، پانچ سینیاں، کم وبیش ۲۵ روپے کی، گیارہ سینیاں اور گیارہ دیگچے، کم وبیش ۴۰/ روپے کے، دس کفگیر کم وبیش بیس روپے کے، اور دس چمچے پانچ روپے کے۔ سارے سامان کی مجموعی قیمت ۶۲۳/ روپے ہوئی۔

۶۹۳/ آدمیوں کا کرایہ بیس روپے کے حساب سے ۱۳۸۶۰ روپے ہوئے۔ تین جہازوں کے تہ خانے عورتوں کے لیے گئے۔ فتح الکریم کے آدھے تہ خانہ کی کا کرایہ ۴۰۰/ روپے اور غراب احمدی کے پورے تہ خانے کا کرایہ ۸۰۰/ روپے دیے گئے۔ یہ کرایے اصل کرائے سے الگ تھے۔ عورتیں چار جہاز پر سوار کی گئیں۔ دریا بقی، فتح الکریم، غراب احمدی اور فیض ربانی پر۔

یہ سارے سامان تیار کر کے شیخ سعد الدین، شیخ رمضانی اور شیخ عبداللطیف وغیرہم نے حضرت کے پاس جا کر خریداری کی پوری تفصیل بتائی۔ آپ بہت خوش ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ

اگر کوئی اسباب ضروری چھوٹ رہا ہو تو اس کی بھی تیاری کر لو۔ ان لوگوں نے عرض کی کہ سارے سامان تو تیار ہو گئے ہیں بس پانی کے لیے پیپے چڑھانا باقی ہے۔ خیال ہے ہر جہاز پر دو دو پیپے رکھوا دیے جائیں، پھر ان شاء اللہ کسی امر میں حرج واقع نہ ہوگا۔

جہاز رانوں کو نصیحت:

ایک دن حضرت نے جہازوں کے ناخداؤں کو بلوایا اور ان سے تاکید کی کہ ہمارے لوگوں کو آرام سے لے جانا، کسی طور ان کو رنج و تکلیف نہ ہونے پاوے۔ اس میں تمہارے لیے دنیا میں بہتری ہوگی اور آخرت میں بھی۔ ان شاء اللہ دنیا کا فائدہ تم اسی سفر میں دیکھ لوگے، اور آخرت کا فائدہ جو اللہ تعالیٰ چاہے گا، وہاں دیکھو گے۔ اور اگر کسی نوع کی تکلیف دو گے تو تمہارا دنیا میں بھی نقصان ہوگا اور آخرت میں بھی۔ کیوں کہ یہ لوگ اپنا گھر بار چھوڑ کر محض واسطے رضا مندی اللہ تعالیٰ کے جاتے ہیں۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر دریا میں کوئی جگہ صدمہ (حادثہ) کی آ جاوے تو تم ان لوگوں سے دعا کرانا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے منزل مقصود کو ساتھ خیریت و عافیت کے پہنچاوے گا۔

ان لوگوں نے اقرار کیا کہ ان شاء اللہ ہم آپ کے لوگوں کو آرام کے ساتھ لے جائیں، کسی نوع کی تکلیف نہیں ہونے دیں گے۔ آپ ہمارے لیے دعا کریں۔ پھر آپ نے ان کے لیے دعا کی۔

ناخداؤں کی عقل مندی:

پھر ان ناخداؤں نے پوچھا کہ آپ سب سے پہلے جہاز میں سوار ہو کر روانہ ہوں گے یا پھر سب سے آخری جہاز پر؟ آپ نے فرمایا کہ جیسا تم لوگ کہو گے، ہم کو منظور ہوگا۔ انھوں نے عرض کی اگر آپ پہلے پر سوار ہوں گے تب بھی ان شاء اللہ آپ کے بعد ہم آپ کے لوگوں کو بآرام سوار کر کے لے جائیں گے، اور اگر سب کے بعد رخصت ہوں گے تو یہاں کے لوگوں کو مزید آپ کے فیض سے فیضیاب ہونے کا موقع ملے گا۔ اور آپ کے سارے لوگ آپ کے سامنے سوار ہو کر رخصت ہوں گے تو آپ کو اطمینان خاطر بھی رہے گا۔

حضرت کو ان کی یہ رائے بہت پسند آئی، اور اسی پر عمل ہونا طے پایا۔

دریابقی کے ستارۂ قسمت کا عروج:

اس کے بعد ایک مسئلہ تھا کہ حضرت کس جہاز پر بیت اللہ شریف کے لیے روانہ ہوں؟ سارے ناخداؤں نے پیش کش کی آپ ہمارے جہاز پر سوار ہوں، اور مبالغہ کے ساتھ اپنے جہازوں کے تیز رفتاری کی تعریف کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ معلوم کرو کہ سب سے اخیر میں کون سا جہاز یہاں سے روانہ ہوگا؟ ہم اسی پر سوار ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ سب سے اخیر میں دریا بقی روانہ ہوگا۔ یہ ایک پرانا اور نہایت سست رو جہاز تھا۔ شہر کے معتبر لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ آپ دریابقی پر سوار ہوں گے تو ان کو تشویش ہوئی۔ آ کر عرض کی کہ دریابقی پورے شہر میں مشہور ہے کہ بہت کم چلتا ہے، کہنہ اور شکستہ بھی ہے۔ آپ کسی اور جہاز پر سوار ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ خاطر جمع رکھو، اللہ کی قدرت کے آگے نئے پرانے سب یکساں ہیں۔ اگر وہ چاہے گا تو اسی کو تیز رو کر دے گا۔

دریابقی پر سوار ہونے کے فیصلے کے تین یا چار دن کے بعد آپ نے شیخ عبداللطیف سے فرمایا کہ مجھ کو اپنے پروردگار کی طرف سے اشارہ ملا ہے کہ تم اسی جہاز پر سوار ہوؤ۔ سو تم جا کر دریابقی کے ناخدا سید عبدالرحمان سے کہہ دو کہ ہم اسی کے جہاز پر سوار ہوں گے۔

افواہوں کی قبل از وقت تردید:

یہ بات رفتہ رفتہ شہر میں مشہور ہوگئی کہ حضرت دریابقی پر سوار ہوں گے۔ شہر کے ناواقف لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ دریابقی پر سوار تو ہوں گے مگر پہنچیں گے کب؟ اس کی جو حالت ہے اس سے تو ایسا لگتا ہے کہ راستے ہی میں رہ جائے گا۔

ایک دن شہر کے بہت سے امرا و غربا حضرت کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جب ہم جہاز پر سوار کر جائیں گے تو ہمارے بعد بہت سے لوگ کہیں گے کہ جہاز دریابقی ٹوٹ گیا۔ بعضے یہ خبر اڑائیں گے کہ جہاز تباہ ہوگیا، اور بعضے یہ افواہ اڑائیں گے کہ راستے میں ترکوں نے گرفتار کر لیا۔ سو ان باتوں پر کوئی صاحب ہرگز یقین نہ کریں۔

جہازوں پر سامان رکھنے کی تفصیل:

دریابقی پر چار سو بستے چاول کے، ساٹھ بستے دال کے، اور دس بستے آٹے کے رکھے

گئے۔ دو دیگیں، دو دیگچیاں، چار سینی ایک کفگیر اور ایک چمچہ رکھا گیا۔

فیض ربانی پر دو سو بستے چاول، چالیس بستے دال، پانچ بستے آٹے کے رکھے گئے۔ اور ایک دیگ، ایک دیگچہ، دو سینیاں، ایک کفگیر اور چمچہ رکھا گیا۔

غراب احمدی پر دو سو بستے چاول، چالیس بستے دال، اور پانچ بستے آٹے کے رکھے گئے۔ ایک دیگ، ایک دیگچہ، دو سینیاں، ایک کفگیر اور ایک چمچہ رکھا گیا۔

فتح الکریم پر دو سو بستے چاول، چالیس بستے دال، اور پانچ بستے آٹے کے رکھے گئے۔ دو چھوٹی اور بڑی دیگیں، دو سینیاں، ایک کفگیر اور ایک چمچہ رکھا گیا۔

فتح الباری پر دو سو بستے چاول، چالیس بستے دال، اور چار بستے آٹے کے رکھے گئے۔ دو چھوٹی بڑی دیگیں، دو سینیاں، ایک کفگیر اور ایک چمچہ رکھا گیا۔

عطیۃ الرحمان پر ڈیڑھ سو بستے چاول، بیس بستے دال اور چار بستے آٹے کے رکھے گئے۔ دو چھوٹی بڑی دیگیں، دو سینیاں، ایک کفگیر اور ایک چمچہ رکھا گیا۔

فیض الکریم پر ڈیڑھ سو بستے چاول، تیس بستے دال اور چار بستے آٹے رکھے گئے۔ دو چھوٹی بڑی دیگیں، دو سینیاں، ایک کفگیر اور ایک چمچہ رکھا گیا۔

عباسی پر ڈیڑھ سو بستے چاول، بیس بستے دال، اور چار بستے آٹے کے رکھے گئے۔ ایک بڑی دیگ، دو سینیاں، ایک کفگیر اور چمچہ رکھا گیا۔

تاج پر ڈیڑھ سو بستے چاول، پندرہ بستے دال اور چار بستے آٹے کے رکھے گئے۔ دو چھوٹی بڑی دیگیں، دو سینیاں، ایک کفگیر اور ایک چمچہ رکھا گیا۔

فتح الرحمان پر ڈیڑھ سو بستے چاول، پندرہ بستے دال، اور چار بستے آٹے کے رکھے گئے۔ دو دیگیں، دو سینیاں، ایک کفگیر اور ایک چمچہ رکھا گیا۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اب کوچ کا وقت قریب آ گیا ہے۔ سب کو خبر کر دو کہ سب لوگ اپنے کار ضروری سے فارغ ہو کر تیار رہیں۔

ساری تیاری مکمل ہو چکی تھی، مگر ابھی تک کسی کو خبر نہیں تھی کہ کون کس جہاز پر سوار ہو گا؟ یہ حضرت کے صواب دید پر منحصر تھا کہ کون کس جہاز سے جائے گا؟ حضرت کے خصوصی مشیرین کے

علاوہ اس کی خبر کسی کو نہیں تھی۔

فتح الکریم کی روانگی کا اذن:

میاں دین محمد صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت کے پاس جا رہا تھا، دیکھا کہ راستے میں مولانا عبدالحی صاحب ایک درخت سے ٹیک لگائے بیٹھے کچھ لکھ رہے ہیں۔ میں ان کے قریب گیا اور پوچھا کہ کیا لکھ رہے ہیں؟ بتلایا کہ آج جہاز فتح الکریم کھلنے والا ہے۔ اس میں پچاس مرد اور پچیس عورتیں ہمارے قافلہ سے سوار ہوں گے۔ ان کا سالارِ قافلہ تم کو بنایا جائے گا۔ ان کی دیکھ ریکھ اور ساری خدمت تمہارے ذمہ ہوگی۔ ان لوگوں سے کہہ دینا کہ جن کا نام منتخب ہوا ہے، کوئی عذر کرکے رکنے کی کوشش نے کرے، ورنہ دوسرے جہاز پر سوار نہ ہونے پاوے گا۔

مولانا نے مزید کہا کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ دین محمد کو سمجھا دینا کہ اس امر میں کوئی عذر نہ کریں۔ وہ ہم سے کبھی الگ نہیں رہے ہیں، اس کا تو رنج انہیں ہوگا، مگر یہ رنج محض خدا کی رضامندی کے واسطے ہے۔ آگے بہت سے مقامات مفارقت کے آئیں گے، کب تک اور کس کا کس کا رنج کریں گے؟

سید صاحب سے رخصتی ملاقات:

دین محمد وہاں سے فوراً اٹھے اور اپنے لوگوں کو جا کر اطلاع کر دی کہ آج ہی ہمیں روانہ ہونا ہے، سب لوگ تیار ہو جائیں۔ اور کچھ لوگوں کو بازار بھیج کر سامان لے جانے کے لیے چند کرانچیاں منگوالیں۔

عصر کی نماز حضرت کے ساتھ پڑھی۔ نماز کے بعد حضرت اپنے زنانہ مکان میں تشریف لے گئے۔ یہ بھی وہیں پہنچے اور دستک دی۔ اندر سے پوچھا کون؟ انھوں نے اپنا نام بتایا تو آپ نے فرمایا کہ ٹھہرو، پردہ کرا کر اندر بلایا۔ آپ پلنگ پر بیٹھے ہوئے تھے، وہیں ان کو بھی بیٹھایا، اور فرمایا کہ:

’’ہم تم کو رخصت کرتے ہیں۔ ہم سے یہ جدائی اللہ کے واسطے ہے۔ اپنے ساتھیوں کی خدمت کرتے ہوئے آرام سے لے جانا۔ تمہارے جہاز کا نصف دبوسہ (تہ خانہ) چار سو روپے

کے عوض لے لیا گیا ہے، اس میں عورتوں کو رکھنا۔ اگر کہیں دریا میں کسی طرح کا کوئی صدمہ پیش آئے تو گھبرانا نہیں اللہ ہر صدمہ سے تم لوگوں کو محفوظ رکھے گا۔''

آپ کے پلنگ پر بہت سے روپئے اور اٹھنیاں اور چونیاں پڑی تھیں۔ چار روپئے، چار اٹھنیاں اور چار چونیاں عنایت فرمائی، اور بی بی صاحبہ سے فرمایا کہ ہم نے سات روپئے دین محمد کو دیے ہیں، تم بھی کچھ دیدو۔ انھوں نے پانچ روپئے عنایت کیے۔ دین محمد نے عرض کی کہ یہ روپئے میں جہاز پر کیا کروں گا؟ آپ نے فرمایا کہ رکھ لو تمہارے کام آئیں گے، اور یہ پانچ روپئے بھی اسی میں ملا لو۔ اور ہاں، مٹھائی تم کو بہت پسند ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ جہازوں پر مٹھائی جلد خراب ہوجاتی ہے ورنہ کچھ رکھوا دیتے۔ انھوں نے عرض کی کہ اس قدر تو آپ نے رکھوا دی ہیں کہ دس بیس روز میرے کھانے کے کام آویں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک تھیلا بتاشوں کا اور دس پندرہ سیر کا ایک مرتبان ناخدا کے ہاتھوں تمہارے لیے جہاز پر بھیج دیے ہیں، چاولوں کے ساتھ بتاشے اور گھی کھاتے رہنا، یہی تمہاری مٹھائی ہوگی۔

پھر آپ نے اپنے سر مبارک سے ٹوپی اتار کر ان کے سر پر رکھ دی۔ دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر ایک سینے تک اور دوسرا پشت تک پھیرا، اور مصافحہ فرمایا، اور فرمایا کہ جاؤ اللہ کے سپرد۔ اسی وقت بی بی صاحبہ نے ایک ٹوکری عمدہ مٹھائیوں کی ان کو عنایت فرمائی، اور وہ سلام کر کے رخصت ہوئے۔

دیگر جہازوں کی تفصیلات:

دریا بقی کے ناخدا کا نام سید عبدالرحمان تھا۔ وہ حضر موت کا رہنے والا تھا۔ اس کا گھر مخہ میں بھی تھا۔ اس جہاز پر حضرت کے اہل و عیال اور عزیز و اقربا تھے، مرد و عورت ملا کر ڈیڑھ سو لوگ تھے۔

فتح الباری کے ناخدا کا نام عبداللہ بلال عرب تھا۔ اس پر ستر آدمی سوار ہوئے۔ سالار قافلہ مولوی عبدالحق صاحب بنائے گئے۔ یہ لکھنؤ کے مضافات کے رہنے والے تھے۔

عطیۃ الرحمان بڑا جنگی جہاز تھا، اس پر توپیں وغیرہ بھی نصب تھیں۔ اس کے ناخدا کا نام محمد حسین ترک رومی تھا جو کہ چالیس جہازوں کا کپتان تھا۔ اس پر سرسٹھ (٦٧) آدمی سوار ہوئے اور قاضی احمد اللہ میرٹھی سردار بنائے گئے۔

غراب احمدی پر پچاس آدمی سوار ہوئے۔ مولوی وحیدالدین صاحب اور حکیم مغیث الدین صاحب سہارن پوری میر کارواں چنے گئے۔

فیض ربانی پر ۷۵؍لوگ سوار ہوئے۔ میر قافلہ مولانا اسماعیل صاحب بنائے گئے۔

فتح الکریم پر پچاس آدمی سوار ہوئے۔ سردار کارواں قاضی عبدالستار صاحب کڈھ مکتیشری بنے۔

عباسی پر چالیس آدمی سوار ہوئے۔ حاجی پیر محمد بانس بریلوی کو سردار بنایا گیا۔

تاج پر ۶۵؍آدمی سوار ہوئے۔ قادر شاہ ہریانوی کو سالار قافلہ چنا گیا۔

فتح الرحمان پر پچاس لوگوں کو سوار کر کے میر قافلہ حاجی یوسف صاحب کشمیری کو بنایا گیا۔

قافلہ میں کل ۶۹۷؍افراد تھے، اور ۵۷؍مسکین۔ یعنی کل ملا کر ۷۵۰؍افراد تھے۔ مسکین کسی جہاز پر تین، کسی پر چار، کسی پر پانچ تھے۔

سید صاحب کی روانگی کا دن:

روانگی کے دن حضرت نے بی بی صاحبہ اور سید محمد کو پینس میں سوار کرا کے جہاز کی طرف پہلے ہی روانہ کر دیا اور فرمایا کہ ہم ظہر کے بعد آجاویں گے۔

اس روز پہر سوا پہر دن چڑھے منشی امین الدین صاحب کے یہاں آپ کی دعوت تھی۔ شہر کے تمام مریدین و متوسلین اس دعوت میں شریک تھے۔ اس دن کا ہجوم قیاس سے باہر تھا۔ خدا جانے کتنے لوگ تھے۔ کھانے کے بعد حضرت ظہر تک انھیں کے مکان پر رہے۔ نماز ظہر کے بعد کچھ دیر وعظ فرمایا، اور جو خلفا وہاں حاضر تھے ان کو نصیحت کی کہ ”تم لوگ آپس میں اتفاق کے ساتھ رہنا، ایک دوسرے کی اعانت و خیر خواہی کرنا۔ اس میں اللہ تعالی تمہارے ہاتھوں سے لوگوں کو زیادہ ہدایت کرے گا۔“ اور یہ بھی فرمایا کہ ”میرے جانے کے بعد اگر کوئی شخص کہے کہ سید احمد کی توجہ میں بڑی زبردست تاثیر تھی، جس کو وہ توجہ دیتے تھے اس کو بہت فائدہ ہوتا تھا۔ سو اس شخص کو جانیو کہ بڑا ہی کذاب اور مفتری شخص ہے۔ اس لیے کہ یہ امر میرے اختیار سے باہر ہے۔ بہت سے لوگوں کو میں نے چاہا کہ توجہ سے فائدہ ہو مگر خاک بھی نہ ہوا، اور جن کی طرف سے مجھ کو اس بات کا خیال نہ تھا ان کا یہ حال ہوا کہ ادھر کواڑ کے آڑ میں ان کو لے گیا، ادھر سے ایک دم میں ان کو ولی کر کے نکال

لایا۔ یہ بات محض من جانب اللہ ہے، اس میں میرا کوئی دخل نہیں۔“

دوسری بات یہ ہے کہ ”اگر کوئی شخص کہے کہ سید احمد کہتے ہیں کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے تو وہ یہ بات غلط اور جھوٹ کہتا ہے۔ کیوں کہ جناب باری تعالیٰ کسی مخلوق سے کلام نہیں کرتا۔ سو تم لوگ جانیو کہ یہ شخص بھی بڑا جھوٹا ہے۔ کیوں کہ تکذیب کلام باری تعالیٰ کی مخلوق سے کرتا ہے۔“

وعظ کے بعد منشی امین الدین صاحب سے فرمایا کہ ’ہم نے تم کو اپنا خلیفہ تو نہیں بنایا مگر یہاں کے اپنے خلفا کا جمعدار بناتے ہیں۔ پھر اپنے سر مبارک سے سرمئی پگڑی اتار کر منشی صاحب کے سر پر رکھ دی۔ اس وقت منشی صاحب پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ باآواز بلند رونے لگے، جتنے لوگ وہاں حاضر تھے سب پر رقت طاری تھی، یہاں تک کہ جو ہندو وہاں تماشہ دیکھنے کے لیے کھڑے تھے، وہ بھی رو رہے تھے۔

پھر وہاں سے آپ نے چلنے کی تیاری کی۔ شیخ عبداللہ، شیخ غلام حسین فخر التجار کا بیٹا، صبح ہی سے اپنے مکان پر لے جانے کے لیے آپ کے پاس حاضر تھا، بگھی ساتھ لایا تھا۔ ان دنوں شیخ غلام حسین بہت بیمار تھے۔ آپ نے شیخ عبداللہ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہارے والد کی عیادت کے لیے چلیں گے۔

شیخ غلام حسین کی عیادت کے لیے آپ بگھی میں سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ بگھی کے اندر سید عبدالرحمان، مولانا عبدالحی، شیخ عبداللہ، غلام حسین کا بیٹا، منشی امین الدین اور ایک صاحب اور تھے۔ بگھی کے پیچھے سید محمد یعقوب صاحب اور مولوی محمد یوسف صاحب کھڑے تھے۔ بگھی جب بڑے مدرسے کے قریب پہنچی تو دیکھا کہ مدرسہ سے لاٹ مہرا گرجا تک مرد، عورت، ہندو مسلمان، یہود و نصاریٰ کا ہجوم تھا جو آپ کے دیدار کے لیے کھڑے تھے۔ صدہا آدمی بچو بچو کی آواز لگا رہے تھے مگر کون سنتا؟ ایسا معلوم ہو رہا تھا اب بگھی دبی، تب دبی۔ بہزار دشواری غلام حسین کے دروازے تک پہنچے۔

بگھی سے اتر کر آپ اندر تشریف لے گئے۔ شیخ غلام حسین دروازے کے پاس چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ ان کے پاس چارپائی پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے اور دو چار بات کی۔ پھر بگھی پر سوار ہو کر قلعہ کی طرف چاند پول گھاٹ کو روانہ ہوئے۔ لاٹ مہرا کے گرجے

کے برابر یہودیوں کے محلے میں پہنچے تو آپ کے ہمراہی زور زور سے کلمہ پڑھتے ہوئے گزرے۔ قلعہ کے میدان میں جا کر سواری ٹھہری، اس وقت یہود و نصاری کا ایک جم غفیر میدان میں، کوٹھوں پر اور راستوں میں کھڑا تھا۔ کچہری کے اہل قلم اپنی جگہ چھوڑ کر باہر آ گئے تھے۔ لوگوں سے یہ بھی سنا گیا کہ اس وقت لاٹ صاحب اپنی کوٹھی پر اپنے عملے کے ساتھ کھڑا دیکھ رہا تھا۔

عصر کا وقت ہو چکا تھا، وہیں میدان میں نماز کے لیے صفیں آراستہ ہونے لگیں۔ تا حد نظر سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔ حضرت نے امامت فرمائی۔ حضرت کے پیچھے مکبر ین بلند آواز سے تکبیر کہتے تب بھی تمام لوگوں تک آواز نہیں پہنچ پاتی۔ مگر یہ عجیب بات تھی کہ حضرت کے ’اللہ اکبر‘ کی آواز سب لوگ سنتے تھے، بلاشبہہ یہ آپ کی کرامت تھی۔

نماز کے بعد آپ نے دعا کی۔ پھر بگھی کے پاس آئے اور لوگوں سے رخصت ہونے لگے۔ سب سے پہلے قاضی عبدالحمید صاحب سے مصافحہ کیا، قاضی صاحب نے اپنے بیٹے کو حضرت کے سپرد کیا کہ اس کو اپنے ساتھ لیتے جاویں۔ اس کے بعد آپ نے اوروں سے مصافحہ کیا۔ بہت سے لوگوں کو برکت کے روپئے عنایت کیے۔ سید عبدالرحمان کہتے ہیں کہ میرے پاس چھ سات سو روپئے تھے، سب آپ نے بانٹ دیے۔ اس وقت آپ کے ارد گرد قدم رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔ آپ لوگوں سے مصافحہ کرتے کرتے یکا یک اس چستی سے بیٹھ کر نکل گئے کہ کسی نے دیکھا بھی نہیں۔ جب آپ جا کر کشتی پر سوار ہو گئے تو اس وقت لوگوں نے دیکھا کہ سید صاحب تو وہاں پہنچ گئے۔ سب لوگ متحیر تھے کہ کیسے چشم زدن میں کشتی پر پہنچ گئے۔ پھر حضرت کے ساتھ جو لوگ تھے ان کو بھی لوگوں نے دوسری کشتی پر سوار کر دیا۔

وہاں ایک کشتی جس کو پینس کہتے ہیں، کھڑی تھی۔ حضرت کشی سے اتر کر اس پر سوار ہوئے اور لوگوں کی طرف رخ کر کے بآواز بلند سلام کیا، لوگوں نے سلام کا جواب دیا۔ اس وقت ہر شخص آپ کی مفارقت سے رو رہا تھا۔

مغرب کا وقت ہوا تو وہیں پینس پر موجود لوگوں کے ساتھ جماعت کی گئی۔ نماز کے بعد پینس کا لنگر اٹھا اور حضرت جہاز کی طرف روانہ ہوئے۔ بیشتر لوگ تو رخصت ہو کر چلے گئے مگر مولوی نصیر الدین، مولانا اسحاق صاحب کے داماد، اور شیخ محمد ڈھئی ڈھمڈھئی، پینس پر سوار ہو کر جہاز تک

آئے۔

وہ وقت سمندر میں بھاٹہ کا تھا، پوری رات پنیس میں چلتے رہے، صبح کو ایک پہر دن چڑھے کہیلا گابھی پہنچے۔ یہ ایک جگہ کا نام ہے۔ بھاٹہ موقوف ہوا اور جوار کا وقت شروع ہوا۔ وہیں پنیس لنگر کی گئی۔ وہاں سے دو کوس کے فاصلے پر جہاز کھڑا تھا۔ اس مدت میں مولانا عبدالحی صاحب نے صدہا خطوط ہندوستان وغیرہ کے لوگوں کو لکھے۔

جب جہاز والوں نے دیکھا کہ پنیس قریب آگئی ہے تب وہاں سے مچھوا یعنی کشتی لے کر حضرت کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص آئے۔ حضرت سے ملاقات کے بعد عرض کی کہ خلاصیوں اور ہمارے لوگوں کے درمیان اسباب اٹھانے میں خوب تکرار ہوئی اور خوب ڈنڈے اور جوتے چلے۔ محسن خان، امام خان اور حاجی حمزہ وغیرہ کو بہت چوٹ آئی۔ جہاز کا معلم بڑا ہی مفسد آدمی ہے۔ رفعِ شر تو نہ کیا بلکہ خلاصیوں کی طرف داری ہی کرتا رہا۔ ہمارے اسباب بھی ادھر ادھر کر دیے اور کچھ جوتے بھی دریا میں ڈال دیے۔ سیدھی طرح سے بات کرنے کو تیار نہیں ہے۔

حضرت نے قصہ سنا تو سید عبدالرحمان سے فرمایا کہ کشتی پر سوار ہو کر جاؤ اور معلوم کرو کہ یہ فساد کیوں ہوا؟ پہلے اپنے لوگوں سے دریافت کرنا، اگر ان کی زیادتی ہوگی تو خوب فہمائش کرنا۔ اور اگر خلاصیوں کا قصور ہوگا تو معلم سے بتاکید پوچھنا کہ یہ دغابازی اس نے کیوں کی؟ ہم کوئی للہ فی اللہ اس کے جہاز میں سوار ہوئے ہیں کہ جیسا چاہے دھمکائے اور دبائے۔ ہم نے پورا کرایہ دیا ہے، ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔ اگر پھر اس طرح کی حرکت کی تو اس کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔

سید عبدالرحمان تحقیق کر ہی رہے تھے کہ سید عبدالرحمان ناخدا کی کشتی آگئی۔ اس کے لیے رسی جس پر بانات منڈھی ہوئی تھی خلاصیوں نے لٹکائی، وہ اس کو پکڑ کر جہاز پر چڑھا۔ اس عرصہ میں سید صاحب کی پنیس بھی جہاز کی طرف روانہ ہوگئی، جہاز سے لوگ دیکھ رہے تھے۔ سید عبدالرحمان سے لوگوں نے کہا کہ صبر کرو! سید صاحب آتے ہیں، خود آ کر معاملہ کی تحقیق کر لیں گے۔

جب پنیس قریب آئی تو ناخدا نے کہا کہ وہی رسی جس سے میں آیا ہوں، حضرت کے لیے بھی لٹکائی جائے۔ معلم نے کہا کہ دوسری موجود ہے، اس کو لٹکایا جائے۔ جس رسی کے بارے معلم کہہ رہا تھا وہ پرانی اور بوسیدہ تھی۔ ناخدا نے کہا نہیں وہی لٹکائی جائے گی۔ رسی لٹکائی گئی،

حضرت اور آپ کے ہمراہی پکڑ کر جہاز میں داخل ہوئے۔ پھر مولوی نصیر الدین اور شیخ محمد کو آپ نے رخصت کیا اور خط ان کے حوالے کیا کہ جہاں جہاں کے ہیں ان کے حوالے کر دینا۔

معاملہ کی تحقیق اور معلم کو فہمائش:

دبوسے کی چھت پر معلم نے ناخدا سے پورا قصہ بیان کیا، اور حضرت کے ہمراہیوں نے بھی پوری صورت حال عرض کی۔ اس کے بعد جب ناخدا اور حضرت کی ایک جگہ بیٹھ کر اس امر میں گفتگو کی تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ زیادتی معلم ہی کی ہے۔ حضرت کے لوگ بے قصور ہیں۔

حضرت اس پر بہت خفا ہوئے، اس کو بہت سخت سست کہا، اور تنبیہ کی اگر آئندہ ایسی حرکت کی تو تمہارے حق میں برا ہوگا۔ ہمارے لوگوں سے بے اعتنائی کے ساتھ پیش نہ آنا، اگر تم مل کر رہے تو یہ لوگ تمہاری تابع داری کریں گے اور اگر تم کسی پر دست اندازی کی تو اس کی سزا بھی تم کو دیں گے۔

حضرت کی دائی کی وفات اور تدفین:

اسی وقت کسی نے آ کر اطلاع دی کہ ''صحن بوا'' پر اس وقت نزع کی کیفیت طاری ہے، چل کر دیکھ لیں۔ صحن بوا حضرت کی دائی تھیں۔ آپ تشریف لے گئے، کوئی ایک گھڑی بیٹھے ہوں گے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ آپ باہر تشریف لائے اور ناخدا سے پوچھا کہ ان کو کہاں دفن کریں؟ اس نے عرض کی کہ یہیں دریا میں دفن کر دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم کو ابھی کنارہ نظر آ رہا ہے وہیں لے جا کر دفن کریں۔ کنارہ وہاں سے دھوئیں کی طرح ہلکا ہلکا نظر آ رہا تھا۔ ناخدا نے کہا بہتر ہے۔

جہاز سے مچھوا اتارا گیا، ان کو غسل اور کفن دے کر مچھوے پر رکھا گیا، کدال اور پھاوڑہ سمیت پچیس آدمیوں کے ہمراہ کنارے کی طرف روانہ ہوئے۔ جب کنارے پہنچے تو عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ قبر کھودی گئی، وہیں جنازے کی نماز پڑھی گئی، اور دفن کر کے مغرب کے بعد جہاز کی طرف روانہ ہوئے۔

جہاز کی روانگی:

رات کوئی ایک پہر باقی رہی ہوگی، اس وقت جہاز کا لنگر اٹھا۔ پردے چڑھا دیے گئے۔

جہاز روانہ ہوا۔ جس وقت لوگ فجر کی نماز کے لیے اٹھے، سوائے پانی کے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

جمع بین الصلاتین:

ایک پہر دن چڑھے حضرت نے مولوی یوسف صاحب کو بلا کر فرمایا کہ ہر روز صبح کو ہمارے پاس آ کر سورہ ’زخرف‘ کا پہلا رکوع پڑھا کرو۔ پھر آپس میں گفتگو ہونے لگی کہ نماز جمع کر کے پڑھا کریں، ظہر میں عصر ملا کر اور مغرب میں عشاء، حدیث کے موافق۔

حضرت نے مولانا عبدالحی صاحب سے اس کے بارے میں پوچھا۔ مولانا نے بتلایا کہ نماز جمع کر کے پڑھنا سوائے مذہب حنفی کے سب کے یہاں درست ہے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ ایسے مقام پر نماز جمع کرنی چاہئے۔ کیوں کہ کسی کو قے ہوتی ہے کسی کا سر گھومتا ہے، اگر نماز جمع نہیں کریں گے تو نماز جانے کا اندیشہ ہے۔ پھر لوگ جمع بین الصلاتین کے ساتھ نماز پڑھنے لگے۔

وضو کا انتظام:

جہاز پر ایک شخص بادل خان نام کے بڑے تنومند آدمی تھے۔ انھوں نے حضرت سے عرض کی کہ میں سب لوگوں کو وضو کرا دیا کروں گا۔ ان کا معمول تھا کہ جہاز کے کنارے کھڑے ہو جاتے اور ڈولچی سے پانی نکال کر لگنوں کو بھر دیتے۔ پھر اسی پانی سے لوگ وضو کرتے، ان کی عادت تھی کہ جب ڈولچی کھینچتے تو زور زور سے اللہ اللہ کہتے۔

کھانے کا انتظام:

ایک شخص باقر علی نامی تھے۔ انھوں نے ذمہ لیا کہ میں سب لوگوں کا کھانا پکا دیا کروں گا بس میرے ساتھ کچھ لوگ مقرر ہو جائیں جو میرا تعاون کریں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہاں خدمت کرنا عین عبادت ہے، جس بھائی کا جی چاہے وہ اس کام کو اختیار کر لے۔ پھر کچھ لوگ ان کے تعاون کے تیار ہو گئے۔

جہاز میں آگے کی طرف ایک بڑا سا دالان تھا جس میں کھانا پکایا جاتا، آدھے میں ناخدا، معلم اور خلاصیوں کا کھانا پکتا، آدھے میں قافلے کا۔ کھانا تیار ہونے کے بعد وہ اطلاع کر دیتے۔ کھانا عام طور سے دال چاول ہوتا۔ جن کے پاس برتن ہوتا وہ اپنے برتنوں میں لے جاتے اور جن کے پاس برتن نہیں تھے، ان کو لگنوں میں نکال کر کھلایا جاتا۔ روزانہ دو دیگیں چاول کی اور ایک دیگ

دال کی پکتی۔ اگر کوئی شخص دوران سر کی وجہ سے دال چاول نہیں کھاتا تو اس کو برتن بھر کے آٹا دیدیا جاتا کہ وہ اپنی روٹی پکالے۔

حضرت کا جہاز میں معمول:

حضرت کا معمول تھا کہ ہر روز صبح میں فجر کے بعد حزب البحر پڑھتے۔ جب فارغ ہوتے تو لوگ آپ کے پاس آکر بیٹھ جاتے۔ کوئی کسی آیت کا مطلب پوچھتا کوئی حدیث کا۔ سوا پہر دن چڑھے تک مجلس رہتی، اس کے بعد آپ اندر تشریف لے جاتے، کھانا اندر ہی تناول فرماتے۔ کھانے کے بعد باہر تشریف لاتے، دبوسے کے دروازے پر ایک کوٹھری تھی۔ دوپہر میں اسی میں آرام فرماتے۔ دروازے پر پہریدار کی دری بچھی رہتی۔ ظہر کے بعد آپ اسی دری پر بیٹھتے، لوگ آپ کے پاس آکر بیٹھ جاتے۔ جس کو جو سوال کرنا ہوتا، کرتا، آپ سب کا جواب مرحمت فرماتے۔

اسی معمول پر پورا سفر ہوا، درمیان میں نہ کوئی خرخشہ ہوا اور نہ کسی کو کوئی رنج پہنچا۔ کیوں کہ حضرت کی صحبت کی برکت سے دن عید اور رات شب برأت ہوا کرتی تھی۔ لوگوں کا سر بھی گھومتا قے بھی ہوتی مگر سوائے راحت وخوشی کے رنج والم کا دور دور تک ذکر نہ تھا۔

سیلان قمری:

چلتے چلتے جب جہاز سیلان قمری کے قریب پہنچا تو ناخدا نے اعلان کیا کہ اب سیلان قمری قریب آگیا ہے، وہاں ہوا بہت شدت سے چلتی ہے، موج کی تندی اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ جہاز زیروزبر ہوجاتا ہے۔ دس یا بارہ پہر جہاز کو وہاں سے گزرنے میں لگتا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ ایک یا دو دن کھانا پکا کر رکھ لیا جائے۔ کیوں کہ جہاز کی حرکت کی وجہ سے کھانا پکانا مشکل ہوجائے گا۔

یہ سن کر لوگوں کو تردد ہوا۔ حضرت سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ دریا سب اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ان شاء اللہ وہ ذات پاک ہم لوگوں کو آرام سے پار کرادے گی، اندیشہ کی کوئی بات نہیں ہے۔ کھانا وغیرہ پہلے سے پکا کر رکھنے کی ضرورت نہیں ہے، سب ٹھیک رہے گا۔

جہاز جب سیلان میں پہنچا تو اس شدت کی ہوا تھی کہ جہاز زیروزبر ہونے لگا۔ موج اس

طرح سے جہاز میں لگتی تھی گویا توپ کا گولہ ہو، مگر خدا کے فضل وکرم سے دس بارہ پہر میں اس کی حد پار ہوگئی، اور لوگوں کو کچھ بہت زیادہ احساس نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی تکلیف ہوئی، جو اور جہاز والوں کو ہوا کرتی تھی۔ یہ محض حضرت کی برکت تھی۔

جب سیلان سے جہاز باہر ہوا تو خلاصی گلے میں ڈھول لٹکائے ہاتھوں میں تھالی لے کر گاتے بجاتے ہر کسی کے پاس آئے۔ ان کا پرانا معمول ہے کہ جب سیلان قمری عبور کر جاتے ہیں تو خوشی مناتے ہیں۔ کچھ ناخدا نے بطور انعام کے دیا۔ حضرت نے بھی کچھ عنایت فرمایا اور دوسرے لوگوں نے بھی کچھ دیا۔ پھر انھوں نے جمع کر کے آپس میں تقسیم کر لیا۔

قلعہ لنکا/قلعۃ العفاریت:

پھر پانچ چھ دن کے بعد ناخدا نے اعلان کیا کہ اب کوئی دو تین دن میں قطب جنوبی اور قلعہ لنکا بھی نظر آنے لگے گا۔ قلعہ لنکا کو عرب قلعۃ العفاریت کہتے ہیں۔ اعلان کے چار پانچ دن کے بعد جہاز قلعہ لنکا کے برابر سے نکلا۔ اس کے دوسرے دن مغرب کے وقت قطب جنوبی دکھائی دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان اور دریا کے درمیان ایک شعلہ روشن ہے۔

اس کے کئی روز کے بعد ناخدا نے اعلان کیا کہ کوئی دو چار روز کے بعد سراندیپ کا پہاڑ جس پر حضرت آدم علیہ السلام کے قدم مبارک کا نشان ہے، نظر آئے گا۔ اس کو سن کر لوگ بہت خوش ہوئے۔

مشتاقانِ دید:

سراندیپ کے پاس سے گزرے کچھ چار پانچ روز ہوئے تھے کہ ایک دن لوگوں نے دیکھا کہ ایک ہوڑی یعنی چھوٹی کشتی جس پر بادبان چڑھا ہوا ہے، کھڑی ہے۔ اس پر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ پھر وہ کشتی جہاز کے قریب آئی تو ان لوگوں نے آواز دی کہ رسا پھینکو۔ رسا پھینکا گیا، کشتی سے جہاز پر آئے، پوچھا سید صاحب کہاں ہیں؟ لوگوں نے بتلایا، حذمت میں حاضر ہوئے سلام مصافحہ ہوا۔ ان لوگوں نے بتلایا کہ آپ کے چند جہاز کچھ دنوں پہلے اسی راستے سے گزرے ہیں۔ ان لوگوں نے بندر الفی (الپی) کے کنارے لنگر کیا تھا۔ ہم لوگ ان سے ملے اور آپ کے اوصاف سنے۔ ہم کو آپ سے ملاقات کا بہت اشتیاق ہوا۔ 'دوسل' ناخدا نے ہم لوگوں سے کہا کہ

کشتی پر سوار ہوکر جہاز کے راستے میں کھڑے ہو جاؤ، جب وہ جہاز ملے اور حضرت سے ملاقات ہو تو عرض کر دینا کہ حضرت! ہمارے ناخدا آپ کے دیدار کا کمال اشتیاق رکھتے ہیں، آپ ضرور تشریف لے چلیں۔ ہم لوگ پانچ دن سے محض ملاقات اور یہ پیغام پہنچانے کے لیے آپ کے منتظر تھے۔

آپ نے فرمایا کہ بہتر ہے، ہم کل چلیں گے۔ پھر آپ نے ان کے لیے روٹی پکوائی، اور کھلا کر رخصت کیا، ساتھ میں سید عبدالرحمان کو بھی کر دیا۔

تہذیب سے عاری قوم:

دوسرے دن صبح میں حضرت مچھوے پر سوار ہوکر دوسل ناخدا کے یہاں گئے، آپ کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ وہاں کے لوگوں کا دستور تھا کہ ہندو و غیر شادی شدہ عورتیں ننگی رہتی تھیں محض ایک لنگوٹ باندھتی تھیں، اور مسلمان عورتیں گھٹنوں تک تہبند اور لمبی آستین کے کرتے پہنتی تھیں۔ سید عبدالرحمان کہتے ہیں کہ ایک بڈھی ننگی عورت فقط لنگوٹ باندھے دور سے آتی ہوئی نظر آئی، میں نے سوچا کہ پاگل ہوگی اس لیے اس ہیئت میں ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک جوان عورت بھی اسی ہیئت میں نظر آئی۔ بہت تعجب ہوا، لوگوں سے پوچھا کہ یہ دونوں عورتیں جو صرف لنگوٹ میں ہیں، پاگل ہیں کیا؟ معلوم ہوا کہ یہاں کی تہذیب ہی ایسی ہے، عورتوں کا ٹھٹھ کا ٹھٹھ اسی حالت میں رہتا ہے۔

حضرت کو جب اس کا علم ہوا تو آپ کی طبیعت بہت گھبرائی۔ آپ وہاں سے نکل جانا چاہتے تھے مگر ناخدا کے اصرار پر دو دن رکے۔ اس مدت میں بہت سے لوگوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اس ناخدا کے اہل و عیال نے بھی بیعت کی، اور ایک چوبیں ٹنکی پانی بھرنے کی حضرت کے نذر کی۔

بوقتِ رخصت:

وہاں سے رخصت کے وقت آپ نے اپنے لوگوں سے کہا کہ یہاں کی عورتیں بے ستر ہیں۔ تم لوگ ہمارے اردگرد ہو جاؤ تا کہ نگاہ محفوظ رہے۔ مگر وہاں کے لوگ آپ کے دیدار کے لیے جمع ہو گئے۔ ہر چند ہٹانے کی کوشش کی جاتی مگر کچھ سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ حضرت نے جب یہ

صورت حال دیکھی تو وہاں سے دوڑ پڑے، دریا کے کنارے مچھوا لگا ہوا تھا، اس پر سوار ہو کر جہاز میں پہنچ گئے۔

گلی کوٹ بندرگاہ:

وہاں سے جہاز روانہ ہوا، اور دوسرے دن گلی کوٹ بندرگاہ پر جا لگا۔ لوگوں نے بتلایا کہ یہاں دریا کی مچھلیاں بہت لذیذ اور بے بساند ہوتی ہیں۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا کہ دیگیں بھی لیتے چلو، شاید مچھلی پکانی پڑے۔

جہاز سے اتر کر شہر میں گئے۔ شہر میں ایک پختہ تالاب تھا، اس کے بیچ میں ایک بڑی کشادہ چار منزلہ مسجد تھی، اس میں اترے۔ ایک ریال میں تین مچھلی خریدی گئیں، اور صرف وہی پکیں اور کھائی گئیں۔ مچھلیاں روہو کے مشابہ تھیں، پانچ پانچ چھ چھ سیر کی تھیں۔ ناریل کے تیل میں پکائی گئیں، بہت مزے کی ہوئی تھیں۔ وہاں بھی پچیس تیس آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

امینے بندرگاہ:

دوسرے دن جہاز پر آئے اور روانہ ہوئے۔ کچھ دن کے بعد امینے بندرگاہ پہنچے۔ جہاز کا لنگر ہوا، لنگر دیکھنے کے لیے غواص نے غوطہ لگایا۔ پھر کچھ دیر کے بعد واپس آیا تو ایک چیز نو دس سیر کی اپنے ساتھ لایا۔ رسی سے باندھ کر اسے جہاز میں لایا گیا، اور اسے خلاصیوں نے خوب دھلا تو اس میں سوراخ سے نظر آنے لگے۔ مولوی محمد علی صاحب نے کہا کہ یہ ’’بیخ مرجان‘‘ ہے، اور یہ بہت قیمتی چیز ہے۔ غواص نے بتلایا کہ اس جگہ اس کی کھان ہے۔

امینے جزیرہ:

مچھوے پر سوار ہو کر حضرت امینے آئے۔ یہ ایک مختصر سا جزیرہ ہے، اس جزیرہ میں ایک نہایت شیریں چشمہ تھا، اس کے کنارے مسجد بھی تھی۔ وہیں سے ناخدا نے تمام پیپوں میں پینے کا پانی بھروا دیا۔ وہاں ہزاروں درخت ناریل، کھجور اور کیلے کے تھے۔ وہاں کے رہنے والوں کی گذر اوقات انہیں پر ہوتی تھی، یہاں کے لوگ ملباری زبان بولتے تھے۔

وہاں سے رخصت ہوئے تو جہاز کا رخ بڑے دریا کی طرف تھا۔ چلتے چلتے ایک جزیرہ ’’عقیدی‘‘ ملا، اس سے آگے نکل گئے لنگر نہیں ہوا۔ بڑے دریا میں پہنچے تو خدا کے فضل سے ہوا

موافق چل رہی تھی۔ جہاز بہت اچھی رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا۔ تمام لوگ جناب باری تعالی میں شکرگزاری کرنے لگے۔ حضرت بھی اکثر آیات شکریہ قرآن مجید سے پڑھا کرتے تھے۔

مچھلیوں کا کھیت:

چلتے چلتے ایک روز ناخدا نے کہا کہ ہم لوگ مچھلیوں کے کھیت سے گزر رہے ہیں۔ یہ سن کر لوگ جہاز سے دیکھنے لگے۔ لاکھوں مچھلیاں آگے پیچھے قطار باندھے چلی جارہی تھیں، کوئی کوئی تو دس یا پندرہ من کی تھی۔ قریب تین دن تک مچھلیوں کے کھیت میں جہاز چلتا رہا۔

ایک جگہ ایسا معلوم ہوا کہ چڑیوں کا غول اڑا جارہا ہے۔ لوگوں کو بہت حیرت ہوئی کہ کنارہ کوسوں دور ہے، یہ چڑیاں کہاں سے دریا میں آگئیں؟ ناخدا نے بتلایا کہ یہ چڑیا نہیں مچھلی ہیں۔ یہ دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک آدھ سیر کی اور دوسری کوئی آدھ پاؤ کی۔ جب جہاز قریب پہنچا تو جہاز کے اوپر سے نکلنے لگیں۔ ایک مستول (جہاز کے ستون) میں اٹک کر جہاز میں گر پڑی، دیکھا تو حقیقت میں مچھلی ہی تھی، کوئی آدھ پاؤ کی رہی ہوگی۔

مچھلی کا شکار:

سید عبدالرحمان کہتے ہیں کہ میرا معمول تھا کہ ہمیشہ دبوسے کی چھت پر بیٹھا کرتا تھا۔ ایک روز کیا دیکھتا ہوں کہ آٹھ نو من کی ایک مچھلی جہاز کے نیچے چلی آرہی ہے۔ ناخدا سے کہا تو وہ پکڑنے کی تدبیر کرنے لگا۔ ایک مرغ ذبح کر کے اس کو شست میں لگایا اور مچھلی کی طرف اچھال دیا، دو روز تک وہ مرغ شست میں لگا رہا، مچھلی نے کھایا نہیں۔ مچھلی جہاز کے متوازی چل رہی تھی۔ تیسرے دن اس نے مرغ کو نگل لیا اور وہاں سے بھاگی۔ رسی چرخی پر لپٹی تھی، کوئی پچاس ساٹھ ہاتھ بھاگی ہوگی کہ اچانک ٹھہر گئی۔ خلاصیوں نے اس کو کھینچنا اور ڈھیل دینا شروع کیا، جب وہ تھک گئی تو کھینچ کر جہاز کے قریب کیا۔ ایک خلاصی نے اتر کر اس کے منہ میں رسی باندھ دی، پھر لوگ اسے کھینچ کر جہاز کے دبوسے پر لے آئے۔ اس وقت وہ بہت زور میں تھی، ناخدا نے تھوڑا سا میٹھا پانی اس کے منہ میں ڈال دیا۔ پانی جب اس کے پیٹ میں پہنچا تو زور سے تھرتھرائی اور مرگئی۔ ناخدا نے کاٹ کر اس کو تقسیم کیا، تیرہ پسہری گوشت تو ہم لوگوں کو دیا۔

عدن پہاڑی:

کچھ دنوں کے بعد ہوا چلنی موقوف ہوگئی، جہاز کی رفتار آہستہ ہوگئی۔ کسی دن چودہ کوس چلتا اور کسی دن پندرہ کوس۔ چلتے چلتے عدن کا پہاڑ دکھلائی دیا، اس کو دیکھ کر حضرت بہت خوش ہوئے اور جناب باری تعالی میں دعا کرنے لگے اور فرمایا کہ اللہ شکر ہے کہ اس نے ہم کو ملک عرب دکھلا دیا۔

ملک عدن میں:

عدن کے کنارے جہاز کا لنگر ہوا۔ آپ نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ جب ہم جہاز سے اتریں گے تو دوگانہ شکر کا پڑھیں گے۔

آپ جہاز سے اترے، دو رکعت نماز پڑھ کر عدن کو تشریف لے گئے۔ اس وقت گرمی کا یہ عالم تھا کہ دھوپ کی تپش کی وجہ سے قدم زمین پر رکھا نہ جاتا تھا، اور دریا کے کنارے سے عدن تک نہ کہیں پانی تھا اور نہ کہیں سایہ دار درخت! مارے دھوپ اور پیاس کے لوگ بے تاب ہو رہے تھے۔

دعا اور قبولیت دعا:

اس وقت آپ نے فرمایا کہ اگر دو تین اونٹ ہوتے تو ان پر سوار ہو کر چلتے۔ لوگوں نے عرض کی کہ حضرت یہاں اونٹ کہاں؟ آپ دعا کیجیے، سوائے آپ کی دعا کے اس میدان میں کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ سب لوگ سات مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھیں، اللہ فضل فرمائے گا۔ لوگوں نے پڑھنا شروع کیا، ساتویں بار تک پہنچے تھے کہ ایک شخص نے کہا کہ وہ دیکھو چار اونٹ دامنِ کوہ میں معلوم ہوتے ہیں۔ جب قریب آئے تو شتربانوں سے کہا گیا کہ اونٹ کرائے پر دیدو تو تمہارا احسان ہو۔ انھوں نے کرایہ کا تو کوئی ذکر نہیں کیا، یوں ہی کچھ لوگوں کو سوار کیا اور عدن میں اتار دیا۔

لوگ کھانے پینے کی تدبیر کرنے لگے، جب کھا پی کر فارغ ہوئے تو ان اونٹ والوں کو تلاش کرنا شروع کیا کہ ان کو کچھ مزدوری دیویں۔ ہر چند ان کو تلاشا مگر نہیں پائے۔ وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ اس ہیئت اور اس لباس کے لوگ جن کے پاس چار اونٹ ہیں اگر آپ لوگوں نے دیکھا ہو تو بتلائیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ یہاں تو نہ اس طرح کے اونٹ ہیں، اور اس ہیئت

کے اونٹ والے ہیں۔ یہاں تو فقط بار برداری کے اونٹ ہیں۔ جب حضرت سے صورت حال عرض کی گئی تو آپ نے کچھ کہا نہیں خاموش رہے۔

عدن سے روانگی:

حضرت شہر میں ایک مسجد میں اترے تھے، جو کسی سوداگر کی بنوائی ہوئی تھی۔ وہاں پر کئی دنبے منگوائے اور ذبح کر کے پکوائے۔ رات میں اسی مسجد میں رہے۔ دوسرے روز جہاز کا لنگر اٹھا اور روانہ ہوئے۔ کوئی چھ سات روز کے بعد معلم نے کہا کہ آج چھوٹے باب سکندر میں پہنچیں گے۔ پھر رات میں جب ایک پہر باقی رہی ہوگی، ناخدا نے آ کر حضرت کو جگایا اور عرض کی کہ حضرت ہم لوگ باب سکندر میں چل رہے ہیں، یہ دعا کا وقت ہے، آپ دعا کیجئے۔ پھر سب لوگوں کو جگایا گیا، سب لوگ دعا میں مشغول ہو گئے، خدا کے فضل و کرم سے جہاز اس سے پار ہو گیا۔

مخہ میں قیام:

اسی صبح مخہ میں جہاز کا لنگر ہوا۔ ناخدا نے کہا کہ یہاں میرا مکان ہے، ایک مہینے میں اپنے مکان پر رہوں گا، اس کے بعد یہاں سے روانہ ہوں گے۔

دوسرے دن حضرت اپنے تمام ہمراہیوں کے ساتھ جہاز سے اترے اور مخہ شہر میں تشریف لے گئے۔ ایک حویلی کرایہ پر لی، جس میں آپ کے عزیز و اقربا ٹھہرے، اس کے علاوہ جن کو جن کو ضرورت تھی سب نے ایک ایک حویلی کرایہ پر لی۔ پنج وقتہ نمازیں مخہ کی جامع مسجد میں پڑھا کرتے تھے، کیوں کہ وہ حویلی سے زیادہ قریب تھی۔

مسجد میں وضو کے لیے ایک حوض تھا، جہاں لوگ وضو بنایا کرتے تھے۔ مخہ کے لوگوں کی یہ عادت تھی کہ ننگے ہو کر نہاتے تھے۔ مسجد کے حوض میں بھی کچھ ننگے نہایا کرتے تھے۔ ایک عالم اس مسجد میں رہتے تھے، وہ بھی ننگے اس حوض میں نہایا کرتے تھے۔ جب حضرت کو اس صورت حال کی خبر دی گئی تو آپ بہت ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ اس کی کچھ تدبیر کرنی چاہئے۔

لنگی باندھ کر نہانے کا قضیہ:

ایک روز مولوی امام الدین صاحب بنگالوی کسی باغ کے حوض میں لنگی باندھے نہا رہے تھے کہ دو شخصوں نے ان کو پکڑا اور قاضی کے پاس لے گئے، اور نالش کی کہ یہ شخص تہبند باندھے نہا

رہا تھا۔ اس نے ہمارے حوض کو ناپاک کر دیا، اس کو کچھ سزا ہونی چاہئے۔ قاضی یہ سن کر ان پر بہت برہم ہوا اور اپنے مکان سے ان کو نکلوا دیا اور مولوی صاحب کو عزت کے ساتھ رخصت کیا۔

بزرگ سے ملاقات:

ایک دن ایک باخدا بزرگ، سفید ریش حضرت کی خدمت میں آئے۔ سلام ومصافحہ کے بعد ان کو بیٹھایا، بہت دیر تک معرفت کی باتیں ہوتی رہیں۔ ان بزرگ نے حضرت سے بیعت کی، اور اس کے بعد کئی بار آپ کے پاس ملنے کی غرض سے آئے۔ وہاں کے لوگوں سے معلوم ہوا کہ یہ بزرگ ولی اللہ کامل اور صاحب باطن ہیں۔ جب وہ حضرت کے پاس آتے تو آپ ان کی بہت تعظیم وتوقیر کرتے اور ان سے خلوت میں باتیں بھی ہوتیں۔

قاضی محمد شوکانی کے نام خط:

ایک روز مولوی عبدالحق صاحب نے حضرت سے عرض کی کہ قاضی محمد شوکانی شہر صنعاء کے بڑے محدث ہیں، انھوں نے ایک رسالہ میں موضوع احادیث کو جمع کر دیا ہے۔ اگر وہ رسالہ آجائے تو لوگوں کو بہت فائدہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ مولانا عبدالحی صاحب سے جا کر کہو، وہ اس کی کچھ تدبیر کریں گے۔ مولانا سے جب کہا گیا تو قاضی شہر کے پاس تشریف لے گئے، اور ان سے کہا کہ ہم آپ کو قاضی شوکانی کے نام ایک خط لکھ کر دیدیتے ہیں، آپ اسے صنعا روانہ کر دیجئے۔ جب کتاب آجاوے تو اس کو اپنے پاس رکھئے گا، جب ہم حج سے واپس ہوں گے تو ہمیں دیدیجئے گا۔ قاضی شہر بخوشی تیار ہو گئے۔ مولانا نے عربی میں خط لکھ کر ان کے حوالے کیا، جس میں شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبدالعزیز صاحب، شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب قدس اسرارہم کا تعارف، ان کے فضائل وکمالات کو بھی لکھ دیا۔

قاضی کی لاچاری:

اس کے بعد مولانا نے قاضی صاحب سے کہا کہ ”قاضی صاحب! آپ کے شہر میں ایک بڑی بے حیائی کی رسم یہ ہے کہ ہر شخص ننگا نہاتا ہے، جاہل تو جاہل بڑے بڑے عالم وفاضل تک اس حرکتِ قبیح میں مبتلا ہیں۔ عجیب معاملہ ہے، دین تو عرب سے ہندوستان میں گیا۔ ہمارے یہاں کے لوگ سند میں عرب کو پیش کرتے ہیں، اور عرب میں اس طرح کی رسمیں جاری ہیں۔ بڑے

افسوس کا مقام ہے، آپ اس کا بندوبست کیوں نہیں کرتے؟''

قاضی صاحب نے کہا کہ میں کیا کروں مجبور ہوں۔ یہ بڑے بے حیا اور بے شرم لوگ ہیں۔ ان سے جرمانہ بھی لیا گیا، اور تعزیر بھی کی گئی مگر یہ اپنی حرکت سے باز نہیں آتے۔ میں لاچار ہوگیا ہوں ان کی بے حیائی کے سامنے۔ مولانا نے کہا کہ اگر آپ سے اس کا تدارک نہیں ہوسکتا تو ہم کو اجازت دیجئے، ہم اس کا بندوبست کرلیں گے۔ انھوں نے کہا کہ اجازت ہے، آپ جو چاہیں کریں۔

برہنوں کا علاج:

مولانا نے آکر حضرت سے پوری گفتگو عرض کی، حضرت نے سید عبدالرحمان سے فرمایا کہ آٹھ دس ہٹے کٹے پہلوان قسم کے لوگوں کو لے کر مسجد میں حوض کے پاس رہو، جب کوئی ننگا نہانے آوے تو اس کو خوب مارنا کہ دوبارہ اس حرکت کی ہمت نہ کرے۔

ظہر کے وقت حوض پر کھڑے ہوکر ان لوگوں نے اعلان کردیا کہ اگر کوئی شخص ننگا ہوکر اس حوض میں نہائے گا تو اس کی خیر نہیں۔ اس دن سے مسجد کے حوض سے ننگوں نے احتراز شروع کردیا۔ اگر کبھی کوئی شخص آجاتا تو اس کا ہاتھ پکڑ کر مسجد سے نکال دیتے۔ اس کے بعد تو یہ حال ہوگیا کہ جہاں کہیں کوئی ہندوستانیوں کو دیکھ لیتا تو بھاگ کھڑا ہوتا۔ جب تک قافلہ رہا ننگے نہانے کا سلسلہ موقوف رہا۔

حدیدہ میں:

ایک مہینے مخہ میں قیام ہوا، اس کے بعد جہاز پر سوار ہوئے لنگر اٹھا اور روانہ ہوئے۔ پانچ چھ روز کے بعد حدیدہ میں لنگر ہوا۔ حدیدہ میں ایک ہندوستانی سید چند سالوں سے رہتے تھے، ان کی حضرت سے پہلے کی ملاقات تھی۔ ان کو پہلے جانے والے جہازوں سے معلوم ہوگیا تھا کہ سید صاحب آرہے ہیں۔ جب حضرت کا جہاز لنگر ہوا تو وہ جہاز میں ملنے کے لیے آئے۔ ایک ولایتی تلوار، ایک دونالی بندوق اور ایک عمدہ قیمتی سپر نذر کی، اور عرض کی کہ کل میرے یہاں آپ کی دعوت ہے، حضرت نے ان کی دعوت قبول کی۔

دوسرے دن حضرت پچاس ساٹھ آدمیوں کے ہمراہ ان کے مکان پر تشریف لے گئے،

دوپہر اور شام کا کھانا وہیں تناول فرمایا، رات بھی وہیں گزاری، صبح جہاز پر تشریف لائے۔

یلملم /میقات:

جہاز کا لنگر اٹھا، وہاں سے روانہ ہوئے۔ چوتھے روز فجر کے بعد معلم نے کہا کہ آج عصر کے وقت یلملم پہنچے گے۔ سب لوگ نہانے دھونے سے فراغت کرلیں۔

جب جہاز یلملم پہنچا تو سب لوگوں نے احرام باندھا، دو رکعت نماز پڑھی، اور سب لوگوں نے لبیک پکارا، اس کے بعد آپ نے دعا کرائی۔

جدہ:

تیسرے دن جہاز جدہ پہنچا۔ راہبر جہاز پر آیا اور جہاز کو کنارے لگوایا، دیگر جہاز کے افراد جو کہ پہلے ہی جدہ پہنچ چکے تھے، ان میں سے کچھ لوگ مکہ معظّمہ جا چکے تھے اور کچھ لوگ ابھی جدہ ہی میں تھے۔

محمود نواز خان اور سلطان حسین خان دو بھائی حیدر آباد دکن کے بڑے امیر و کبیر تھے۔ ایک سال پہلے حیدر آباد سے ہجرت کر کے مکہ میں آباد ہو گئے تھے۔ آپ کے ہمراہی جب بیت اللہ شریف پہنچے اور ان کی زبانی آپ کے فضائل و کمالات کو سنا تو ان دونوں بھائیوں کو آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق ہوا۔ محمود نواز خان تو آپ سے ملاقات کے لیے جدہ آ گئے۔ معلم محمد رئیس بھی آپ کے آنے کی خبر سن کر جدہ آ گئے تھے۔ لوگوں نے معلم کے توسط سے جدہ میں آپ کے لیے کرایہ پر مکان لے لیا تھا۔

جب آپ کا جہاز لنگر ہوا تو یہ لوگ جہاز پر آئے اور حضرت سے ملے۔ معلم نے ایک کاغذی مہر حضرت کے ماموں شاہ ابواللیث صاحب کی دکھائی اور عرض کی کہ حضرت! تمام اہل تکیہ کا طواف میرے ہی معرفت ہوا کرتا تھا۔ میں ہی آپ کا اور آپ کے تمام ہمراہیوں کا طواف کراؤں گا، آپ نے فرمایا کہ بہت اچھا۔

حضرت حوا کی قبر:

جدہ میں حضرت حوا کی قبر مشہور ہے۔ دوسرے دن آپ مزار کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ معلم محمد رئیس، مولانا اسماعیل صاحب، مولانا عبدالحی صاحب

اور حسن صباغ اور کچھ اور لوگ بھی تھے۔ آپ قبر پر تین جگہ کھڑے ہو کر کچھ پڑھا، سرہانے، پائینتانے اور بیچ میں۔ پھر معلم رئیس نے درود پڑھایا۔

فاتحہ اور درود سے فراغت کے بعد آپ نے حسن صباغ سے پوچھا کہ شہر کے لوگ ہمارے ساتھ کیوں آئے ہیں؟ انھوں نے عرض کی کہ یہ لوگ مزار کے خادم ہیں جو بھی یہاں آتا ہے ان کو کچھ دیتا ہے۔ آپ سے بھی یہ امیدوار ہیں، کچھ عنایت فرما دیجئے۔ وہ لوگ سو سے زیادہ تھے، آپ نے یکمشت رقم ان کو دیدی کہ آپس میں تقسیم کر لیں۔

میاں دین محمد کی عیادت:

جدہ پہنچنے کے بعد میاں دین محمد صاحب کی طبیعت کچھ خراب ہوگئی تھی، آپ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو وہ لیٹے ہوئے تھے۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ رضائی کا تکیہ بنا کر دیوار سے لگا کر رکھ دو اور دین محمد کو اس تکیہ کی آڑ لگا کر بٹھا دو۔ پھر آپ نے پانی طلب فرمایا، پانی حضرت کو دیا گیا تو آدھا آپ نے پیا اور بقیہ دین محمد صاحب کو دیا کہ اس کو پی لو، ان شاء اللہ جلد ہی تندرست ہو جاؤ گے۔

حضرت کا ارادہ:

آپ نے مولانا اسماعیل صاحب سے فرمایا کہ کل ہم دین محمد کو مکہ شریف روانہ کریں گے، اور پرسوں ہم خود بھی مکہ کے لیے کوچ کریں گے۔ آپ یہیں ٹھہر کر محصول کا فیصلہ کر کے ایک دو روز میں آجایئے گا۔ مولانا نے عرض کی کہ حضرت میرا ارادہ تھا کہ آپ کے ساتھ چل کر احرام اتاروں، مگر اب آپ نے جو فرمایا وہ مجھے بسر وچشم قبول ہے۔

دوسرے دن آپ نے میاں دین محمد کو مکہ شریف کے لیے روانہ کر دیا۔ قافلہ کے بیشتر افراد کو انھیں کے ساتھ کر دیا، اور پچاس اونٹ چاول سے لدے ہوئے بھی ان کے ساتھ تھے۔ معلم رئیس نے چار معلم راستے کی راہنمائی کے لیے ان کے ساتھ لگا دیے۔

حضرت کی جدہ سے مکہ کے لیے روانگی:

میاں دین محمد کے جانے کے بعد تین دن آپ جدہ میں رہے، اس کے بعد معلم کے توسط سے اونٹ وغیرہ باربرداری اور سواری کے لیے کرایہ پر لیے، اور شبریاں اور شغدف بھی

خریدی گئیں۔ شبری گہوارے کے مانند ہوتی ہے اور شغدف بہت کشادہ دو طرفہ شبری کے برابر ہوتا ہے۔ آدمی چاہے تو بخوبی اس میں پیر پھیلا کر سو رہے۔

عصر کے بعد یہ سب سامان درست کر کے اسباب لادا گیا، اور روانہ ہوئے۔ پوری رات چلے، صبح میں حدیدہ میں قیام کیا۔ عصر کی نماز کے بعد وہاں سے کوچ ہوا تو پوری رات چلنے کے بعد صبح میں کوئی ایک پہر دن چڑھے مکہ معظّمہ سے چار کوس پہلے چند لوگ جو آپ سے پہلے مکہ آ چکے تھے، اور آپ کے استقبال کے لیے آئے ہوئے تھے، ملے۔ وہ لوگ اپنے ساتھ آبِ زمزم لے کر آئے تھے، سب کو پلایا۔

جب ذی اطوار پہنچے تو وہاں حضرت نے اور قافلہ کے تمام لوگوں نے غسل کیا۔ پھر آپ نے سید زین العابدین صاحب اور کچھ لوگوں کو زنانی سواری کے ساتھ آگے روانہ کر دیا۔ معلم رئیس نے بتلایا کہ مکہ جانے کے دو راستے ہیں، ایک اسفل مکہ اور ایک اعلیٰ مکہ۔ آپ نے مولانا عبدالحی صاحب سے پوچھا کہ اب ہم کس راستے سے جاویں؟ مولانا نے عرض کی کہ حضرت نبی کریم ﷺ تو اعلیٰ مکہ کی راہ سے تشریف لے گئے تھے، آپ نے فرمایا کہ ہم بھی اسی راستے سے چلیں گے۔

تھوڑی دیر کے بعد آپ روانہ ہوئے۔ آگے ایک گھاٹی حجون نامی پڑتی ہے اس پر حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کا مزار پرانوار ہے۔ جب آپ وہاں پہنچے تو تھوڑی دیر ٹھہرے اور دعا کی، اس کے آگے ایک چھوٹا سا تالاب ملا، وہاں بھی آپ نے دعا کی۔ دھوپ کی شدت اس وقت بہت بڑھ چکی تھی، لوگوں نے اپنے اپنے احرام کھول کر پیروں تلے رکھ لیے تھے۔

حرم میں داخلہ اور عمرہ کی ادائیگی:

وہاں سے آگے بڑھے تو حرم شریف کا مینارہ دکھائی دیا، اس کو دیکھنا تھا کہ پورا قافلہ زار و قطار رونے لگا۔ آپ نے وہیں تھوڑی دیر رک کر دعا کی اور باب السلام سے حرم شریف میں داخل ہوئے۔ طواف کیا، مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کی، پھر دیر تک دعا کی۔ اس کے بعد زمزم کے کنویں پر پہنچے، وہاں بہت سے سقے مشکیں اور ڈول بھرے کھڑے تھے۔ انھوں نے سب پر زمزم ڈالنا شروع کیا، یہاں تک کہ سب کو نہلا دیا۔ پھر حضرت تمام ہمراہیوں کے ساتھ سعی کے لیے صفا و

مروہ پر تشریف لے گئے۔ سعی سے فراغت کے بعد حلق کرایا، اس کے بعد جو حویلی میاں دین محمد نے حضرت کے لیے کرایہ پر باب عمرہ کے پاس لی تھی، اس میں تشریف لائے۔

شیخ عبد اللطیف مرزاپوری جو کہ حضرت کے ساتھ آئے تھے مگر دوسرے جہاز پر تھے، اس لیے حضرت سے پہلے حرم آ گئے تھے، انھوں نے پہلے سے انتظام کر رکھا تھا۔ اس دن پورے قافلے کی دعوت کی۔

حضرت ۲۹/ یا ۳۰/ شعبان کو حرم شریف پہنچے تھے۔ دوسرے دن رمضان شریف کا چاند نظر آ گیا، اور رمضان کی بابرکت ساعتیں شروع ہو گئیں۔

رمضان شریف میں کھانے پینے کے انتظامات:

جو چاول کلکتہ سے لے کر آئے تھے وہ بیماروں کے لیے رکھ لیا گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ آٹے کا انتظام کرو، صلاح ٹھہری کے آٹے کی چکی سے آٹا خریدا جاوے تاکہ وافر مقدار میں مل سکے۔ گوشت اور آٹے وغیرہ کا تخمینہ لگایا کہ تقریباً تیس ریال کا روزانہ گوشت اور آٹا خریدا جائے۔

آٹے کی خریداری کے لیے قاضی احمد اللہ اور میاں دین محمد کو متعین کیا گیا اور گوشت کے لیے عبد اللہ نو مسلم کو۔ تین دن تو چودہ دنبے ذبح ہوئے اور گوشت پکا۔ پھر چوتھے روز سے کبھی دس کبھی گیارہ اور کبھی نو دنبے خریدے جاتے۔ چند روز گوشت برکے پر پکا، اس کے بعد ایک مکان باب العمرہ کے پاس ۳۶/ ریال میں کرایہ پر لے لیا گیا، پھر اس میں کھانا پکنے لگا۔

سامانوں کے خریداری کی تفصیل یہ ہے کہ چھ ریال میں کبھی دس، کبھی گیارہ اور کبھی نو دنبے مول لیے جاتے۔ اور کم وبیش تین ریال کی لکڑی ہوتی۔ ایک ریال میں نمک مصالحہ، اور تیس ریال کا آٹا گیارہ کیل۔ (کیل ایک پیمانہ ہے اس میں پونے دو سیر آٹا سماتا ہے)

ابتدا میں سامان تیس ریال کا خریدا جاتا تھا، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اب پچیس ریال میں اسباب خریدا کرو، اور جس کو جتنا ملتا ہے اتنا ہی سب کو دیا کرو۔ یہ سن کر لوگ حیران ہوئے کہ ایسا کیوں کر ہوسکتا ہے؟ مگر حضرت کا حکم تھا، ایسا ہی کیا جانے لگا۔ کھانا پکتا اور تقسیم ہوتا، سب کو اتنا ہی ملتا جتنا پہلے سے ملتا آیا ہے۔ شکایت تو دور کی بات، کسی کو اندازہ تک نہیں ہوا کہ اسباب کی خریداری میں کوئی کمی کی گئی ہے۔

سر، کلیجی اور اوجھڑی الگ پکتی تھی۔ سحری کے وقت یہ چیزیں آپ کے سامنے رکھ دی جاتیں، آپ جس کو دینے کے لیے کہتے اس کو دیدیا جاتا۔ کھانا خدا بخش بنارسی اور مرزا محمد بیگ غازی پوری پکایا کرتے تھے۔

معمولات اور تراویح کا انتظام:

رمضان شریف میں حضرت کا معمول تھا کہ دن میں عصر کے وقت مکہ کے لوگوں کا ہجوم آپ کے پاس رہتا، جس میں مکہ کے بڑے بڑے عالم وفاضل بزرگ اور مشائخ بھی ہوتے تھے، عصر کی اذان کے بعد نماز کے لیے حرم شریف میں تشریف لے جاتے۔ عصر سے مغرب تک حرم میں تشریف رکھتے، وہاں بھی لوگوں کا مجمع آپ کے ارد گرد ہوتا۔ افطار حرم ہی میں کرتے۔ مغرب کی نماز کے بعد طواف کرتے، اس کے بعد عشا سے قبل مکان پر تشریف لاتے۔

حرم میں تراویح کا معاملہ یہ تھا کہ جابجا حفاظ اپنی اپنی جماعت سے تراویح پڑھتے۔ ان کی قرأت اور لوگوں کی تسبیح وتہلیل سے اچھا خاصا شور برپا ہوجاتا تھا، اور پھر حفاظ کی قراتوں میں التباس ہوجاتا تھا۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کون کیا پڑھ رہا ہے؟ یہ صورت حال دیکھ کر آپ نے مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا اسماعیل صاحب سے فرمایا کہ حرم میں سب کے ساتھ تراویح پڑھنے میں لطف نہیں آتا۔ مقصد قرآن شریف سننا ہے مگر یہاں شور وغل کی وجہ سے کچھ سمجھ نہیں آتا۔ اس کی کوئی تدبیر بتاؤ کہ قرآن شریف اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ سننے میں آوے۔

انھوں نے آپس میں مشورہ کرکے عرض کی کہ ہمارے سمجھ میں یہ آتا ہے کہ جب تک لوگ حرم شریف میں تراویح پڑھیں، تب تک آپ لوگوں کا قرآن سنتے رہیں۔ جب لوگ پڑھ کر اپنے گھروں کو روانہ ہوجائیں اس وقت آپ اپنی جماعت قائم کریں اور قرآن سنیں۔

یہ صلاح حضرت کو بہت پسند آئی، اسی پر عمل کیا جانے لگا کہ جب تک تراویح ہوتی آپ ہر حافظ کے پیچھے کھڑے ہوکر تھوڑی دیر سنتے۔ جب لوگ فارغ ہوکر چلے جاتے تو مطاف میں جماعت ہوتی اور سید محمد صاحب قرآن سناتے۔ روزآنہ دوپارے پڑھے جاتے تھے۔

جماعت سے فراغت کے بعد عمرے کے لیے جاتے۔ حضرت کے لیے ایک سواری یعنی گدھا پانچ قرس دے کر کرایہ پر لے لیا جاتا۔ حضرت اس پر سوار ہوتے اور دیگر لوگ آپ کے

ہمراہ پیدل مسجد تنعیم تک جاتے۔ وہاں سے احرام باندھ کر آتے اور عمرہ ادا کرتے۔ فجر کی نماز حرم شریف میں ادا کرتے۔ اگر کسی دن کسی وجہ سے تاخیر ہو جاتی اور رات کم باقی رہتی تو طواف کے بعد سحری کھاتے اس کے بعد سعی کرتے ورنہ معمول یہ تھا کہ طواف وسعی اور حلق کے بعد سحری کھاتے۔

فجر کی نماز کے بعد پھر طواف کرتے اور نماز اشراق ادا کر کے مکان آتے اور سو رہتے۔ زوال کے قریب مذکر میناروں پر چڑھ کر جب تذکیر کہتا، اس وقت بیدار ہوتے۔ حوائج ضروریہ اور وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر حرم شریف میں تشریف لاتے اور نفلیں پڑھتے۔

نماز کی صورت حال:

حرم شریف میں جماعت کی یہ صورت تھی کہ سارے مسالک کے مصلے الگ تھے۔ اور سب کی جماعتیں الگ ہوا کرتی تھیں۔ فجر کی نماز سب سے پہلے شافعی مصلے پر ہوتی، اور سب سے پیچھے حنفی مصلے پر ہوتی۔ اس کے علاوہ ساری نمازیں سب سے پہلے حنفی مصلے پر ہوتیں۔

جب اذان ہوتی تو حنفی مصلے کا امام اور مقتدی سب سنتوں میں مشغول ہو جاتے۔ جب امام سنت سے فارغ ہوتا تو موذن اقامت کہتا، امام کی تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز شروع ہو جاتی۔ نماز پڑھانے کی صورت یہ ہے کہ جہاں امام کھڑا ہوتا وہاں دوہرا دالان مثل بارہ دری کے ہے۔ اس کی چھت میں جالی لگی ہوئی ہے، اس کے نیچے امام کھڑا ہوتا۔ دو مکبر امام کے پیچھے جالی کے قریب کھڑے ہوتے۔ جب امام تکبیر کہتا یہ دونوں بھی بلند آواز سے خوش الحانی کے ساتھ تکبیر کہتے کہ سارے مقتدی سن لیتے۔

حرم میں قبل فجر کے معمولات/حرم کی رات:

روزانہ رات میں تین پہر سے قبل ساتوں میناروں پر حرم شریف کے موذن چڑھ جاتے اور کچھ آیتیں اور فضائل تہجد کی احادیث بلند آواز سے خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے۔ ان آیتوں میں سے ایک آیت یہ بھی ہے۔ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا

ان کی آواز سن کر جبل ابوقبیس کا مذکر وہی آیتیں اور احادیث بلند آواز سے دہراتا۔ اس

کی آواز سن کر ہر محلے اور گلی کوچے کے مذکر وہی آیتیں اور حدیثیں پڑھتے پھرتے۔ جب تین پہر بجتا تو موذن تہجد کی اذان کہہ کر میناروں سے اترتے، پھر لوگ اپنے اپنے گھروں سے آ کر حرم شریف میں تہجد کی نماز ادا کرتے۔

شیخ الموذن بئر زمزم کے پاس والے بنگلے میں رہتے تھے، ان کے پاس گھڑیاں اور وقت جاننے کے آلات رکھے رہتے تھے، اور ایک پہیہ دار سیڑھی جو کعبہ شریف میں داخل ہونے وقت لگائی جاتی تھی، وہیں بنگلہ تلے رکھی رہتی تھی۔ اس پر شافعی مصلی کے ایک موذن بیٹھے رہتے تھے۔ جب ایک یا دو بجتے تو شیخ الموذن اپنے بنگلہ سے منہ نکال کر سیڑھی پر بیٹھے مکبر سے مخاطب ہو کر آہستہ آواز میں یہ پڑھتے "یا ارحم الراحمین ارحمنا یا الله "۔ اس کے بعد وہ اسی الفاظ کو بلند آواز سے دہراتے جس کو جبل ابوقبیس کا مکبر سن کر دہراتا۔ اس کے بعد محلے کے مذکر کوچہ بکوچہ اسی کو دوہراتے پھرتے۔ اس کے بعد شیخ الموذن چار رکعت نفل ادا کرتے۔ نفل کے بعد نعت پڑھی جاتی، جس کو اسی ترتیب سے سارے مکبرین ومذکرین دہراتے۔ نعت کے بعد چاروں خلفا کے نام اسی ترتیب سے لیے جاتے اور منقبت بیان کی جاتی۔ اگر رمضان کا مہینہ ہوتا تو خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام سنتے ہی لوگ کھانے پینے سے ہاتھ کھینچ لیتے۔ پانی کی سبیلیں موقوف کر دی جاتیں، دوکان دار دوکان بند کر کے حرم شریف میں آ جاتے، بازار میں اندھیرا ہو جاتا۔

حرم شریف کے میدان میں دو گنبد ہیں، دونوں حنبلی مصلی کی پشت پر ہیں۔ ایک تو کتب خانہ ہے، اور دوسرے میں روشنی وغیرہ کا سامان رکھا جاتا ہے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام پکارا جاتا تو جلتی ہوئی شمعیں لے کر اسی کمرے سے کچھ لوگ نکلتے اور چاروں مصلوں پر دو دو شمعیں رکھ دی جاتیں، اور ایک ایک شمع کعبہ شریف کے کونوں میں، اور دو حطیم میں لا کر رکھ دیتے۔ شمع کی بتیاں بہت موٹی اور لانبی قریب ڈیڑھ ہاتھ کی ہوتی ہیں۔

جب یہ سلسلہ مکمل ہوتا تو پھر مینارے والا موذن بلند آواز سے ان آیتوں کو پڑھتا۔

اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ یَکُنْ لَهٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَهٗ وَلِیٌّ مِنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْهُ تَکْبِیْرًا

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

اس کے بعد فجر کی اذان ہوتی اور لوگ سنتوں میں مشغول ہو جاتے۔ سنت سے فراعت کے بعد ایک شخص بلند آواز سے درود شریف پڑھتا، اس کو سن کر شافعی مصلے کے امام باب السلام سے چلتے، جب قریب پہنچتے تو اقامت کہی جاتی اور نماز شروع ہو جاتی۔

نماز میں چھوٹی سورہ، جیسے سورہ ’القدر‘، ’قریش‘، ’الکافرون‘، ’الکوثر‘ وغیرہ عام طور سے پڑھتے جمعہ کے دن سورہ ’الم سجدہ‘ اور سورہ ’دہر‘ پڑھتے۔

عید کا دن:

عید کے دن فجر کی نماز کے بعد لوگ حرم شریف میں جمع ہوئے، مذکرین میناروں پر چڑھ کر تذکیر کہنے لگے۔ جب اشراق کا وقت ہوا تو امام نے عید کی نماز پڑھائی اور لوگ اپنے گھروں کو گئے۔

کچھ دن چڑھے شہر کے بیشتر معززین حضرت سے ملاقات کے لیے آئے۔ شیخ عبداللطیف سوداگر مرزاپوری نے حضرت کو پانچ ریال ہدیہ کیا۔ شیخ ابن عمر عبدالرسول بھی وہیں تشریف رکھتے تھے۔ یہ حنفی مذہب کے بڑے عالم اور عارف آدمی ہیں، زبان خلق کے مطابق اس وقت پورے مکہ میں ان سے بڑا کوئی عالم نہیں تھا، ان کو بھی بطور نذر کچھ پیش کرنا چاہا مگر انھوں نے انکار کر دیا۔

سلطان روم کے یہاں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ ایک بار سلطان روم نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ ایک حج ہماری طرف سے کر لیجئے، اور ساتھ میں ایک خچر لاد کر اشرفی بھی بھیجی۔ انھوں نے ساری اشرفی للہ فی اللہ غریب محتاجوں میں تقسیم کر دیں۔

حضرت نے ان کو ایک کرتہ اور عمامہ عطا فرمایا اور خلافت نامہ دے کر اپنا خلیفہ بھی بنایا۔

حفاظ کا قافلہ:

ایک دن سید عبدالرحمان صاحب، سید محمد یعقوب صاحب اور قاضی عبدالستار صاحب

گھومتے ہوئے باب الصفا کی طرف نکل گئے، جہاں مغرب کا ایک قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ دیکھا کہ اس قافلہ کا ایک شخص فقہ کی ایک بڑی کتاب یاد کر رہا ہے۔ قاضی صاحب نے اس سے کہا کہ اگر یہ محنت تم قرآن شریف کے یاد کرنے میں کرتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ قاضی صاحب کی بات سن کر وہ حفا ہوگیا، کہنے لگا کہ کیا میں مسلمان نہیں ہوں؟ جو مجھ کو قرآن یاد نہ ہو۔ ایسا بھی کوئی مسلمان ہوگا جس کو قرآن حفظ نہ ہو؟ قاضی صاحب نے پوچھا کہ کیا تمہارے اس قافلے میں سب کو قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا ہاں کیوں نہیں؟ سب کو یاد ہے۔ اس قافلے میں قریب چھ سو مرد و عورت تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ سب کو قرآن یاد ہے، بلکہ دس برس کے لڑکے اور لڑکیوں تک کو یاد ہے۔

غلط فہمی:

مکہ معظّمہ میں باب العمرہ کے پاس ایک رباط تھی جس میں سید قدرت اللہ دکھنی رہتے تھے۔ اسی سے متصل ایک حویلی میں حضرت فروکش تھے۔ سید قدرت اللہ کو جب حضرت کے بارے میں معلوم ہوا تو مزید تفتیش کے لیے یہ سوچ کر اخون محمد خان کے پاس گئے، جو کہ شاہ غلام علی کے خلیفہ تھے، یہ بھی دہلی کے ہیں، ان کو سید صاحب کے بارے میں بخوبی علم ہوگا۔

اخون محمد صاحب نے اپنی بازار گرم رکھنے کے لیے سید صاحب کی خوب برائی بیان کی، اتنی بیان کی کہ ان کا سارا اعتقاد ختم ہوگیا۔

سید صاحب کے لوگوں کا کمال:

سید قدرت اللہ سے حرم میں حضرت کے لوگوں کا سامنا ہوتا اور یہ لوگ سلام کرتے تو جواب دے کر منہ پھیر لیتے۔ وضوخانے پر جب یہ لوگ وضو کے لیے بیٹھتے تو پیچھے سے چھیڑتے کہ جلدی کرو، صرف تمہیں لوگ وضو کرنے والے نہیں ہو اور بہت سے لوگ بھی ہیں۔ رباط میں نیچے تین چار حجرے اور دو تین بیت الخلا تھے، اوپر بھی تین چار کمرے تھے جن پر سید قدرت اللہ کا قبضہ تھا جب سید صاحب کے لوگ بیت الخلا میں قضائے حاجت کے لیے جاتے اور یہ دیکھ لیتے تو پریشان کرنا شروع کر دیتے۔ باہر سے کھڑے ہو کر آواز لگاتے کہ جلدی سے نکلو، تمہارے اکیلے کے لیے بیت الخلا نہیں بنا ہے۔ غرض طرح طرح سے چھیڑتے رہتے، مگر سید صاحب کے لوگوں نے کبھی ان کو کوئی جواب نہیں دیا۔ سید صاحب تک بھی یہ خبر پہنچی تو آپ نے اپنے لوگوں سے فرمایا کہ

بھائیو! تم لوگ چپ رہو، اللہ اس معاملہ کو سنبھال لے گا۔

سید قدرت اللہ کا رجوع اور توبہ:

پھر مولوی امام الدین لکھنوی اور مولوی بشیر الدین اور کچھ لوگوں نے مل کر اہتمام سے ان سے ملاقات کرنی شروع کر دی۔ کبھی عقائد کے سلسلے میں گفتگو کرتے اور کبھی شرع شریف کے بارے میں گفتگو کرتے۔ اور ان سے یہ بھی کہا کہ آپ ہماری گفتگو پر نہ جایئے بلکہ ہماری چال ڈھال اور وضع قطع دیکھیے کہ شرع کے موافق ہے یا خلاف شرع؟ آپ دیکھ کر کے خود فیصلہ کیجیے۔

جو بھی گفتگو ہوتی وہ روز آنہ سید صاحب سے نقل کر دیتے کہ آج یہ بات ہوئی ہے۔ سید صاحب فرماتے کہ آپ ان کو سمجھاتے رہیں، ان شاء اللہ چند روز میں ان کی ہدایت ہو جائے گی۔

کچھ دنوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا، ایک دن سید قدرت اللہ حضرت کے پاس آئے اور مصافحہ کیا اور عرض کی کہ حضرت! مجھ سے جو خطائیں ہوئی ہیں آپ للہ فی اللہ معاف فرما دیں، میں آپ کا خطاوار ہوں۔ مولوی اسلمی صاحب کا خط مدینہ منورہ سے آتا رہتا ہے، وہ ہمیشہ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ تم ان لوگوں کے کہنے میں نہ آنا اور ان لوگوں سے نہ ملنا۔ ان کا عقیدہ بہت برا ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے لوگوں نے مجھے بہکایا۔ میں ان کے کہنے میں آ گیا، میرا قصور آپ معاف کر دیں، میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں، آپ مجھے بیعت کر لیں۔

حضرت نے فرمایا کہ یہ تم نے اچھا کیا، دین کے معاملہ میں تحقیق ضروری ہے۔ تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ آؤ بسم اللہ، بیعت کرو۔ عرض کی کہ آپ میرے واسطے دعا کریں۔ سید صاحب نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر ان کے واسطے دعا کی۔

جاوے کے تین افراد:

میاں دین محمد کے جہاز پر جاوے کے ایک عالم اور ان کے ساتھ دو طالب علم بھی تھے، جو حضرت کے دیدار و ملاقات کے مشتاق تھے۔ رمضان کے بعد حضرت سے ان کی ملاقات ہوئی۔ انھوں عرض کی کہ آپ کے کچھ خلفا جاوے میں ہیں، ہم لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت ہیں۔ اب آپ سے ملاقات ہو گئی ہے تو ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے ہاتھ پر بھی بیعت کریں اور کچھ فائدہ حاصل کریں۔ آپ نے فرمایا کہ بہت خوب چلو آؤ بیعت کرو، اللہ تم لوگوں کو فائدہ پہنچائے گا۔

بیعت کے بعد آپ نے ان سے پوچھا کہ آپ لوگ یہاں اتنے دن سے ہیں، کھانے وغیرہ کا کیا انتظام ہے؟ ہمارے یہاں کیوں نہیں کھانا کھاتے؟ ان لوگوں نے عرض کی کہ ہمارے پاس خرچ بخوبی موجود ہے۔ ہم لوگ جب مکہ شریف آتے ہیں تو بہت آسودہ حال آتے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک ایک سلاخ کچے سونے کی، چار انگل لمبی اور وزن میں چار پانچ اشرفی کے برابر نکالی، اور حضرت کی نذر کرنی چاہی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے تمہاری نذر معاف کی، تم لوگ یہاں آئے ہو اپنے خرچ کے واسطے رکھ لو۔ اور کھانا آج سے ہمارے یہاں کھانا۔ انھوں نے جب بہت اصرار کیا کہ ہمارے پاس پندرہ بیس سلاخیں ہیں، آپ قبول فرمالیں، ہمیں خرچ کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی، تو آپ نے ان کو دعا دی اور وہ سلاخیں قبول کر لیں۔

❑❑❑

(نوٹ) یہ تمام حالات بتمام وکمال وقائع سید احمد شہید سے مرتب کیے گئے ہیں۔ وقائع میں اس کے بعد کے حالات مذکور نہیں ہیں۔ بقیہ حالات ہم سیرت سید احمد شہید (مولانا ابوالحسن علی ندوی) اور تحریک سید احمد شہید (غلام رسول مہر) سے ترتیب دے کر درج کرتے ہیں۔

ادائیگیٔ حج اور وطن واپسی

فریضۂ حج کی ادائیگی:

۸؍ذی الحجہ ۱۲۳۷ھ کو آپ نے اپنے تمام رفقا کو حطیم کے پاس جمع کیا اور طویل دعا فرمائی۔ تمام لوگوں پر رقت طاری تھی اور سب لوگ عجیب وغریب کیفیات سے شرسار تھے۔ اس کے بعد مکہ سے روانہ ہوکر منی پہنچے۔ منی میں مسجد خیف کے وسط میں آپ کا خیمہ نصب ہوا۔ رات آپ نے خیمے میں دیگر علما ورؤسائے مکہ کے ساتھ گزاری۔ صبح عرفات کے لیے روانہ ہوئے۔ ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ امام کے پیچھے ادا کی، اور اپنے خیمے میں آکر دعا ومناجات میں مشغول ہوگئے۔ عرفات کی دعاؤں میں ایک خاص دعا یہ بھی تھی کہ ”الٰہی! اس قافلہ میں سے، جس کو تو نے محض اپنے فضل وکرم سے حج کی دولت نصیب فرمائی ہے، کوئی بھی حاجی کے لقب سے مشہور نہ ہو۔“ اس دعا کا اہتمام سید صاحب نے غالبًا اس وجہ سے فرمایا کہ حج ایک رکن اور فریضہ دین ہے۔ جس طرح نماز پڑھنے والے کو نمازی، زکوٰۃ دینے والے کو زکوتی اور روزہ رکھنے والے کو صائم یا روزہ دار کے لقب سے نہیں پکارا جاتا، تو حج کرنے والے حاجی کے لقب سے کیوں مشہور ہوں؟

میدان عرفات میں پھلت کے لوگ اور دیگر رفقا نے طریقہ محمدی میں بیعت کی تجدید کی۔ غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ کی جانب کوچ ہوا۔ رات مزدلفہ میں گزار کر، نماز فجر اور وقوف مزدلفہ کے بعد منی کے لیے روانہ ہوئے۔ منی میں جمرہ عقبہ کی رمی کی اور وہیں کھڑے ہوکر دیر تک الحاح وزاری کے ساتھ دعا فرمائی۔ اس کے بعد قربانی کی گئی اور سر کے بال منڈائے گئے۔ آپ نے قربانی کے لیے سو سے زائد بکریاں خریدی تھیں۔ عصر کی نماز کے بعد رفقا کی ایک جماعت کے ساتھ مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ نہر پر غسل فرمایا، احرام اتارا اور دوسرا کپڑا زیب تن فرمایا۔ حرم

پہنچ کر طواف کیا، صفا و مروہ کی سعی کی اور منیٰ واپس تشریف لائے۔

منیٰ میں بیعت عقبہ کے مقام پر رفقائے سفر نے تبرکاً تجدید بیعت کی۔ یوم النحر کے بعد تین دن منیٰ میں قیام رہا، اور ہر روز منیٰ میں قربانی کی۔ ۱۳/ ذی الحجہ کو رمی کے بعد دعا کی اور نماز عصر کے بعد مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے۔

حج کے بعد مکہ مکرمہ کی مشغولتیں:

ماہ محرم میں آپ نے محمد سعید عرب کی حویلی کرایہ پر لی۔ مکہ مکرمہ میں سینکڑوں علما و صلحا سے ملاقاتیں ہوئیں، ان میں سے ایک صاحب سید محمد قاسم نام کے مغرب اقصیٰ کے ایسے بھی تھے جن کو پوری صحیح بخاری مع شرح قسطلانی یاد تھی۔

اس سال حج میں قاضی شوکانی بھی آئے تھے، اور شہر کے باہر ٹھہرے ہوئے تھے۔ مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا منصور الرحمان صاحب نے قاضی شوکانی سے ملاقات کی۔ انھوں نے ''اتحاف'' کا ایک ایک نسخہ ہر دو حضرات کو تحفہ میں دیا۔

شاہ اسماعیل شہید کی والدہ:

شاہ صاحب کی والدہ بھی سفر حج میں ساتھ تھیں۔ حج کے بعد سخت بیمار ہوئیں، زندگی کی امید باقی نہ رہی۔ شاہ صاحب کی خواہش تھی کہ والدہ سید صاحب سے بیعت ہو جائیں، مگر وہ یہ کہہ کر انکار کر دیتی تھیں کہ سید صاحب ہمارے خاندان کے مرید ہیں، میں ان سے بیعت نہیں کر سکتی۔

ایک مرتبہ ان کی والدہ نے خواب دیکھا کہ سورج بالکل قریب آ گیا ہے، قیامت کی گرمی ہے، خلق خدا کا پیاس کے مارے برا حال ہے، دور تک سایہ اور پانی کا نام و نشان تک نہیں، ایک جگہ سایہ نظر آیا، بے شمار لوگ اس سایہ میں ہیں، اور سب کے چہرے پر اطمینان کی کیفیت ہے۔ پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جن پر خصوصی عنایت ہو رہی ہے؟ کسی نے بتایا کہ یہ سید صاحب کے لوگ ہیں۔ جب ان کی آنکھ کھلی تو بے تکلف سید صاحب سے بیعت کے لیے تیار ہو گئیں۔ اسی بیماری میں انتقال ہوا اور جنت المعلی میں مدفون ہوئیں۔

سفر مدینہ منورہ:

اواخر محرم میں آپ نے مدینہ منورہ کا قصد فرمایا اور ۱۲۰/ اونٹ کرایہ پر لیے۔ کوچ سے قبل

آپ نے معلم، جمالوں اور دیگر لوگوں سے مشورہ کیا کہ ہتھیار لے کر چلنے چاہئیں یا یہیں چھوڑ دینا مناسب رہے گا؟ بیشتر لوگوں کی رائے یہ تھی کہ ہتھیار لے چلنا ہی قرین مصلحت ہے۔ کیوں کہ قافلہ کی دولت مندی اور خوش حالی کی دور دور شہرت ہو چکی ہے۔ اگر قزاقوں کو اس کا علم ہو گیا کہ قافلہ نہتا ہے تو ضرور چھیڑیں گے۔ اگر قافلہ مسلح رہے گا تو ان کو قافلہ کی بہادری کا بھی علم ہے، اس لیے مقابلہ کا حوصلہ نہیں کریں گے۔

آپ نے یہ مشورہ سن کر ارشاد فرمایا کہ ''ہم نے اتنا طویل سفر حرمین اور مقدس مقامات کی زیارت کے لیے کیا ہے، ہمارا مقصد لڑائی نہیں ہے۔ ہمارے لیے یہاں کے خاص و عام، شہری و دیہاتی سب واجب الاحترام ہیں۔ ان سے مقابلہ کرنا ہرگز ہمارے لیے روا نہیں ہوگا۔'' یہ کہہ کر آپ نے کمر سے چاقو کھول کر زمین پر ڈال دیا، اور فرمایا کہ اگر کوئی ہم پر حملہ کرے گا تو ہم سارا سامان اس کے حوالے کر دیں گے۔ اللہ دینے والا ہے وہ پھر ہم کو عطا کر دے گا۔ یہ سن کر تمام لوگوں نے ہتھیار کھول دیے، اور مکان کے ایک حجرے میں رکھ کر اس میں تالا لگا دیا، اور خالی ہاتھ مدینہ منورہ کے لیے چل کھڑے ہوئے۔

بدوؤں کی چھیڑ چھاڑ:

مقام رابغ میں شتر بانوں نے سہارن پور کے لوگوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اور مار پیٹ کی۔ کسی نے سید صاحب کو خبر دی کہ مولوی وحید الدین سہارن پوری پر بدوؤں نے تلوار سے حملہ کیا ہے۔ آپ نے امام خان خیر آبادی اور محسن خان بریلوی کو تحقیق کے لیے بھیجا۔ سید عبد الرحمان کہتے ہیں کہ مجھے بھی حکم ہوا کہ جا کر خبر لاؤ۔ میرے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، میں دوڑتا ہوا پہنچا کہ ایک پتھر میرے ہاتھ پر لگا، میں نے چھڑی دوسرے ہاتھ میں لے لی، تھوڑی دیر میں دوسرا پتھر دوسرے ہاتھ پر لگا، چھڑی زمین پر گر گئی۔ یہ دیکھ کر بڑے بھائی سید احمد علی دوڑے ہوئے آئے، ایک پتھر ان کو بھی لگا۔ شیخ الطاف ہماری طرف بڑھے تو ان کے سر پر پتھر لگا۔ غرض قافلہ کے اکثر لوگ زخمی ہوئے۔ خود سید صاحب کے سینہ پر بھی ایک دو پتھر لگے۔ آپ نے چونکہ قافلہ والوں کو جوابی کاروائی سے روک رکھا تھا، اس لیے اکثر اہل قافلہ زخمی ہوئے، اور بدوؤں میں سے کسی کو بھی ذرا بھی چوٹ نہیں آئی۔

جب لوگوں نے دیکھا کہ قافلہ کے اکثر لوگ زخمی ہو گئے ہیں تو انھوں نے کھجور کی ٹہنیوں سے بدوؤں پر حملہ کیا، جس سے بدوؤں کو سخت چوٹیں آئیں اور وہ بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان لوگوں نے بندوق کے فتیلے روشن کیے اور جنگ کے لیے آمادہ ہو کر آ گئے۔ سید صاحب نے حزب البحر پڑھ کر دعا کی، اور آدھے قافلے کو کوچ کا حکم دیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک دوسرا شیخ الجمالین سید صاحب کی حمایت کے لیے اپنے ماتحتوں کے ساتھ مسلح ہو کر میدان میں اتر آیا۔ اس نے کہا کہ ”میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے ہتھیار مکہ میں چھوڑ دیے ہیں، اور زیارت کے لیے یونہی خالی ہاتھ چل پڑے ہیں۔ اگر ان کے پاس ہتھیار ہوتے تو تم لوگوں کو چشم زدن میں ختم کر دیتے۔ یہ لوگ راہ خدا میں نکلے ہیں، اس لیے میں اس فی سبیل اللّٰہی گروہ کا اللہ فی اللہ مددگار رہوں۔“

دوسرا شیخ الجمالین جو پیکار کے لیے آمادہ تھا، یہ سن کر اپنے لوگوں کو سنگ باری سے منع کیا اور کہا کہ ہم لوگ اپنے اونٹ لے کر رخصت ہوتے ہیں، ہمارا اس قافلہ سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ ہم ان کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ مگر لوگوں کے سمجھانے سے یہ طے ہوا کہ دونوں فریق کے زخمی سوار ہو جائیں اور وادی صفرا میں رئیس الجمالین کے پاس پہنچ کر اس قضیہ کا فیصلہ کرا لیں۔

رئیس الجمالین کو جب پورا واقعہ سنایا گیا تو وہ بڑے اشتیاق سے ایک جماعت کے ساتھ سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شرّی شتربانوں کو برطرف کیا اور دوسرے شتربانوں کو قافلے کے ساتھ جانے کے لیے متعین کیا۔ ان نئے شتربانوں میں سے ہر ایک نیک سیرت اور نرم خو تھا، اس لیے بقیہ سفر راحت و آرام سے ہوا۔

شہدا کا مدفن:

وادی خیف سے جب قافلہ نکلا تو راستے میں ایک جگہ سید صاحب اٹھ کر بیٹھ گئے اور قافلہ کو رکوایا، اور فرمایا کہ یہ بڑی رحمت و برکت کی زمین معلوم ہوتی ہے۔ ابھی تک ہم نے عرب میں ایسی برکت والی جگہ نہیں دیکھی۔ اس کے بعد آپ نے وہاں دعا و مناجات کی، اور بدوؤں سے پوچھا کہ یہ کون سی جگہ ہے؟ انھوں نے بتلایا کہ اتنا سنا ہے کہ یہاں بہت سے شہدا دفن ہیں۔

زیارت نبوی ﷺ:

مدینہ طیبہ پہنچنے سے قبل آپ کی طبیعت سخت علیل ہوئی، بخار اور دردسر کی شکایت ہوئی۔ اسی علالت کی حالت میں آپ نے خواب میں آں حضرت ﷺ، حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کی زیارت کی۔ سب نے آپ کے سینے پر ہاتھ رکھا اور تسلی دی اور مختلف بشارتیں سنائیں۔

مدینہ طیبہ میں داخلہ:

قافلہ ذوالحلیفہ سے چل کر ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں سے روضہ مطہرہ کی جھلک دکھلائی دے رہی تھی۔ سب پر ربودگی ووارفتگی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ سب کی زبان پر درود اور نعتیہ اشعار تھے۔ رات کے پچھلے پہر مدینہ طیبہ کے حدود میں داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر مقام مناخہ میں آرام کیا، پھر غسل کرکے کپڑے تبدیل کیے۔ جب مدینہ منورہ کی فصیل کا دروازہ کھلا تو شہر میں داخل ہوئے اور باب السلام سے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے۔ نماز اشراق ادا کی اور پھر روضہ منورہ کی زیارت کی۔ سید سمہودی، مصنف ''وفاء الوفا فی اخبار دار المصطفیٰ'' کے مکان میں باب الرحمۃ کے قریب قیام فرمایا۔ اہل قافلہ دوسرے مکان کرایہ پر لے کر ٹھہرے۔ ناسازی طبع اور علالت کے باوجود ہر نماز میں مسجد نبوی میں حاضر ہوتے۔

محفل میلاد سے احتراز:

۱۲/ربیع الاول کو مجلس میلاد مسجد میں منعقد کی گئی، جس میں علما ورؤوسائے شہر سب نے شرکت کی۔ آپ کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔ ایک شخص نے آکر کہا کہ فلاں فلاں لوگ آپ کو بلا رہے ہیں۔ آپ لیٹے ہوئے تھے، اٹھ کر بیٹھ گئے، اور مولانا عبدالحی سے فرمایا کہ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر اس مجلس کا مقصد محض لہولعب ہے تو ہم شریک ہونے سے معذور ہیں، اور اگر عبادت کی نیت سے ہے تو اس مجلس کو کتاب وسنت سے ثابت کر دیں۔ اگر ثابت ہوگیا تو ہم بسروچشم حاضر ہوں گے۔ مولانا عبدالحی صاحب نے یہ مضمون اچھی طرح قاصد کو سمجھا دیا۔ اس نے جاکر اہل مجلس کے سامنے یہ بات نقل کردی، حاضرین سن کر خاموش ہوگئے کسی سے جواب نہیں بن پڑا۔

بیت المقدس کا عزم:

قیام مدینہ کے عرصہ میں آپ نے بیت المقدس جانے کا ارادہ کیا کہ وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ مکہ آئیں گے۔ ساتھ لے جانے کے لیے چالیس آدمی کو بھی منتخب فرمالیا تھا۔ کشاں کشاں یہ خبر قافلہ میں بھی مشہور ہوگئی۔ اخوند محمد عظیم چند آدمیوں کے ہمراہ خدمت میں آئے اور عرض کی کہ ہمارا حال یہ ہے کہ آپ کو دیکھ کر ہم اپنی تکلیفیں بھول جاتے ہیں، ہمارے درمیان آپ کا وجود ہی نہ جانے کتنے اختلاف وانتشار کو ختم کر دیتا ہے۔ اگر آپ چلے گئے تو قافلہ میں سخت اختلاف اور انتشار کا اندیشہ ہے۔ ویسے بھی بیت المقدس جانا فرائض وواجبات میں سے نہیں ہے۔ آپ نے ان کی بات سن کر جانے کے ارادہ کو فسخ کر دیا اور قیام کی نیت کر لی۔

زیارات:

مدینہ طیبہ کے قیام میں آپ نے مسجد قبا، مسجد قبلتین اور جنت البقیع کی بار بار زیارت کی۔ اہل قافلہ مدینہ طیبہ کے قریب وبعید کے مشاہد وآثر کی زیارت پہلے ہی کر چکے تھے۔ آپ طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے بعض مقامات پر نہیں جا سکے تھے، اس لیے مدینہ سے واپسی سے چند دن قبل ایک روز جبل احد گئے، سیدنا حضرت حمزہ اور دیگر شہدا کی قبور کی زیارت کی۔ جہاں حضور ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے، اس جگہ کی بھی زیارت کی اور بعض مقامات پر دعا بھی کی۔

ایک دن بئر رومہ اور مسجد احزاب تشریف لے گئے اور وہاں دعا کی۔ دوسرے دن قبا گئے، دو رکعت نماز ادا کی اور دعا کرائی۔ بئر خاتم کی زیارت کے لیے بھی گئے، واپسی بنو قریظہ کی طرف سے ہوئی۔

مدینہ طیبہ سے واپسی کا قصد:

مدینہ طیبہ میں سردی بڑھنے لگی اور اہل قافلہ کے پاس سردی سے بچاؤ کا کافی سامان نہیں تھا۔ شیخ عبداللطیف مرزا پوری نے جو شریک قافلہ تھے، کمبل خریدے، اور دو قسطوں میں ساٹھ چوغے سلوا کر اہل قافلہ میں جو زیادہ ضرورت مند تھے، ان میں تقسیم کر دیے۔ اسی اثنا میں آپ نے خواب میں حضرت رسالت مآب ﷺ کی زیارت کی۔ آپ نے فرمایا کہ ''احمد! اب تم یہاں سے

جاؤ، تمھارے ساتھیوں کو سردی سے تکلیف ہو رہی ہے۔''

روانگی:

واپسی کے لیے انھیں شتربانوں کی خدمات حاصل کی گئیں جو وادی صفرا سے قافلے کے ساتھ ہوئے تھے۔ روضہ مطہرہ اور مسجد نبوی میں آخری حاضری دی۔ سامان سفر بار کرایا اور ذوالحلیفہ پہنچے، جو اہل مدینہ کی میقات ہے، رات وہیں گزاری۔ دوسرے دن ظہر کی نماز کے بعد غسل وغیرہ سے فراغت کر کے احرام باندھا اور انھیں راستوں سے مکہ معظّمہ کے لیے روانہ ہوئے جن راستوں سے مدینہ منورہ پہنچے تھے۔ نصف شب کے بعد مکہ میں داخل ہوئے۔ طواف وسعی کی اور بال منڈا کر احرام کھولا، اور مکان میں آرام کی غرض سے تشریف لے گئے۔ صبح میں مکہ کے علما و فضلا اور چاروں مصلوں کے امام سے ملاقات کی۔

مشغلہ علوم دینیہ:

مدینہ منورہ سے واپسی کے بعد سید صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ اس متبرک ومقدس مقام میں کچھ علوم دینیہ کا مشغلہ ہونا چاہئے۔ یہ لمحۂ فرصت جو اس پاک فضا میں ہمیں گزارنے کا ملا ہے، یہ بہت غنیمت ہے۔ چنانچہ آپ کی اس خواہش کے پیش نظر مولانا عبدالحی صاحب نے حافظ سید محمد کو اور مولانا اسماعیل صاحب نے مولوی وحید الدین پھلتی کو حجۃ اللہ البالغہ کا درس دینا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ دونوں مجلسوں میں بڑا مجمع ہونے لگا اور کثرت سے استفادہ کے لیے لوگ ان دروس میں شامل ہونے لگے۔

قصد وطن:

۱۵؍ شوال کو وطن واپسی کی تیاری شروع ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران دو مرتبہ رمضان المبارک کے مقدس مہینے ملے، ایک ابتدائی دنوں میں، اور دوسری مرتبہ آخری ایام میں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دوران طواف خیال آیا کہ اہل وعیال موجود ہیں، اب کیوں ہندوستان واپس جایا جائے؟ جو دارالحرب بن چکا ہے، بہتر ہے کہ حرم ہی میں مستقل قیام کر لیا جائے۔ اسی دم غیب سے اشارہ ہوا کہ اگر تم یہیں بیٹھے رہو گے تو ہم اپنا کام کسی دوسرے سے کرالیں گے۔ اس پر سید صاحب کا واپسی کا ارادہ پختہ ہو گیا۔

ذی قعدہ کی ابتدائی تاریخوں میں آپ نے طواف وداع کیا اور مکہ مکرمہ کو الوداع کہا۔ بیت اللہ کی جدائی سے ہر فرد دل فگار اور اشک بار تھا۔ دوسرے دن جدہ کے بندرگاہ پر قافلہ پہنچا۔ بیشتر رفقائے حج پہلے ہی وطن روانہ ہو چکے تھے۔ سید صاحب کے ساتھ صرف اتنے لوگ رہ گئے تھے کہ ان کے لیے چار جہاز کافی تھے۔ فی کس پندرہ روپیہ کے حساب سے چار جہاز کرایہ پر طے کیے گئے۔ (۱) دریا بقی (۲) ملک البحر (۳) عطیۃ الرحمان (۴) تاج۔ سید صاحب نے قافلہ میں اعلان کرا دیا کہ جس کے لیے جو جہاز تجویز ہوا ہے وہ اس میں سوار ہو جائے۔ سید صاحب کے لیے جہاز ملک البحر تجویز ہوا۔ آغا حسین ترکی جو عطیۃ الرحمان کے کپتان تھے، انھوں نے آ کر عرض کی کہ جناب کے سفر کے لیے جہاز ملک البحر تجویز ہوا ہے جو کہ بہت سست رفتار ہے، بہتر ہو کہ آپ عطیۃ الرحمان پر سوار ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جو جہاز ہمارے لیے تجویز ہو چکا ہے ہم اس کو نہیں چھوڑ سکتے۔ رفتار اللہ کے قبضے میں ہے، سست رفتار چاہے تو تیز رفتار بنا دے اور تیز رفتار کو چاہے تو سست رفتار بنا دے۔

بمبئی:

اوائل ذی الحجہ میں جدہ سے روانہ ہوئے، راستہ میں مخہ میں ایک مہینے قیام رہا۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو گیارہویں یا بارہویں روز ایک گھڑی دن چڑھے جہاز بمبئی کے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ اس وقت تک کوئی بھی جہاز ابھی بمبئی نہیں پہنچا تھا۔ ناخدا اور بمبئی کے تجار کا بیان ہے کہ چالیس سال کے عرصہ میں اتنے کم وقت میں اور اتنی سرعت کے ساتھ کوئی بھی جہاز بمبئی نہیں پہنچا۔ مخہ سے روانہ ہوتے ہوئے آپ نے اپنی آمد کی اطلاع کا خط مولوی انس کے پاس بھیجا تھا، وہ خط آپ کے پہنچنے کے چار دن بعد پہنچا۔

بمبئی میں مولوی انس نے آپ کا استقبال کیا۔ انھیں کی مسجد محلّہ میمن واڑہ میں آپ نے قیام فرمایا۔ چونکہ بمبئی میں بھی کلکتہ کی طرح آپ کی عام شہرت تھی، اس لیے دن رات لوگوں کا ہجوم لگا رہتا تھا۔ بمبئی میں آپ نے اٹھارہ دن قیام فرمایا، اس مدت میں لوگوں نے بکثرت دعوت و ضیافت کی، اور ہزاروں لوگوں نے بیعت کی سعادت حاصل کی۔

ایلپی:

انیسویں دن بمبئی سے روانہ ہوئے۔ مولوی انس کے صاحبزادے مولوی محمد صدیق محمدی اور امام الدین شیخ بڈھن بمبئی سے آپ کے ہمراہ ہو گئے۔ ساتویں دن جہاز ایلپی کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا۔ سید صاحب قصبہ ایلپی میں تشریف لے گئے۔ مریدین و معتقدین آپ کی آمد سے از حد مسرور ہوئے۔ دو دن ایلپی میں قیام رہا، تیسرے دن وہاں سے کوچ ہوا۔

کلکتہ:

کلکتہ کے محبین و مخلصین کو آپ کی آمد کی اطلاع مولانا عبدالحی صاحب کے خط سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔ شیخ غلام حسین فخر التجار جن کا انتقال آپ کے پہنچنے سے چند دن قبل ہوا تھا، کے بیٹے پنیس لے کر آپ کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ پنیس میں سوار کر کے اپنے باغ میں لائے۔ پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی لوگ کثرت سے زیارت و بیعت اور استفادہ کے لیے جمع ہونے لگے۔ اس مرتبہ بھی آپ نے کلکتہ میں ایک مہینہ سے کچھ زائد قیام فرمایا۔ اس امتداد قیام کی غالباً ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جہاز عطیۃ الرحمان راستہ بھٹک گیا تھا، آپ کلکتہ میں اس کے بخیر و عافیت پہنچنے کی دعا کرتے رہے اور قنوت پڑھتے رہے۔ جب عطیۃ الرحمان کے پہنچنے کی خبر آئی تو آپ کو اور تمام اہل قافلہ کو بڑی مسرت ہوئی۔

غلام مرتضیٰ کی فیاضی:

کلکتہ سے روانہ ہو کر آپ منگل کوٹ پہنچے، اور اس کے قریب منشی محمدی کے گاؤں بھی تشریف لے گئے۔ وہاں سے چلے تو مرشد آباد کے دیوان غلام مرتضیٰ نے قافلہ کو روک لیا اور باصرار اپنے گاؤں کہنہ لے گئے۔ وہاں جو بنگلہ آپ کے ٹھہرنے کے لیے تجویز ہوا تھا اس کی محض درستی اور آرائش پر پانچ ہزار صرف کیے گئے تھے۔ بنگلہ کے باہر بڑا بازار لگوا دیا تھا جس میں کھانے پینے اور ضرورت کے تمام سامان مہیا تھے، اور بازار میں منادی کرادی تھی کہ سید صاحب کے لوگ جو بھی سامان لیں، اس کی قیمت نہ لی جائے۔ اس کا حساب رکھا جائے، میں خود پوری رقم ادا کروں گا۔ سید صاحب نے ان سے کہا کہ اس قدر صرفہ اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ تو انھوں نے

عرض کی کہ ’’اگر کسی مسلمان کے گھر کوئی حاجی آجاتا ہے تو اس کی بڑی عزت افزائی ہوتی ہے۔ میں اپنی قسمت پر نازاں ہوں کہ اتنے حجاج نے بیک وقت میری عزت افزائی کی۔‘‘

دو تین روز کہنہ میں قیام رہا، اس کے بعد روانگی ہوئی۔ روانگی کے وقت میزبان نے جو تحائف پیش کیے تھے ان میں ایک عمدہ طمنچہ اور سات دیدبانوں کی نادر رومی بندوق تھی۔

مونگیر:

کہنہ سے روانہ ہو کر قافلہ مونگیر جا کر ٹھہرا۔ مونگیر جمعہ کے دن پہنچے تھے۔ کشتی سے اتر کر شہر میں تشریف لے گئے اور جمعہ کی نماز ادا کی۔ مونگیر اسلحہ سازی کے لیے مشہور تھا، وہاں سے اہل قافلہ نے اسلحے خریدے۔ سید صاحب نے بھی ایک چار نالی بندوق خریدی۔

عظیم آباد:

مونگیر سے چلے تو عظیم آباد ٹھہرے۔ مولانا ولایت علی، شاہ محمد حسین اور سید کرامت علی استقبال کے لیے قصبہ باڑھ تک آئے۔ دس دن عظیم آباد میں قیام رہا۔ اس مدت میں پھلواری شریف بھی تشریف لے گئے، جو اس زمانہ میں علما و مشائخ کی مشہور بستی تھی۔ پھلواری کے لوگوں نے آپ کی بہت تعظیم و تکریم کی۔ ایک رات پھلواری میں بسر فرمائی، صبح عظیم آباد واپس تشریف لائے اور مولانا اسماعیل صاحب کو چند رفقا کے ساتھ پھلواری بھیجا۔ مولانا نے شاہ نعمت اللہ، مولوی احمدی اور دوسرے بزرگوں سے ملاقات کی، اور رسوم مروجہ وغیرہ کے بارے میں دیر تک گفتگو کی۔ پھلواری کے چند آزاد خیال لوگوں نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور خلاف شرع اعمال اور رسوم سے تائب ہوئے۔

یوسف پور، غازی پور:

عظیم آباد سے چلے تو مولانا ولایت علی اور ان کے بھائی مولوی طالب علی، شاہ محمد حسین، محمد حیات اور سید کرامت اللہ بھی ساتھ ہو گئے۔ آپ ڈھکیا، دانا پور، بھوج پور، ہلسار، چھپرہ بکسر ہوتے ہوئے محمود آباد پہنچے۔ محمود آباد سے آپ ایک طرف کو روانہ ہوئے تو لوگوں نے پوچھا کہ ’’کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟‘‘ فرمایا کہ محمود آباد کے قریب ایک دیہات ہے، وہاں سے

ایک دوست کی خوشبو آرہی ہے، اسی سے ملاقات کے لیے جارہا ہوں۔

جب آپ یوسف پور پہنچے تو معلوم ہوا کہ شیخ فرزند علی غازی پوری اسی موضع میں ہیں، اور بیمار ہیں۔ ضعف اور ناطاقتی کی وجہ سے خود سید صاحب کے استقبال کے لیے نہ آسکے۔ اپنے بیٹے کو بھیجا، آپ شیخ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ شیخ صاحب نے آپ کی بہت عزت وتکریم اور مہمان داری کی، اپنے اہل وعیال کو بیعت کرایا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ ''تم لوگوں نے ہمارے دوست کو دیکھ لیا۔''

دوسرے دن یوسف پور سے چل کر غازی پور پہنچے۔ شیخ صاحب بھی اپنے اہل وعیال کے ہمراہ آپ کے ساتھ تھے۔ غازی پور میں شیخ صاحب کے مکان پر آپ نے چھ روز قیام فرمایا۔ بکثرت لوگ بیعت ہوئے، اور راہ راست پر آئے۔ شہر کی جامع مسجد جو ویران ہوچکی تھی، آپ کے قیام کی برکت سے ازسرنو آباد ہوئی، اور پابندی سے پنج وقتہ نماز ہونے لگی۔

بنارس:

غازی پور سے چند فرلانگ پر بنارس واقع ہے، غازی پور سے چل کر آپ نے بنارس میں قیام فرمایا۔ مرزا محمود بخت شہزادہ استقبال کے لیے موجود تھے۔ مرزا ابلاقی جو پہلے سے ارادت کا تعلق رکھتے تھے وہ بھی بجرہ لے کر حاضر تھے۔ بنارس میں آپ نے صرف چند روز قیام فرمایا۔

مرزاپور:

بنارس کے بعد مرزاپور میں قیام فرمایا، جہاں مرزا عبداللطیف اور دوسرے لوگوں نے دعوتیں کیں۔ مرزاپور میں شیخ غلام علی الٰہ آبادی کے بیٹے سید صاحب کی پیشوائی کے لیے موجود تھے۔ انھوں نے مرزاپور سے قافلے کے تمام اخراجات اپنے ذمے لے لیے۔

مرزاپور میں دو تین روز قیام رہا۔ اس مدت میں آپ نے اپنے وطن تکیہ کی مسجد کے راستے کے لیے اور گھاٹ کے لیے پتھر خریدے، اور غریب پڑوسیوں اور ہمسایوں کو تحفہ دینے کے لیے بہت سی چکیاں خریدیں۔

شیخ غلام علی کی دریادلی:

اوپر مذکور ہوا کہ مرزاپور سے شیخ غلام علی کے بیٹے نے تمام اخراجات اپنے ذمے لے

لیے تھے۔ چونکہ شیخ صاحب کے اجارے کے گاؤں دریا کے کنارے پڑتے ہیں، اس لیے مرزاپور سے کوچ کے بعد ہر منزل پر ان کی طرف سے کسی نہ کسی گاؤں سے دعوت کا سامان پہنچ جاتا تھا۔ جب کشتیاں الٰہ آباد پہنچیں تو شیخ صاحب کے بنگلے میں کئی روز قافلہ کا قیام رہا۔ ہر وقت شیخ صاحب کی طرف سے پورے قافلہ کی پرتکلف دعوت ہوتی تھی، انواع واقسام کے مکلّف کھانے یہاں تک کہ پرہیزی کھانے مونگ کی دال اور کھچڑی تک دسترخوان پر موجود رہتی تھی۔ سید صاحب نے ایک مرتبہ شیخ غلام علی سے فرمایا کہ شیخ صاحب! آپ اس قدر فضول خرچی کیوں کرتے ہیں؟ تو شیخ صاحب نے جواب دیا کہ میں اپنے حوصلے کے مطابق نہیں کرسکا، جو کچھ میں نے کیا اس کو میں ذخیرۂ آخرت سمجھتا ہوں۔

رائے بریلی:

الٰہ آباد سے آپ کشتیوں کی بجائے خشکی کے راستے گھوڑے پر سوار ہوکر وطن کی جانب چلے۔ زنانہ سواریوں، بچوں اور ضعیفوں کو کشتی میں سوار کرکے روانہ کیا۔ وطن جاتے ہوئے آپ شیخ غلام علی کے گاؤں مہرونڈا میں ایک رات قیام کیا۔ وہاں سے اہلاد گنج پہنچ کر دوسری منزل کی۔ اہلاد گنج کے حاکم اور بہت سے سوار آپ سے بیعت تھے۔ وہ لوگ آپ کی زیارت سے فیض یاب ہوئے۔

وطن میں آپ کی آمد کی اطلاع اچانک پہنچی، اعزہ استقبال کی تیاری کررہے تھے، کوئی شہر تک پہنچا تھا اور کوئی ابھی بستی ہی میں تھا کہ آپ بستی میں داخل ہوئے۔ غرض آپ کی آمد اتنی اچانک ہوئی کہ کسی کو استقبال اور پیشوائی کا موقع نہیں مل سکا۔

کشتی سے آنے والوں کے لیے ڈلمو پہلیاں، میانے اور ڈولیاں بھیجی گئیں۔ جب سب لوگ اکٹھا ہوئے تو بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی ’’اکثر عزیزوں نے اہل قافلہ میں سے بہت سے لوگوں کو اس لیے نہیں پہچانا کہ چہرے پر تروتازگی تھی اور لباس عمدہ تھا۔ یہاں سے گئے تھے تو بالکل بے سروسامانی کی حالت میں۔‘‘

سفر حج کے اخراجات:

سفر حج کے اخراجات کا مجموعی اندازہ غلام رسول مہر صاحب نے جو لگایا ہے، وہ یہ ہے:

''سفر حج میں ستر اسی ہزار روپۓ سے کم رقم صرف نہیں ہوئی ہوگی، بلکہ مختلف چیزوں کی خرید اور مساکین کی امداد کی رقمیں شامل کی جائیں تو پوری رقم شاید ایک لاکھ تک پہنچ جائے۔ واپس آئے تو مہمانوں کی بہت بڑی جماعت ساتھ تھی، عام زائرین کا بھی تانتا بندھا رہتا تھا۔ سید صاحب سب کو کھانا کھلاتے تھے۔ کچھ مدت کے بعد بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو دو ہزار روپۓ موجود تھے۔''

قصیدہ:

سید صاحب اور ان کا مبارک قافلہ جب حج سے واپس آیا تو مولانا ابوالحسن حسنؔ صاحب کاندھلوی[ا] نے ایک طویل قصیدہ آپ کی شان میں اور اہل قافلہ کی خیر وعافیت کے ساتھ واپسی پر کہا۔ ہم ''سیرت سید احمد شہید'' سے اس قصیدہ کو یہاں نقل کرتے ہیں۔

قصیدہ

جس کے لمعان سے ہے کند فرشتوں کی نظر   رہے گا اس نور سے پر گنبد چرخ اخضر
نہ ملے برق اسے اور نہ کوئی اختر   نہ اسے روشنیٔ شمس و قمر سے نسبت
یا ترقی پہ ہوئی روشنی تازہ سحر   جلوۂ طور کہوں یا کہ شب قدر کا نور
عقل اول بھی جسے دیکھ کے رہ جائے ششدر   جس طرف دیکھیے وہ نور نظر آتا ہے
مشتعل روشنی عرش سے تھا اس کا گھر   آسماں پہ جو نظر کی تو بسانِ فانوس
تھی وہ خورشید سے بھی نور میں زیادہ انور   کرکے میں غور جو روئے زمین کو دیکھا

(ا) یہ قصیدہ مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی کے صاحبزادے مولانا ابوالحسن صاحب کا ہے، تحریک سید احمد شہید میں غلام رسول مہر نے لکھا ہے کہ ''یہ سید صاحب کے خلیفہ ہیں، اور میوات میں رہتے تھے''۔ غلام رسول مہر صاحب کو سہو ہوا ہے، یہ میوات میں نہیں بلکہ کاندھلہ میں رہتے تھے۔ سیرت سید احمد شہید کے حاشیہ میں مولانا ابوالحسن علی ندوی نے نام تو مولانا ابوالحسن کاندھلوی کا لکھا ہے مگر جزم ویقین کے ساتھ نہیں لکھا ہے۔ میں نے مولانا نورالحسن راشد صاحب کاندھلوی سے اس کی تصدیق کی تو انھوں نے بتلایا کہ یہ پورا قصیدہ مولانا ابوالحسن صاحب کی قلمی بیاض میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ مولانا ابوالحسن صاحب نے ایک قصیدہ جہادیہ بھی سید صاحب کی شان میں کہا تھا، وہ بھی قلمی بیاض میں موجود ہے۔

تھا عجب طور کا کچھ روئے زمین پر جلوہ　　عرش پر جس کی تجلی کا پہنچتا تھا اثر
شرق سے غرب تلک نور سے تھا مالامال　　عرش سے فرش تلک برق سے تھا روشن تر
کیا عجب ہے کہ اگر ہند کے نظارے کو　　حور جنت سے چلی آئے نکل کر باہر
اس ترقی پہ غرض دیکھ کے خطۂ ہند　　سجدۂ شکر ادا میں نے کیا خوش ہوکر
تھی عجب طرح کی دل کو مرے اس دم فرحت　　جسم ہرگز نہ سماتا تھا قبا کے اندر
تھا تہ دل سے میں تفتیشِ سبب کے درپے　　کس کے انوار سے ہے یارب! زمین رشکِ قمر
کس کے باعث ہے جو یوں ملک میں ہے آبادی　　کیا خوشی ہے کہ جو یوں عیش طرب ہے گھر گھر
شکل فردوس جو سرسبز ہوا یہ خطہ　　یا رب! اس بھید سے کچھ مجھ کو بھی تو آگہ کر
یک بیک غیب سے یہ آئی ندائے ہاتف　　گوش سے پنبۂ غفلت کو ذرا باہر کر
اب تلک پہنچا نہیں مژدۂ جاں بخش تجھے　　جس سے شاداں ہیں ملک، خوش ہیں ہر اک جن وبشر
آیا ہے قافلہ حج کرکے وہ اس ملک کے بیچ　　جس میں ہر اک ہے ولی عارف نیکو منظر
اس کے انوار سے روشن ہے زمین تا بفلک　　ان کی ہمت سے ہوئی دین کو سو زینت وفر
ہے ہر اک شخص وہاں آمرِ امر معروف　　قامع بدعت و ناہی اصول منکر
ماحی کفر ز دل قاتل کفار ز جاں　　قامع رسم زبوں تابع حکم داور
ان میں ہر اک ہے فرید اور وحید آواں　　حافظ و عالم و عادل سخی و نیک نظر
ظاہر آراستہ بر ملت بیضاء نبی　　باطن اس طور کا پاکیزہ ہو جیسا گوہر
کد و کاوش نہ کسی میں نہ ریا و کینہ　　نہ حسد دل میں، تکبر نہ کسی کے اندر
کیا کروں قافلہ سالار کا اس کے میں بیاں　　جس کے اوصاف ہیں تحریر و بیاں سے باہر
عادل و عالم و عابد شہ والا ہمت　　اشجع و افصح و ابلغ سخی و نیک نظر
عاقل و فاضل و راحم زکی و عالی طبع　　زاہد و متقی و صابر و زیبا منظر
ترک و تجرید و توکل میں فرید دوراں　　حلم اور خلق و دیانت میں وحید اکبر
معدنِ لطف و حیا مجمعِ جود و ہمت　　مخزنِ عفت و الفت شرفِ نوعِ بشر
بحرِ جود و کرم و گلشنِ عرفانِ نبی　　مشعلِ راہِ طریقت بحقیقت رہبر

صدق میں ثانی اثنین کے مانند قوی جد اور جہد میں اسلام کے ثانی عمر
شرم میں حضرت عثمان سا جوں بحر حیا اور وصف جنگ میں ہم طرز علی صفدر
طور اور طرز میں سب طینت اصحاب نبی قاف سے راہ شریعت میں ہے مستحکم تر
وعظ میں اس کے یہ تاثیر کی پڑھ لیں کلمہ لات و عزیٰ و منات اور ہبل بھی فرفر
سید صفدر و عالی نسب و زینت دیں زیبِ اسلام و امامِ حق و عاجز پرور
سید احمد و عالی حسب و فخر زماں رہبر راہ شریعت خلف پیغمبر
ہوتا معصوم اگر بعد نبی کے کوئی ہوتی اس عصر میں عصمت بھی اسی کے اندر
سینۂ صاف سے اس کے ہے خجل آئینہ نور ایمان سے ہے قلب مصفا گوہر
حق میں گمراہوں کے تاثیر جو کچھ ہے اس کی جوشش خوں میں کرے کام نہ ایسا نشتر
ہو جو صحبت سے تری تخلیہ و تحلیہ لاکھ چلوں سے بھی باطن میں نہ ہو ایسا اثر
اسم اعظم کو جو پڑھ کر کرے وہ کوہ پہ دم ہوں طلا جتنے ہیں کہسار کے سارے پتھر
خار کو ہاتھ لگادے تو وہ ہو گلدستہ رشک الماس ہو گر ہاتھ میں لے لے کنکر
رنگ میں گو کہ رہے سرخ بسان یاقوت سرد ہو یخ کی طرح ہاتھ میں اس کے اخگر
اس کی نظروں سے گرے مشک تو ہو پشک سے کم کوئلہ ہاتھ میں اس کے ہو مثال عنبر
ناخدا جوئے حقیقت کا ہے یہ کشتی باں بحر ذخار طریقت کا حقیقی معبر
علم کے اس کے مگر علم لدنی کہیے جو کہ آتا ہے اسے ہے وہ کسے مستحضر
آب پاشی سے تری قوت بازو کے بزور پھر سے سرسبز ہوا خشک شریعت کا شجر
فیض سے تیرے نمازی ہوئی خلقت یہاں تک پڑھے بیمار بھی ہذیان میں سورۂ کوثر
جس طرف دیکھیے تعمیر مساجد کی ہے ہے ہر اک شخص کی تحقیق مسائل پہ نظر
آتی ہر سمت سے ہے بانگ مؤذن کی صدا جس کو سنیے یہی کہتا ہے کہ اللہ اکبر
اس قدر عصر میں تیرے ہوئی افراط نماز لاکھوں تیار ہوئے ملک میں پھوٹے منبر
قطع بدعات ہوئی فیض سے تیرے ایسی ہند سے رسمیں بری اٹھ گئیں صدہا یکسر
دیکھیے جس کو سو کرتا ہے کلام اللہ یاد باندھی ہر شخص نے تہذیب و ہدایت پہ کمر

تیری تائید سے اک خلق ہوئی ہے تائب   تیری تنبیہ سے لاکھوں ہوئے فاسق اطہر
اک قدم دھرنے کی جاگہ بھی نہیں ملتی واں   جو کہ پھوٹی ڈھئی مسجد تھی پڑی صاف کھنڈر
جو ملا تجھ سے ہوا راہ خدا میں مصروف   جو پھرا تجھ سے جماعت سے ہوا وہ باہر
تیری صحبت کے سوا ہو نہ کسی کا طالب   جس کو باطن کی ہوئی راہ کی ذرہ بھی خبر
نعل بالنعل ہے کچھ فرق نہیں ہے تجھ میں   دیکھا پچھلوں سے تجھے جس نے مطابق کر کر
تجھ سے باطن کے قوانین ہوئے کچھ ایسے درست   جیسے کاتب کوئی لکھنے کو بنادے مسطر
منکشف تجھ پہ ہر اک سے کی ہے کمیت   نہ فتاوی میں وہ حجت نہ کتب کے اندر
نہ ہدایہ میں وہ علت نہ وقایہ میں نشاں   درمختار میں اس کا نہ سراجی میں اثر
نہ ہے سلم میں پتہ اور نہ توضیح میں کچھ   خالی ہے فقہ کا اس علم سے سارا دفتر
کچھ نہیں تیری شجاعت تو بیاں کی محتاج   صاف چہرے سے عیاں ہے تری شان حیدر
خاک پا سے تری اکسیر کو کیا ہے نسبت   آدمی کو تو فرشتہ کرے اور مس کو زر
فیض سے تیرے ہوا دم میں وحید دوراں   جس نے دروازے پہ تیرے کیا آکر بستر
رکن دین مولوی عبدالحی و شہ اسماعیل   فیض سے تیرے ہوئے کاملوں کے سر دفتر
تیری صحبت نے ملائک کی کری خاصیت   گو کہ ظاہر میں نظر آتے ہیں ہم شکل بشر
حق میں کفاروں کے ضیغم کی طرح ہے خونخوار   مومنوں کے لیے شفقت میں پدر سے بہتر
فخر ابنائے زماں قبلہ ارباب صفا   کعبہ اہل یقیں داد رسِ ہر مضطر
ذات سے تیری یتیموں کو بہت تقویت   زن بیوہ کے تو حق میں سحاب ممطر
تھا غضب کہ بیوہ نہ کرے عقد نکاح   کھوئی یہ رسم زبوں رحمت حق ہو تجھ پر
جس میں راضی ہو خدا ہے وہی ان کو منظور   آبرو کا نہ انھیں خوف نہ کچھ جی کا ڈر
جو مسلمان کرے ان سے ذرا سا بھی سلوک   اس کے بدلے میں نہ کوئی کرے ان سے بہتر
کیوں منافق نہ ہو صورت کو تری دیکھ کے غش   ٹھیرے کس طور سے خورشید کے آگے شپّر
حق تعالی کرے اقبال ترا روز افزوں   تیرے انصاف سے آباد ہوں ساتوں کشور
تجھ پہ ہر لحظہ بلا ریب ہے امداد خدا   جلوہ گر ذات سے تیرے ہے عجائب مظہر

چاہ بیزن میں گرے یا چہ بابل میں پڑے   کھائے دشمن ترا اس طور کی بے ڈھپ ٹھوکر
منہ میں دشمن کے ترے قند ہو حنظل کا مزہ   ہو مجنوں کے دہن میں ترے حنظل شکر
نوشدارو بھی اگر کھائے بامید شفا   منہ میں دشمن کے ترے ہوئے بجائے کنکر
یوں کہا غیب سے ہاتف نے یہ حج ہے منظور   فکر تاریخ میں جب نیچے کیا میں نے سر
اور گھر آنے کی تاریخ میں یہ بیت پڑھی   تہنیت دے کے مجھے اور تبسم کر کر
حاجیان حرم کعبہ بہ آوان مجید   آئے حج کر کے بڑی دھوم سے اب اپنے گھر
ہو حسنؔ بھی ترے الطاف سے ممنون سدا   رہے جمعیت باطن سے نہایت خوشتر

* * *

مختصر حالات زندگی ”سید المجاہدین سید احمد شہید علیہ الرحمہ“

سید صاحب کے والدین اور بھائی بہن:

سید صاحب کے والد کا نام سید محمد عرفان تھا۔ آپ خدا ترس، متوکل اور پرہیزگار انسان تھے۔ لکھنو میں رہتے تھے۔ ۱۲۱۴ھ (۱۸۰۰ء) میں لکھنو سے وطن جاتے ہوئے راستہ میں وفات ہوئی۔ رائے بریلی میں آپ کی تدفین ہوئی۔ والد کی وفات کے وقت سید صاحب کی عمر تین برس تھی۔

سید محمد عرفان نے دو نکاح کیے تھے۔ پہلا نکاح سید محمد معین الدین ابن سید محمد ضیا کی صاحبزادی سید نقیہ سے ہوا تھا، ان کے بطن سے صرف ایک مادینہ اولاد سید نجیہ پیدا ہوئیں۔ پہلی بیوی کی وفات کے بعد ایک مدت تک آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔ صاحبزادی سید نجیہ کی شادی ہوگئی تو انھوں نے خود والد کی دوسری شادی اپنے نانا کے حقیقی بھائی سید ابو سعید کی صاحبزادی سے کرائی۔ دوسری بیوی کا نام سید نجیہ عرف ”ناجبہ“ تھا۔ یہی سید احمد شہید اور ان کے دو بھائیوں اور تین بہنوں کی والدہ ہیں۔

سید صاحب کے بڑے بھائی کا نام سید محمد ابراہیم تھا۔ ابتدا ہی سے متدین اور پرہیزگار تھے۔ تحصیل علوم کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ راجپوتانہ میں نواب امیر خان کے لشکر میں ملازم تھے۔ ابتدا میں ملازمت کی نوعیت غالبًا سپاہیانہ تھی، پھر ان کا زہد تقوی دیکھ کر امامت پر ان کو مامور کر دیا گیا۔ لشکر ہی میں ۴؍شوال ۱۲۲۴ھ (۱۲؍نومبر ۱۸۱۰ء) کو ان کی وفات ہوئی۔

آپ کی نسبت حقیقی ماموں سید ابو اللیث کی صاحبزادی سید فاطمہ سے ہوئی تھی۔ اولاد

میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی بطور یادگار چھوڑی۔

سید صاحب کے دوسرے بھائی کا نام سید محمد اسحاق تھا۔ آپ نے تحصیل علوم پر کماحقہ توجہ دی۔ شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر علیہما الرحمہ سے حدیث وتفسیر کی کتابیں پڑھی۔ آپ کو فن تفسیر سے بہت دلچسپی تھی۔ صرف اس فن میں دوسو کتابیں آپ کے پاس تھیں۔ شعروشاعری سے بھی شغف تھا، عربی وفارسی زبان پر مکمل عبور حاصل تھا۔ آپ کے شعری ملکہ کا اظہار انھیں دونوں زبانوں میں ہوا ہے۔ دوسو شعر کا ایک قصیدہ میراث میں لکھا اور پھر اس کی شرح بھی لکھی۔ فارسی کے ایک قصیدے میں اہل بدر کے اسماء جمع کیے۔ نحوی مسائل پر بھی نظم لکھی۔ ۶/جمادی الاخری ۱۲۳۴ھ (۲/اپریل ۱۸۱۹ء) کو رائے بریلی میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ نے صرف ایک اولاد نرینہ سید اسماعیل کو یادگار چھوڑا۔ آپ کی بھی شادی حقیقی ماموں کی بیٹی سید ولیہ سے ہوئی تھی۔ یہ وہی خاتون ہیں جن کا نکاح ثانی سید صاحب سے ہوا تھا۔

سید صاحب کی تین بہنیں تھیں۔ سید حنیفہ۔ سید صاحب النساء۔ سید صالحہ۔ سید حنفیہ اور سید صاحب النساء کا نکاح یکے بعد دیگرے سید معصوم احمد سے ہوا۔ سید صالحہ کا نکاح سید محمد مصطفیٰ سے ہوا۔ یہ قلعہ میں رہتی تھیں۔

سید صاحب کی ولادت اور ابتدائی حالات:

سید صاحب بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ آپ کی ولادت ۶/صفر ۱۲۰۱ھ (۲۹/ نومبر ۱۷۸۶ء) پیر کے دن رائے بریلی میں ہوئی۔ جب آپ کی عمر چار برس چار مہینے چار دن کی ہوئی تو شرفا کے معمول کے مطابق آپ کو مکتب میں بٹھایا گیا، لیکن خاندانی روایت کے برعکس آپ کی طبیعت کسب علم کی طرف مائل نہیں ہوئی۔ تین سال تک مسلسل مکتب جاتے رہے مگر اس مدت میں قرآن پاک کی صرف چند سورتیں یاد کر سکے اور حروف مفردہ کے علاوہ کچھ لکھنا نہیں سیکھ سکے۔ آپ کے بھائیوں نے بہت تاکید کی مگر طبیعت کا میلان کسب علم کی طرف کماحقہ نہیں ہو سکا۔

اس بے رغبتی کے باوجود ان کو امی محض اور ان پڑھ کہنا ایک طرح سے ان کے ساتھ زیادتی ہے۔ یہ تو ہے کہ ظاہری علوم میں ان کو وہ درجہ ومہارت حاصل نہیں تھی جو شاہ عبدالعزیز یا شاہ اسماعیل کو حاصل تھی، تاہم ایسا بھی نہیں کہ وہ رسمی اور ظاہری علوم سے بیگانۂ محض تھے۔ فارسی خوب

اچھی جانتے تھے، اس میں بے تکلف بات چیت اور خط و کتابت کر لیتے تھے۔ فارسی شعرا مثلاً حافظ و بیدل وغیرہ کے اشعار بھی آپ کو یاد تھے اور ان کو بخوبی سمجھتے بھی تھے۔ عربی میں اتنی مہارت حاصل کر لی تھی کہ مشکوۃ شریف کا مطالعہ از خود کر لیا کرتے تھے۔

’’ارواح ثلاثہ‘‘ میں امیر شاہ خان صاحب سے مروی ایک واقعہ درج ہے جس سے آپ کے تعلیمی مراحل پر ہلکی سی روشنی پڑتی ہے، اس کو یہاں درج کیا جاتا ہے:

> ’’خان صاحب نے فرمایا کہ میرے استاذ میاں جی محمدی صاحب فرماتے تھے کہ میں نے مولانا اسحاق صاحب سے کافیہ شروع کی تھی اور سید صاحب جب تشریف لائے تو انھوں نے شاہ اسحاق صاحب سے میزان شروع کی، اور اتنی جلدی ترقی کی کہ نصف سے آگے مجھے کافیہ میں پکڑ لیا اور کافیہ ہی پڑھتے ہوئے انھوں نے مشکوۃ بھی شاہ صاحب سے شروع کر دی اور کوئی کتاب مولوی اسماعیل صاحب سے بھی پڑھتے تھے۔‘‘ (ص ۱۰۳)

اس کے آگے ارواح ثلاثہ میں ایک اور روایت درج ہے جس میں اثنائے حصول علم حروف کے نگاہوں کے سامنے سے محو ہو جانے کا قصہ درج ہے۔ اس سے قطع نظر محض اس روایت سے اتنا واضح ہو ہی جاتا ہے کہ آپ علم سے بالکل کورے نہ تھے۔ خاصے پڑھے لکھے تھے۔ آپ کو امی ظاہر کرنا سراسر آپ کے ساتھ زیادتی ہے۔

تعلیم و تعلم کے برخلاف آپ کو مردانہ کھیلوں اور جسمانی ورزش کا بہت شوق تھا، کبڈی بہت شوق سے کھیلتے تھے۔ بستی کے ہم عمر لڑکوں کو جمع کر کے لشکر اسلام ترتیب دیتے، نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے مفروضہ لشکر کفار پر حملہ کرتے۔ گویا کم سنی ہی سے جہاد کا جذبہ اور شوق آپ کے دل میں فروغ پانا شروع ہو گیا تھا۔ آپ خود فرماتے تھے کہ ’’عہد طفلی ہی سے یہ بات میرے دل میں جم گئی تھی کہ میں کافروں کے ساتھ جہاد کروں گا۔‘‘ اس کے آثار بچپن ہی سے ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے۔ تعلیم سے کہیں زیادہ آپ کو سپاہیانہ کھیلوں اور ورزشوں سے شغف تھا۔ سخت سے سخت جسمانی ورزش کر کے آپ نے اپنے جسم کو انتہائی شدائد کا عادی بنا دیا تھا۔ آپ کے بھانجے سید عبدالرحمان کہتے ہیں کہ:

’’صبح سورج نکلنے کے بعد بھی گھنٹوں آپ کشتی اور ورزش میں مشغول رہا کرتے تھے۔

میں چھوٹا تھا، مجھے اپنے پاؤں پر کھڑا کر کے پانچ پانچ سو ڈنڈ پیلتے تھے۔ بیس سیر، تیس سیر اور من بھر کے مگدر ورزش کے لیے بنا رکھے تھے، دو دو چار چار گھنٹے انہیں ہلاتے رہتے تھے۔''

آپ کی جسمانی قوت خلقاً بھی غیر معمولی تھی، اس پر سے مستزاد ورزشوں کی کثرت! تکیے کے قریب سئی ندی کے کنارے معین خان کا مقبرہ تھا۔ مقبرہ کے قریب پتھر کا ایک وزنی چراغ دان پڑا رہتا تھا۔ اس پتھر کو اٹھانا شہ زوروں کے لیے کارنامہ سے کم نہیں تھا۔ بہت محنت کر کے پہلوان اسے زانو تک اٹھا پاتے تھے۔ اگر کسی نے بہت زور لگایا تو کمر تک۔ سید عبدالرحمان کہتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ چاندی رات میں سید صاحب دوستوں کے ساتھ ادھر سے گزر رہے تھے، پتھر پر نگاہ پڑی تو کہا کہ اسے اٹھانا چاہیے۔ کرتا اتار کر تہہ کیا اور کندھے پر رکھا۔ اس کے بعد جھک کر بے تکلف پتھر کو بھی اٹھا کر کندھے پر رکھ لیا اور پندرہ بیس قدم چل کر پھینک دیا۔ جس مقام پر پتھر گرا تھا وہاں ڈیڑھ فٹ گڑھا ہو گیا۔ صبح میں جب لوگوں نے پتھر کو اپنی جگہ سے ہٹا ہوا پایا تو حیران رہ گئے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ کسی جن یا دیوی کا کام ہوگا۔''

آپ نے جسمانی ورزش کے علاوہ تیراکی میں بھی مہارت بہم پہنچائی تھی۔ پانی کے تیز بہاؤ کے خلاف بے تکلف تیر لیا کرتے تھے۔ دہلی میں مولوی سلیم اللہ پیراکی کے مشہور استاذ تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ''پانی کے تیز بہاؤ کے خلاف تیرنے کا وصف میں نے سید احمد میں دیکھا، پیراکی میں عمر گزار دینے کے باوجود میں اس کمال کو نہیں پہنچ سکا۔'' سانس اتنی بڑھا لی تھی کہ غوطہ لگا کر تہہ میں بیٹھ جاتے اور اتنی دیر تک بیٹھے رہتے کہ نمازی دو رکعت نماز پڑھ لے۔

ورزش اور مردانہ کھیلوں کے ساتھ آپ کو بچپن ہی سے خدمت خلق کا بھی شوق تھا۔ صبح و شام بستی کے غریبوں خصوصاً بیوہ عورتوں کے گھر جاتے اور ان کی ضرورت معلوم کرتے۔ آگ، پانی، ایندھن، سودا جس چیز کی ضرورت ہوتی، اس کو پورا کرتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ عزیزوں و ہمسایوں کے گھر جاتے اور پانی کا برتن خالی ہوتا تو فوراً بھر لاتے۔ کبھی کسی کو ایندھن کی ضرورت پڑتی تو فوراً جنگل سے لکڑی کاٹ کر لاتے۔ چونکہ آپ کا تعلق علم اللہی خاندان سے تھا اور بستی کے لوگ اس خاندان کے مرید تھے۔ اس لیے لوگوں کو آپ سے خدمت لینے میں تکلف ہوتا۔ لوگ کہتے کہ ہم آپ کے آباء اجداد کے خادم ہیں، ہمارا منصب آپ سے خدمت لینا نہیں بلکہ آپ کی

خدمت کرنا ہے۔ آپ ان کی بات سن کر ضعیفوں، مسکینوں محتاجوں اور بیواؤں کی خدمت کے فضائل اتنے مؤثر انداز میں بیان کرتے کہ جو سنتا اس پر گریہ طاری ہو جاتا۔ آپ کے اس جذبۂ خدمت گزاری پر بسا اوقات برادری کے لوگ اس شدت اور مبالغہ سے ملامت کرتے کہ سننے والے کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ مگر آپ نے کبھی کسی کے ٹوکنے کا خیال نہیں کیا اور اپنے طریقہ سے خدمت خلق کرتے رہے۔

لکھنؤ اور دہلی کا سفر:

سید صاحب نے عمر کی سترہویں یا اٹھارہویں منزل میں احباب کی ایک جماعت کے ساتھ لکھنو کا سفر کیا۔ قافلہ آٹھ افراد پر مشتمل تھا اور سواری کے لیے صرف ایک گھوڑا تھا۔ طے یہ ہوا کہ ہر شخص دو کوس سوار ہو کر چلے۔ دیگر ساتھیوں نے تو اپنی باری استعمال کی مگر سید صاحب نے ایثار سے کام لیا اور اپنی باری رفقا کے حوالے کر دی اور وطن سے لکھنو تک کا سفر پیادہ پا طے کیا۔

چونکہ قافلہ میں محنت و مشقت کا عادی کوئی نہیں تھا اور سامان سب کے ساتھ تھا۔ سفر بھی لمبا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ آدھا سفر طے کرتے کرتے سب لوگ سامان کے بوجھ سے تھک کر چور ہو گئے۔ بار بردار کی تلاش ہوئی جو سامان اٹھا کر منزل تک پہنچا سکے مگر کوئی مناسب بار بردار بھی نہیں مل سکا۔ قافلہ کے لوگ تھکے ماندے حیران و پریشان سر جوڑ کر بیٹھے اس معاملہ کا حل سوچ رہے تھے کہ سید صاحب نے ایک حل پیش کیا۔ لیکن اپنی بات رکھنے سے پہلے اہل قافلہ سے اپنی بات ماننے کا پختہ وعدہ لے لیا۔ حل یہ تھا کہ سید صاحب نے اپنی چادر زمین پر بچھا دی اور ساتھیوں سے کہا کہ سب لوگ اپنا سامان اس پر رکھ دیں۔ میں سب کا سامان اٹھا کر منزل تک پہنچا دوں گا۔ سید صاحب کی یہ بات سن کر سب لوگ حیرت زدہ رہ گئے، کسی کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی مگر مجبور تھے، انکار بھی نہیں کر سکتے تھے کہ پختہ قول و قرار سید صاحب نے پہلے ہی لے لیا تھا۔

سامان کا پشتارہ بنا کر اٹھایا اور خوشی خوشی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ خدمت کے اس موقع کو ساتھیوں کے احسان سے تعبیر کیا۔ کہا کہ ”بھائیو اور دوستو! جو احسان آپ لوگوں نے مجھ پر فرمایا ہے اس کی شکر گزاری کا حق عمر بھر ادا نہ کر سکوں گا۔“

سید صاحب کے رفقا لکھنو تلاش معاش کے لیے آئے تھے لیکن باوجود سعی بسیار کے ایک

مدت تک روزگار کی کوئی صورت پیدا ہوتی نظر نہیں آئی۔ گھر سے جو زاد لائے تھے وہ ختم ہو گیا، گزران مشکل سے مشکل تر ہوتا چلا گیا۔ ساتھیوں میں جو لکھنا جانتے تھے وہ ''کریما'' یا ''مامقیما'' کا ایک دو جز لکھ کر شام کو بازار میں فروخت کر آتے تھے اور جن کو لکھنا نہیں آتا تھا وہ کپڑا خرید کر ٹوپی یا تھیلی سی کر فروخت کرتے۔ اس طرح بمشکل دال روٹی کا انتظام ہو جاتا تھا۔

سید صاحب کے کھانے کا انتظام ایک امیر کے یہاں ہو گیا تھا جو آپ کے والد اور دیگر اقربا کا نیاز مند تھا۔ سید صاحب کا معمول تھا کہ کھانا اس امیر کے گھر نہیں کھاتے تھے بلکہ دونوں وقت کا کھانا وہاں سے لاکر ساتھیوں کے دستر خوان پر رکھ دیتے اور ہر ممکن کوشش کرتے کہ یہ پرتکلف کھانا ان کے ساتھی کھائیں اور خود معمولی خوراک کے چند نوالے پر اکتفا کرتے۔

اسی بے روزگاری کی حالت میں چار مہینے گزر گئے، پھر سید صاحب کے میزبان کو والی لکھنو کی طرف سے سو سواروں کی بھرتی کا حکم ملا۔ اس نے دو اسامی سید صاحب کے حوالے کی۔ آپ نے یہ دونوں اسامیاں رفیقوں میں سے ان لوگوں کے حوالے کی جن سے رشتہ داری کا کوئی علاقہ نہ تھا اور عزیزوں سے فرمایا کہ ''خدا کے فضل پر بھروسہ رکھو، جلد ہی سب کا انتظام ہو جائے گا۔'' امیر سید صاحب کے اس ایثار سے از حد متاثر ہوا اور بقیہ لوگوں کے لیے بندبست کا وعدہ کیا۔

کچھ دنوں کے بعد والی لکھنو شکار کے لیے نکلا اور اس نے سید صاحب کے میزبان کو بھی معیت کا حکم دیا۔ میزبان نے سید صاحب اور ان کے رفقا کو بھی ساتھ لے لیا کہ ممکن ہے کہ سیر و شکار ہی کے دوران کوئی اسامی نکل آئے مگر تین مہینے انتظار میں گزر گئے اور ملازمت کی کوئی صورت نہیں نکل سکی۔

سید صاحب شروع ہی سے عزیزوں کو سمجھاتے رہے کہ ملازمت کا خیال دل سے نکال دو اور دہلی چل کر شاہ عبدالعزیز سے کسب فیض کریں۔ مگر آپ کے کہنے پر کسی نے کان نہیں دھرا۔ ایک رات سید صاحب نے اپنے بھانجے سید محمد علی سے کہا کہ میں کل یا پرسوں دہلی روانہ ہو جاؤں گا۔ میری خواہش ہے کہ تم بھی ساتھ چلو۔ سید محمد علی نے عرض کیا کہ میرے پاس تن کے کپڑے کے علاوہ اور کچھ نہیں، اس تہی دستی میں دہلی کیسے جایا جاسکتا ہے؟ آپ کی بات دیگر ہے، آپ صابر و شاکر اور متحمل و بردبار ہیں اور مجھ میں اتنی ہمت و طاقت نہیں کہ اس بے سرو سامانی میں دہلی جانے کو

سوچ سکوں۔

اس واقعہ کے تین دن کے بعد لشکر کا قیام ہوا، ساتھی ڈیرے میں پہنچے تو سید صاحب کو نہیں پایا۔ تلاش ہوئی مگر کہیں بھی نظر نہیں آئے۔ ان دنوں لشکر ''محمدی'' کے جنگل میں پھر رہا تھا، جس میں درندے شیر، بھالو، ریچھ وغیرہ بکثرت تھے۔ سید صاحب کو عزیزوں کو گمان ہی نہیں یقین ہو چلا تھا کہ وہ ضرور کسی درندے کا شکار ہو گئے ہیں۔ ہر شخص سے جو کسی طرف سے آتا سید صاحب کا حلیہ بتا کر پوچھتے مگر کہیں سے کوئی اطلاع نہیں مل سکی۔ اسی رنج والم کی حالت میں تین دن گزر گئے۔ چوتھے روز ایک آدمی گھنے جنگل کی طرف سے آیا تو اس سے حلیہ بتا کر پوچھا تو اس نے بتلایا کہ راستے میں مجھے اس حلیہ کا آدمی ملا تھا جو راب کا مٹکہ اٹھائے لے جا رہا تھا اور اس کے پیچھے ایک سپاہی بھی تھا۔ چہرہ پر شرافت ونجابت کے آثار تھے، شکل سے مزدور نہیں لگ رہا تھا۔ میں نے سپاہی سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے عجیب قصہ سنایا۔

سپاہی نے بتلایا کہ مجھے مزدور کی ضرورت تھی اور سوائے ایک بوڑھے مزدور کے کوئی مل نہیں رہا تھا۔ میں نے اس بوڑھے سے معاملہ طے کیا اور مٹکا اس کے سر پر لا دیا۔ وہ تھوڑی دور چلا ہوگا کہ ہانپنے لگا اور اس کے پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ اسی اثنا میں یہ نوجوان پہنچا اور بوڑھے مزدور کی حالت دیکھ کر مجھے سرزنش کرنے لگا کہ تمہیں شرم نہیں آتی بوڑھے آدمی سے بے گار کراتے ہوئے؟ میں نے پوری صورت حال اس کے سامنے رکھی اور معاملہ کی بات بھی بتائی تو اس نے بوڑھے سے تصدیق چاہی۔ اس نے میری بات کی تصدیق کر دی اور یہ بھی کہا کہ رات کے فاقے نے مجھے مزدوری پر مجبور کر دیا ہے۔ اس نوجوان نے کہا کہ جو بھی مزدوری طے ہوئی تھی اس کو دے کر رخصت کرو، یہاں سے میں تمہارا مٹکا اٹھا کر منزل تک پہنچا دوں گا۔

ساتھیوں نے جب یہ واقعہ سنا تو انہیں یقین ہو گیا کہ یہ سید صاحب ہی تھے۔ کیوں کہ مسکینوں اور ضعیفوں کے ساتھ یہ سلوک اور ایثار وقربانی کا یہ جذبہ ان کے علاوہ شاید وباید ہی کسی کے قلب میں اس درجہ ہو۔

سید صاحب جس جگہ سے دہلی کے لیے روانہ ہوئے تھے وہاں سے دہلی کا فاصلہ چودہ کوس تھا، اور آپ کی جیب میں فقط تین پیسے تھے۔ آپ نے اپنے جی میں عزم کیا کہ تیز رفتاری سے

چلیں گے تو کہ ایک دن میں دو تین منزلیں طے ہو جائیں اور چوتھائی راستہ طے کرنے کے بعد ایک پیسہ کھانے پر خرچ کریں گے، تا کہ یہ تین پیسے اخیر منزل تک کام آویں۔ چنانچہ چوتھائی راستہ طے کرنے کے بعد ایک جگہ آپ نے ایک پیسہ کا ستو اور گڑ خریدا، اور گھول کر پینے ہی جا رہے تھے کہ ایک طرف سے کان میں صدا آئی کہ اگر یہ مجھے نہیں دو گے تو میں بھوک سے مر جاؤں گا۔ سید صاحب رک گئے اور وہ ستو صدا دینے والے کے حوالے کیا اور تسبیح وتہلیل کرتے ہوئے آگے روانہ ہو گئے۔

مزید ایک چوتھائی راستہ طے کرنے کے بعد آپ نے پھر ایک پیسے کا گڑ اور ستو خریدا اور گھول کر پیا۔ ساتھیوں سے الگ ہونے کے بعد یہ پہلی چیز تھی جو آپ کی حلق سے نیچے اتری۔ گڑ اور ستو کا محلول پی کر منزل کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ گو کہ آپ جسمانی اعتبار سے بہت مضبوط تھے اور آپ کا بدن مشقتوں کا عادی تھا مگر اس سد رمق سے بھی کم خوراک اور مسلسل سفر میں تا بکے آپ کا جسم آپ کی جواں ہمتی کا ساتھ دیتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پاؤں میں چھالے پڑ گئے اور جسم تھک کر نڈھال ہو گیا۔ مجبور ہو کر آرام کی غرض سے ایک مسجد میں قیام کیا۔ رات مسجد میں گزاری، دوسرے دن عصر کی نماز کے بعد ایک سپاہی مسجد میں آیا اور آپ سے نام اور وطن کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے رائے بریلی کا نام لیا تو اس نے تفصیلات معلوم کیں۔ جب آپ نے اپنے والد کا نام بتلایا تو عقدہ کھلا کہ وہ سپاہی آپ کے والد کا مرید ہے۔ اصرار کر کے گھر لے جانا چاہا تو آپ نے شرط رکھی کہ گھر جانے کے بعد اگر آپ مجھے دلی جانے سے نہیں روکیں گے تو میں آپ کے ساتھ آپ کے گھر جا سکتا ہوں، ورنہ نہیں۔ سپاہی نے اطمینان دلایا کہ دلی جانے سے روکنا تو دور کی بات، ہم خود آپ کو دلی پہنچا دیں گے۔

وہ سپاہی آپ کو اپنے گھر لایا، مہندی اور ببول کی پتی کا لیپ پاؤں کے چھالوں پر لگایا۔ چند دن آپ نے وہیں آرام کیا۔ اس کے بعد میزبان نے گھوڑے کا انتظام کر دیا جس پر آپ سوار ہو کر دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں:

سید صاحب دہلی پہنچے تو سیدھے شاہ صاحب کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔

چونکہ پہلے سے تعارف تھا نہیں، اس لیے معمول کے مطابق شاہ صاحب نے سلام ومصافحہ کے بعد آپ کا تعارف چاہا۔ آپ نے نام ووطن بتلایا تو شاہ صاحب نے خاندان کے بارے میں استفسار کیا۔ آپ نے عرض کیا کہ سادات سے تعلق ہے تو شاہ صاحب نے سید ابوسعید اور سید نعمان کا نام لیا۔ سید صاحب نے بتلایا کہ سید ابوسعید میرے حقیقی نانا اور سید نعمان حقیقی چچا تھے۔ یہ سنتے ہی شاہ صاحب نے دوبارہ گرم جوشی سے مصافحہ ومعانقہ کیا اور اپنے پاس بیٹھا کر آنے غرض پوچھی۔ سید صاحب نے عرض کیا کہ آپ کی ذات کو غنیمت جان کر وصول الی اللہ کی منزل کی طلب میں حاضر ہوا ہوں۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ خدا کا فضل شامل حال رہا تو اپنی مادری وپدری وراثت حاصل کرلوگے۔ اس کے بعد ایک نوکر کو ساتھ کردیا کہ سید صاحب کو اکبرآبادی مسجد میں شاہ عبدالقادر صاحب کے پاس پہنچادے اور وہیں قیام کا انتظام کردے۔

اکبرآبادی مسجد میں سکونت اختیار کرنے بعد آپ نے شاہ عبدالقادر صاحب سے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ آپ نے کس جماعت تک تعلیم حاصل کی؟ اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں کتنی استعداد بہم پہنچائی؟ اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ گزشتہ سطروں میں مندرج ''ارواح ثلاثہ'' کی روایت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ابتدائی کتابوں کے علاوہ کافیہ اور مشکوۃ شریف بھی پڑھی تھی۔ اس کے بعد کی تعلیم کے بارے میں حتمی طور سے کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے۔ مگر اس سے اتنی بات تو بے غبار ہوہی جاتی ہے کہ آپ کے سلسلے میں امیت والی بات کی حیثیت افسانہ محض سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

۱۲۲۲ھ میں سید صاحب نے شاہ صاحب کے ہاتھ پر تینوں سلسلوں یعنی نقشبندیہ، چشتیہ اور سہروردیہ میں بیعت کی اور بہت جلد مدارج سلوک طے کرکے شغل برزخ تک پہنچ گئے۔ شغل برزخ میں تصور شیخ کا حکم ہوا، سید صاحب کو یہ بات کھٹکی۔ ادب سے عرض کیا کہ تصور شیخ اور بت پرستی میں کیا فرق ہے؟ مفصل بیان ہوجاتا تو اطمینان قلب حاصل ہوجاتا۔ شاہ صاحب نے حافظ کا شعر پڑھا۔

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

سید صاحب نے عرض کیا کہ میں فرماں بردار ہوں، وصول الی اللہ کی منزلیں ہی طے کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں مگر یہ بات جی کو بھلی نہیں معلوم ہو رہی ہے۔ تصور شیخ بت پرستی ہی کی ایک قسم لگ رہی ہے۔ اگر قرآن و حدیث سے اس کا ثبوت مل جاتا تو اطمینان ہو جاتا۔ شاہ صاحب نے یہ بات سنی تو سید صاحب کو گلے لگا لیا اور فرمایا کہ ’فرزند! خدائے برتر نے اپنے فضل و رحمت سے تجھے ولایت انبیاء عطا فرمائی ہے۔

سید صاحب نے ولایت انبیاء کی تشریح پوچھی تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ ”ولایت دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک ولایت انبیاء اور دوسری ولایت اولیاء۔ جس شخص کو ولایت اولیا عطا ہوتی ہے وہ دن رات ریاضت و مجاہدہ، صوم و صلوۃ اور کثرت نوافل میں مصروف رہتا ہے۔ لوگوں کی صحبت سے اسے گریز ہوتا ہے اور گوشہ تنہائی میں بیٹھا اللہ کی یاد سے لذت اندوز ہوتا رہتا ہے۔ اسے فاسقوں و فاجروں کو وعظ نصیحت سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ صوفیا کی اصطلاح میں اسے ”قرب بالنوافل“ کہتے ہیں۔

اور ولایت انبیاء جس خوش نصیب کو مرحمت ہو اس کے دل میں محبت الٰہی اس طرح سما جاتی ہے کہ اس کے سوا کسی چیز کی گنجائش نہیں رہتی۔ وہ ہر وقت بندگان خدا کو نیکی کی راہ پر لگانے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ مرضیات خدا کے کام میں کسی کے طعن و تشنیع کی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ توحید کی اشاعت میں بے خوف اور سنن کے احیا میں بے باک ہوتا ہے۔ اگر ضرورت پڑے تو اپنا مال و جان سب کچھ اس پر نچھاور کر دیتا ہے۔ اس کو اصطلاح میں ”قرب بالفرائض“ کہتے ہیں۔

شاہ صاحب سے بیعت ہونے کے بعد آپ نے سخت مجاہدے اور کٹھن ریاضتیں کیں۔ پوری رات عبادت میں گزارتے۔ سالہا سال عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی۔ ۱۲۲۲ھ رمضان کی اکسویں رات کو آپ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ شب قدر کب ہے؟ تاکہ اس کے لیے مزید اہتمام کیا جا سکے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ ”شب بیداری کا معمول جاری رکھو۔ یہ جان لو کہ جاگتے رہنے سے کچھ نہیں ہوتا، پاسبان ساری رات آنکھوں میں گزار دیتے ہیں مگر انہیں فیض آسمانی کی دولت سے کب حصہ ملتا ہے؟ خدائے برتر کا فیض شامل حال ہونا چاہئے۔ نصیبہ یاور ہو تو انسان کو سوتے سے جگا کر دامن طلب کو برکات کے موتیوں سے بھر دیا جاتا ہے۔“

شاہ صاحب کی بات سن آپ قیام گاہ پر آ گئے۔ چوں کہ کئی راتیں شب قدر کی جستجو میں جاگ کر گزاری تھیں، ستائیسویں شب میں تراویح کے بعد آپ پر سخت نیند کا غلبہ ہوا، اور سو گئے۔ رات کے آخری حصہ میں کسی نے آپ کو جگایا، بیدار ہوئے تو دیکھا کہ دائیں طرف آں حضرت ﷺ اور بائیں طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ’’احمد! اٹھ اور غسل کر، آج شب قدر ہے، خدا کی یاد میں مشغول ہو جا اور قاضی الحاجات کی بارگاہ میں دعا و مناجات کر۔‘‘ سید صاحب بھاگے ہوئے گئے اور کپڑوں سمیت حوض میں غسل کیا۔ واپس آئے تو کمرہ خالی تھا، آپ عبادت میں مصروف ہو گئے۔

سید صاحب اس رات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ’’اس رات مجھ پر افضال الٰہی کی عجیب بارش ہوئی اور حیرت انگیز واردات روح افروز ہوئے۔ بصیرت باطنی اس قدر روشن ہو گئی کہ اشجار و احجار بھی بارگاہ الٰہی میں سربسجود نظر آتے تھے، اور اس طریق پر تسبیح و تہلیل کر رہے تھے کہ اسے معرض بیان میں لانا مشکل ہے۔ صبح کی اذان تک یہی کیفیت رہی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ عالم غیب کا معاملہ تھا یا عالم شہادت کا؟ یعنی رویا میں یہ سب کچھ پیش آیا یا عالم اجسام میں؟‘‘

شادی:

۱۲۲۲ھ کے اواخر یا ۱۲۲۳ھ کے اوائل میں آپ نے شاہ صاحب سے اجازت لے کر وطن کا قصد کیا۔ پا پیادہ دہلی سے رائے بریلی کا راستہ طے کیا۔ عصر کے وقت تکیہ پہنچے۔ چونکہ جس وقت آپ وطن سے نکلے تھے، آپ کی داڑھی مونچھ نہیں تھی۔ اب پانچ سال کے بعد واپس لوٹے ہیں تو داڑھی مونچھ بھی نکل چکی تھی اور لباس و پوشاک بھی بدل کر درویشانہ ہو گئے تھے۔ اول وہلہ میں تو آپ کے اعزا آپ کو پہچان نہ سکے۔ والدہ نے آپ کو فقیرانہ لباس میں دیکھا تو سخت متأسف ہوئیں۔ آپ نے والدہ کی دلجوئی کے لیے اس لباس کو ترک کر دیا۔

وطن پہنچے تو آپ کی عمر بائیس سال مکمل ہو چکی تھی اور تیئیسواں سال شروع ہو چکا تھا۔ والدہ اور دیگر اقربا کو آپ کی شادی کی فکر ہوئی۔ نسبت پہلے سے خاندان میں طے تھی، شادی کی بات شروع ہوئی تو سید صاحب کا درویشانہ حال دیکھ کر لڑکی والوں کو تردد ہوا۔ مگر اعزا کی فہمائش کام آئی اور وہ لوگ راضی ہو گئے۔ چنانچہ ۱۲۲۳ھ میں سید صاحب کی شادی سید محمد روشن کی دختر سید

زہرہ سے نصیر آباد میں ہوئی۔ سیدزہرہ سید علم اللہ شاہ کے حقیقی چچا سید اسحاق کی اولاد میں سے تھیں۔

نواب امیر خان سے تعاون:

شادی کے بعد تقریباً ساڑھے تین سال تک سید صاحب وطن ہی میں رہے۔ ۱۲۲۶ھ میں آپ نے نواب امیر خان کی رفاقت کا فیصلہ کیا۔ سید صاحب کے مزاج وطبیعت کے پیش نظر یہ بات حتمی طور سے کہی جاسکتی ہے کہ آپ کا یہ فیصلہ کسب معاش یا کسی اور غرض کے لیے نہیں تھا۔ بلکہ صرف اور صرف خدمت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ آپ کو نواب امیر خان کے لشکر میں لے گیا۔ اس کی بین شہادت بعد کے واقعات سے بھی ملتی ہے کہ جب حالات بگڑ گئے اور امیر خان کے لشکر کا رخ بدل گیا تو آپ نے علاحدگی اختیار کرلی اور خالص اسلامی اصولوں پر فداکاروں کی ایک جماعت ترتیب دی اور حیات طیبہ کے گراں قدر لمحات جاں بازی وجانفشانی میں صرف کیے۔

نواب امیر خان بونیر (سرحد آزاد) کے سالار زئی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ امیر خان آخری دور کے آزاد ہندوستانی امیروں میں سب سے زیادہ طاقت ور تھا۔ ایک موقع پر اس کے پاس چالیس ہزار جانباز جمع ہوگئے تھے، اور ایک سو پندرہ توپیں اس کے لشکر میں تھیں۔ سید صاحب آزادی وطن اور احیائے اسلام کا نصب العین لے کر اس کے پاس گئے تھے کہ اس عظیم الشان آزاد قوت کو درست راستے پر لگا کر اس سے یہ عظیم کام لیں مگر خدا کو منظور نہ تھا۔ حالات ایسے بدلے کہ آپ کو اس سے علاحدگی اختیار کرنی پڑی۔

نواب امیر خان سے علاحدگی:

نواب امیر خان بلاشبہ انتہائی بہادر اور جواں مرد انسان تھا۔ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں آزادی کا وہ آخری طاقت ور شہباز تھا لیکن یہ ایک المیہ ہے کہ وہ جتنا بہادر تھا اتنا مدبر نہ تھا۔ انگریزوں نے اس کے پر کو کترنے کے لیے اور اس کے بازو کو نوچنے کے لیے ایسے خفیہ طریقے سے جال بچھایا کہ اس کو خبر ہی نہ ہوسکی، اور جب خبر ہوئی تو بہت دیر ہوچکی تھی۔ اس وقت تک وہ انگریزوں کی سازش کے جال میں پوری طرح گھر چکا تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے ’’تحریک سید احمد شہید‘‘۔ از: غلام رسول مہر۔ ج ۱۔ ص ۱۵۴) اس کے سامنے صرف مصالحت ہی کی صورت بچی

تھی۔ کیوں کہ کچھ اپنوں کی کرم فرمائیوں کی وجہ سے اسے یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ اگر وہ پیکار کے لیے آمادہ ہوا تو کچھ لوگ ہوس زر کے چکر میں خود اسے انگریزوں کے حوالہ کردیں گے۔ اس لیے اس نے انگریزوں کے مصالحت کے لیے بڑھے ہوئے ہاتھ کو قبول کرلیا اور امیر خان کے وکیل نے اصل معاہدہ پر دستخط کردیے اور گورنر جنرل نے اس کی تصدیق بھی کردی۔

سید صاحب کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے امیر خان کو سمجھانے کی کوشش کی۔ اس سے کہا کہ ’’آپ انگریزوں سے لڑتے رہیں، خدا آپ کے ساتھ ہے۔ اگر فتح ہوئی تو فہوالمراد، اور اگر شہید ہوئے تو یہ بھی بہت بڑا اعزاز ہے۔ مگر انگریزوں کے ساتھ ملنا اور ان سے مصالحت کرنا بہت برا ہے۔‘‘ امیر خان نے عذر پیش کیا کہ لوگ خود غرضی میں مبتلا ہوگئے ہیں، باہم اتفاق نہیں۔ اس وقت مصالحت ہی مصلحت ہے، تو آپ نے کہا کہ ’’بہتر ہے، آپ مختار ہیں جو چاہے کریں۔ آپ مصالحت پر آمادہ ہیں تو پھر ہم رخصت ہوتے ہیں۔‘‘ نواب نے بہت روکنے کی کوشش کی مگر آپ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر اسی وقت لشکر سے نکل کر جے پور چلے آئے۔

اسی اثنا میں سید صاحب کو خبر ملی کہ ڈیوڈ آکٹر لونی امیر خان سے ملنے جارہا ہے۔ لونی کے پہنچنے سے قبل سید صاحب آدھی رات کو لشکر میں پہنچ گئے۔ فجر کی نماز میں امیر خان مسجد میں آیا اور وہیں سید صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اس موقع پر بھی سید صاحب نے کہا کہ ’’آخری مرتبہ سمجھانے آیا ہوں۔ ابھی کچھ نہیں ہوا ہے، اختیار باقی ہے۔ اگر میرا کہنا مانو تو انگریزوں سے لڑو، ہرگز نہ ملو، بعد ملنے کے آپ سے کچھ نہ ہوسکے گا۔ یہ کفار بڑے دغاباز اور مکار ہیں، کچھ آپ کے واسطے جاگیر یا تنخواہ وغیرہ مقرر کرکے کہیں بٹھا دیں گے کہ روٹیاں کھایا کیجیے۔ پھر یہ بات ہاتھ سے جاتی رہے گی۔‘‘

نواب نے پھر وہی جواب دیا کہ اس وقت ملنا ہی مناسب ہے۔ آپ نے کہا خیر، کوئی بات نہیں اور رخصتی مصافحہ کرکے روانہ ہوگئے۔

اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ امیر خان سے تعلقات آپ کے نزدیک اسی وقت تک بجا تھے جب تک وہ آزاد تھا۔ انگریزوں کے زیر اثر آجانے بعد دیگر امرا اور رؤسا جو پہلے ہی سے مصالحت کی مہندی ہاتھوں میں لگا کر بیٹھ چکے تھے، ان کے اور امیر خان کے درمیان کوئی فرق

نہیں رہا۔ اس سے آپ کا نصب العین بھی سورج کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ امیر خان سے ملنے کا مقصد محض ہندوستان کو انگریزوں کے تصرف سے نجات دلانا اور اسلامی نظام حکومت کی بنیاد رکھنا تھا۔ جب تک وہ آزاد رہا اور آپ کے کام کا رہا تو آپ اس کے ساتھ رہے۔ جب اس شہباز نے خود ہی انگریزوں سے اپنے بازو نچوا لیے تو آپ بھی اس سے علاحدہ ہو گئے۔

بیعت واصلاح کا آغاز:

سید صاحب امیر خان کے لشکر میں سات یا آٹھ برس رہے۔ اس مدت میں آپ کی خداداد صلاحیتیں کمال تک پہنچ گئی تھیں۔ تصوف وسلوک کی ان منزلوں کو بھی طے کر لیا تھا جو دنیائے تصوف کے اکابر کے لیے مخصوص سمجھی جاتی تھیں۔ اور لشکر گاہ میں بھی آپ صرف ایک عسکری کی حیثیت سے نہیں تھے بلکہ ایک ذمہ دار مشیر کے طور پر کام کر چکے تھے۔ گویا دین داری اور دنیاوی مسائل دونوں میں آپ خوب پختہ ہو چکے تھے۔

لشکر سے نکلنے کے بعد آپ دہلی میں وارد ہوئے اور شاہ صاحب کی خدمت میں حاضری دی۔ شاہ صاحب نے قیام کے لیے اکبرآبادی مسجد میں بھیج دیا۔ پہلی مرتبہ جب آپ نے اکبرآبادی مسجد میں قیام کیا تھا تو اس وقت شاہ عبدالقادر صاحب مسجد میں درس دیتے تھے۔ اب ان کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کی جگہ شاہ رفیع الدین صاحب درس دے رہے تھے۔

سید صاحب کو اکبرآبادی مسجد میں قیام کیے ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ بیعت و طریقت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اکابر میں سب سے پہلے مولانا یوسف پھلتی نے بیعت کی جو کہ شاہ ولی اللہ کے بڑے بھائی شاہ اہل اللہ کے پوتے تھے۔ اور اسی نسبت سے ان کا شمار خاندان ولی اللہی میں ہوتا تھا۔ اس کے بعد مولانا عبدالحی صاحب نے بیعت کی۔ آپ کی بیعت کا واقعہ کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن آپ نے اسرار نماز اور حضور قلب کے بارے میں شاہ عبدالعزیز صاحب سے کچھ بات کی۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس کے بارے میں تصوف وسلوک کی کتابوں میں تفصیلات موجود ہیں، اس سے رجوع کرنا چاہیے۔ مثلاً احیا علوم الدین۔ لیکن یہ چیز ایسی ہے کہ اس کا حصول کتابوں سے نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے مرشد کامل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ساتھ میں سید صاحب سے مراجعت کرنے مشورہ دیا۔ مولانا سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے

اور مدعا بیان کیا۔ سید صاحب نے فرمایا ''مولانا صاحب! یہ مقصد گفتگو سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہی نماز ہے جو حضرت جبریل نے رب العالمین کے حکم سے خود امام بن کر حضرت سید الانبیا ﷺ کو آغاز نبوت میں پڑھائی تھی۔ اٹھئے اور دو رکعت نماز میرے پیچھے پڑھیے۔''

حسب ارشاد مولانا نے سید صاحب کی اقتدا میں دو رکعت کی نیت باندھ لی۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ 'ان دو رکعتوں میں جو نعمتیں حاصل ہوئیں وہ عمر بھر مجھے نہ مل سکیں۔'

نماز کے بعد اجازت لے کر گھر آئے اور پوری کیفیت شاہ اسماعیل صاحب کو سنائی۔ شاہ صاحب سنتے ہی مولانا عبدالحی صاحب کو لے کر سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے شاہ صاحب کو بھی مولانا کی طرح دو رکعت نماز پڑھائی۔ اس دن کے بعد سے یہ دونوں حضرات آپ کے دامن فیض سے ایسے وابستہ ہوئے کہ پھر پوری زندگی جدا نہیں ہوئے۔

ان کے بعد شاہ اسحاق صاحب، شاہ یعقوب صاحب، حکیم مغیث الدین صاحب، مولانا وجیہہ الدین صاحب، حافظ معین الدین صاحب اور ان کے فرزند سید صاحب کے دامن فیض سے وابستہ ہوگئے۔ ان اکابر علم کی آپ سے وابستگی نے اس وقت کے اکثر اصحاب علم کی توجہ آپ کی جانب پھیر دی۔ دہلی، پھلت، بڑھانہ اور آس پاس کی بستیاں آپ کے ذکر سے معمور ہوگئیں۔ یہی وہ زمانہ تھا جب سید صاحب کے پاس مختلف اقطاع و بلاد سے دعوت نامے آنے شروع ہوگئے کہ 'سب لوگ دہلی آپ کے پاس حاضر نہیں ہوسکتے، از راہ تلطف و خیر خواہی آپ ہی تشریف لاکر سب کو شرف دیدار و بیعت سے مشرف فرمائیں۔'

دوآبے کا دورہ:

سید صاحب کے پاس زیادہ تر دعوت نامے میرٹھ، مظفر نگر اور سہارن پور سے آئے تھے۔ آپ نے شاہ اسماعیل صاحب کے وساطت سے وہ سارے دعوت نامے شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں بھیجے اور اجازت طلب کی۔ شاہ صاحب نے بخوشی اجازت دیدی اور بوقت رخصت اپنا لباس خاص عنایت فرمایا جو سفید رنگ کا تھا اور دستار سیاہ تھی۔

اس دورے میں سید صاحب کے پیش نظر دو مقصد تھے۔ اول مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح۔ اور دوم اس بات کا اندازہ کہ اصل مقصد یعنی دعوت جہاد کی پذیرائی کے کیا

امکانات ہیں؟ دورے میں کم وبیش چھ مہینے صرف ہوئے۔ اس دورے میں آپ نے جن مقامات کو تشریف بری کی سعادت بخشی ان میں معروف مقامات یہ ہیں۔ غازی الدین نگر (غازی آباد) مرادنگر، میرٹھ، کاندھلہ، بڈھانہ، پھلت، مظفرنگر، دیوبند، گنگوہ، تھانہ بھون، رام پور، لوہاری، سہارن پور، انبیٹھہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ نسبتاً غیر معروف اور چھوٹے چھوٹے گاؤں اور دیہات کے نام بھی روایتوں میں آتے ہیں۔

اس دورہ میں کم وبیش بیس آدمی آپ کے ہم سفر تھے۔ دہلی سے نکل کر جمنا کو عبور کیا اور راستے میں ایک منزل کر کے غازی آباد پہنچے۔ وہاں تقریباً دوسو آدمی آپ کی پذیرائی کے لیے موجود تھے۔ پہلے دن صرف چار آدمیوں نے بیعت کی، پھر طلب گاران فیض کا اتنا ہجوم ہوا کہ مسلسل پانچ دن آپ کو مہلت نہ مل سکی۔ اس کے بعد مرادنگر میں مفتی الٰہی بخش کے صاحبزادے مولوی ابوالقاسم تھانیدار نے برقندازوں سمیت آپ سے بیعت کی۔ میرٹھ میں قاضی احمد اللہ ابن قاضی حیات بخش پچاس آدمیوں کے ساتھ میرٹھ سے کئی میل باہر نکل کر آپ کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ وہاں کے اکابر نے دعوت کا بندبست کیا اور بیعت بھی کی۔ سردھنہ میں پچیس آدمی پیشوائی کے لیے سڑک پر موجود تھے، وہاں بھی سینکڑوں لوگوں نے بیعت کی۔ لوگوں کی بے تابیوں کا یہ حال تھا کہ جدھر سے آپ کا گزر ہوتا آس پاس کے دیہات کے لوگ راستوں پر آ کر بیٹھ جاتے اور اپنے یہاں لے جانے پر اصرار کرتے۔ سید صاحب دعا فرماتے اور عذر کر دیتے۔ بعض جگہ عذر سے بھی کام نہیں چلتا تو مجبوراً تھوڑی دیر رکنا پڑا۔

بڈھانہ میں مولانا عبدالحی صاحب کے مکان پر آپ نے قیام فرمایا۔ بڈھانہ کے اکابر نے آپ کی دعوتیں بھی کیں لیکن زیادہ تر کھانا مولانا ہی کے یہاں پکتا۔ روز آنہ پر تکلف کھانے کا اہتمام مولانا کرتے۔ سید صاحب نے منع کیا تو مولانا نے کہا: ”حضرت! آپ کی معمولی آسائش کے لیے اگر میرا گھر بھی بک جائے تو میں اسے سعادت سمجھوں گا۔“

پھلت میں شیخ ولی محمد صاحب کے مکان پر آپ نے قیام فرمایا۔ پھلت سے نکلے تو مظفرنگر ہوتے ہوئے دیوبند پہنچے۔ دیوبند میں آپ نے دس دن قیام فرمایا۔ وہاں سے املیا گئے۔ گنگوہ میں مکلے کی سرائے میں قیام ہوا۔ نانوتہ پہنچے تو وہاں کی جامع مسجد میں ٹھہرے۔ انبیٹھہ میں

میاں صابر بخش شاہ ابوالمعالی کے سجادہ نشیں کے یہاں آپ کی دعوت ہوئی۔ سہارن پور میں مسجد بونبی میں ٹھہرے۔ یہیں شاہ عبدالرحیم ولایتی سے ملاقات ہوئی جو کہ بہت بڑے پیر سمجھے جاتے تھے۔ سید صاحب کو دیکھا تو خود بھی بیعت ہوئے اور مریدوں کو بھی بیعت ہونے کا حکم دیا۔ کہا کرتے تھے کہ ’ہمیں نہ نماز پڑھنا آتی تھی اور نہ ہی روزہ رکھنا آتا تھا۔ سید صاحب کی برکت سے ہم دونوں کام سیکھ گئے۔‘

یہ دورہ اس زمانہ کے عام پیروں کے دورہ کی طرح نہیں تھا کہ صرف حلقہ بنا کر توجہ دی جائے، بلکہ اپنی بعض خصوصیات میں بہت ہی فائق اور ممتاز تھا۔ مثلاً باقاعدہ وعظ کا اہتمام ہوتا تھا جس میں خاص طور سے بدعات ومحدثات کے ردوازالہ پر بہت زور دیا جاتا تھا۔ ان رسموں کو پورے اہتمام سے ختم کرنے کی کوشش کی جاتی تھی جو مدت سے غیر مسلموں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے مسلمانوں میں سرایت کر گئی تھیں۔ اسلامی احکام کے فضائل اور سنتوں کی خوبیاں اس انداز سے بیان کی جاتی تھیں کہ جو بھی سنتا اسے دل وجان سے قبول کرتا۔

دورہ ختم ہوا، دہلی پہنچتے ہی وطن جانے کی تیاری شروع کر دی۔ اعزا اور اہل خاندان سے بچھڑے ہوئے دس سال گزر گئے تھے اور پھر اپنے بھائی سید اسحاق سے جب وہ دورہ شروع ہونے سے قبل دہلی آپ کو لینے کے لیے آئے تھے، تو آپ نے وعدہ کیا تھا دورہ کے فوراً بعد وطن آجاؤں گا۔

سوئے وطن:

دہلی سے وطن کے سفر میں آپ کے ساتھ پچاس سے کچھ زائد لوگ تھے۔ پہلی منزل غازی آباد میں کی۔ وہیں بڑے بھائی سید اسحاق کے انتقال کی خبر ملی۔ سید اسحاق صاحب کا انتقال ۷/ جمادی الاول ۱۲۳۴ھ (۳/ اپریل ۱۸۱۹ء) کو ہوا۔ انتقال کے وقت سید عبدالرحمان (سید صاحب کے بھانجے) کے سوا اعزا میں سے کوئی بھی گھر پر موجود نہیں تھا۔ سید عبدالرحمان ہی نے کفن دفن کا انتظام کیا اور انتقال کی خبر سید صاحب کے پاس بھیجی۔

غازی آباد سے چلے تو ہاپوڑ، گڑھ مکتیشر، امروہہ اور مراد آباد قیام کرتے ہوئے رام پور پہنچے۔ رام پور میں حاجی زین العابدین صاحب کے مکان پر قیام ہوا۔ اس مدت میں والی رام پور

نواب احمد علی نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ رام پور کے بعد ایک منزل راستہ میں کی، پھر بانس بریلی پہنچ کر جامع مسجد میں مقیم ہوئے۔ بانس بریلی کے نواب کو جب آپ کی آمد کا علم ہوا تو وہ باصرار آپ کو اپنے مکان پر لے گیا اور متعلقین سمیت بیعت سے مشرف ہوا۔

آپ جس دن اپنے وطن رائے بریلی پہنچے اسی دن رمضان المبارک کا چاند دیکھا گیا گویا کہ اہلِ وطن کے لیے رمضان اور برکات اسلامی کا یہ چاند بیک وقت ظہور پذیر ہوا، اور ان کے لیے دوہری خوشی کا سامان بہم پہنچایا۔

۲۶ / مہینے وطن میں:

رائے بریلی میں آپ کے قیام کی مدت دو سال دو مہینے ہے۔ یعنی رمضان ۱۲۳۴ھ کی پہلی تاریخ سے شوال ۱۲۳۶ھ کی آخری تاریخ تک۔ یہ مدت اصلاح و تبلیغ کی سرگرمیوں کے علاوہ جہاد کی تیاری و تنظیم میں گزری۔ اس مدت میں طرح طرح کی صعوبتیں اور تکالیف آپ اور آپ کے رفقا نے برداشت کیں۔ پیچھے مذکور ہوا کہ دہلی سے آپ کے ساتھ آنے والے افراد پچاس سے زائد تھے۔ ان میں سے سولہ افراد تو آپ کے خاندان کے تھے جن کا نان و نفقہ آپ کے ذمہ تھا۔ اس کے علاوہ روزانہ بیعت کے لیے بکثرت لوگ آیا کرتے تھے۔ روزانہ آپ کے دسترخوان پر کھانے والوں کا اوسط سو سے کم نہ تھا۔ سید صاحب کا یہ حال تھا کہ نہ آپ کسی ریاست کے مالک تھے اور نہ ہی آپ کے پاس کوئی جاگیر تھی کہ اتنے افراد کے کھانے کا بوجھ بسہولت برداشت کر لیتے۔ تاہم آپ کے پاس توکل اور اعتماد علی اللہ کی بے کراں قوت تھی جس کے بھروسے آپ کا سارا کام چلتا رہا۔ نہ کبھی دل تنگ ہوئے اور نہ پریشان! ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ ”ہمیں اپنے رزاقِ مطلق کی رزق رسانی پر اس درجہ اعتماد ہے کہ اگر سندھ کے ریگستانوں میں یا عرب کے بیابانوں میں بھی ہوں، جہاں آب و دانا کا ملاً ناپید ہے، اور ساتوں ولایتوں کے باشندے ہمارے ساتھ ہوں تو ان ویرانوں میں آبادیوں سے بڑھ کر رمق موجود و مہیا ہو گا۔“

آپ کے اسی اعتماد علی اللہ کی برکت تھی کہ سخت سے سخت حالات میں بھی آپ کے ارادت مند بالکل مطمئن ہوتے۔ نہ صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے جاتا اور نہ لب حرفِ شکایت سے آلودہ ہوتے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ صرف اتنے پیسے ہوتے کہ تھوڑے سے چنے خریدے

جاسکیں، اس کو جوش دے کر نمک ملا کر سب کو دو دو گھونٹ پلا دیا جاتا۔ سید محمد علی صاحب ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ دو دن تک ایک دانہ بھی حلق سے نہ اترا، مینہ کی جھڑی کا یہ عالم تھا گویا آسمان کے سارے دریچے کھل گئے ہوں۔ رات ہوئی تو بستر پر جا پڑا مگر بھوک کی وجہ سے نیند غائب تھی۔ کروٹیں بدلتے رات کا ایک حصہ گزر گیا۔ آخر بے تاب ہو کر اٹھا اور مسجد چلا گیا، جہاں سید صاحب رفقا سمیت ذکر و شغل میں مصروف تھے۔ میں نے کہا 'دوستو! کیا حال ہے؟' شاہ اسماعیل صاحب نے کہا کہ آیئے! آپ بھی تجلیٔ بے رنگ کا تماشہ دیکھئے۔ سید صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کر پہلو میں بٹھا لیا۔ مجلس کا حال یہ تھا کہ سب پر سرور و شادمانی کی کیفیت طاری تھی۔ میں بے اختیار ہو کر رو پڑا اور سید صاحب سے عرض کیا کہ گھر میں سب لوگ بھوک سے بے چین ہیں۔ آپ صبر و تحمل کے پہاڑ ہیں مگر ہم لوگوں کی ہمت جواب دے چکی ہے۔ للہ قرابت کو مدنظر رکھتے ہوئے دعا فرمایئے کہ بارش تھمے اور ہم بے طاقتوں کے لیے قوت لایموت کا سروسامان ہو۔''

سید صاحب نے مسکرا کر فرمایا کہ بھائیو! 'اس آشفتہ حال کے لیے دعا کرو۔' چنانچہ سب لوگ دعا میں مشغول ہو گئے۔ ایک گھڑی نہ گزری تھی کہ بادل چھٹ گئے اور آسمان صاف ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سئی ندی کے پار سے دو آدمیوں کی آواز آئی کہ کشتی بھیجو۔ سید صاحب خود مسجد سے باہر نکلے اور استفسار کیا کہ کون؟ معلوم ہوا کہ سید صاحب کے مرید سید یاسین نے کچھ روپئے بطور نذر کے بھیجے ہیں۔ کشتی بھیجی گئی وہ لوگ آئے اور روپئے پیش کیے۔ آپ نے پورے روپئے مجھ کو دے کر فرمایا کہ کھانے کا انتظام کرو۔ چاول دال منگوا کر کھچڑی پکوائی گئی اور سب لوگوں نے کھایا۔''

سید صاحب کے پیش نظر چونکہ جہاد فی سبیل اللہ تھا اسی لیے وطن پہنچ کر کچھ دنوں کے بعد آپ نے ارادت مندوں اور رفقا کار کو ذکر و فکر اور مراقبہ کے علاوہ جنگی فنون کی مشق اور ان میں مہارت بہم پہنچانے کی ہدایت دی۔ بعض رفقا کو اس حکم پر تعجب ہوا۔ چنانچہ مولوی عبدالرحیم کاندھلوی کے واسطے سے یہ معاملہ سید صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''ان دنوں دوسرا کام اس سے (ذکر و فکر اور مراقبہ) افضل ہمارے درپیش ہے۔ اب اس کی طرف ہمارا دل مشغول ہے۔ یعنی جہاد فی سبیل اللہ۔ اس کے سامنے حال کی کچھ حقیقت

نہیں۔ اس واسطے کہ وہ کام یعنی علم سلوک اس کے (جہاد کے) تابع ہے۔ اگر کوئی تمام دن روزہ رکھے، تمام رات زہد و ریاضت میں بسر کرے، یہاں تک کہ نوافل پڑھتے پڑھتے پیروں پر ورم آجائے، اور دوسرا شخص جہاد کی نیت سے ایک ساعت دن یا رات کو نجک (بارود) اڑائے، تاکہ مقابلہ کفار میں بندوق لگاتے وقت آنکھ نہ جھپکے تو وہ عابد اس مجاہد کے مرتبہ کو نہ پہنچے گا۔''

اور وہ کام (سلوک) اس وقت کا ہے جب اس کام (جہاد) سے فارغ البال ہوں، اور اب جو پندرہ سولہ روز سے دوسرے انوار کی ترقی نماز یا مراقبہ میں زیادہ معلوم ہوتی ہے، وہ اسی کاروبار کے طفیل ہے۔ کوئی بھائی جہاد کی نیت سے تیراندازی کرتا ہے، کوئی بندوق لگاتا ہے، کوئی پھری گدکا کھیلتا ہے، کوئی ڈنڈ پیلتا ہے، اگر ہم اس کی (سلوک) اس وقت تعلیم کریں تو یہ بھائی لوگ کام سے جاتے رہیں۔''

پھر مولوی محمد یوسف پھلتی سے مخاطب ہوئے:

''یوسف جی! آپ اپنے ہی حال کا خیال کریں کہ گردن ڈالے عالم سکوت میں رہتے ہیں۔ اسی طرح اور لوگ بھی، کوئی کمبل اوڑھے مسجد کے کونے میں بیٹھا ہے، کوئی چادر لپیٹے حجرے میں گھسا ہوا ہے، کوئی جنگل میں جا کر مراقبہ کرتا ہے، کوئی ندی کے کنارے گڑھا کھود کر بیٹھ جاتا ہے۔ ان صاحبوں سے تو جہاد کا کام ہونا دشوار ہے۔ آپ ہمارے بھائیوں کو سمجھائیں کہ اب اس کام (استعداد جہاد) میں دل لگائیں، ان کے واسطے بہتر یہی ہے۔''

غرض امیر خان کے لشکر میں شامل ہو کر جو مقصد آپ نے اس لشکر کے ذریعے حاصل کرنا چاہا تھا، اس میں ناکامیابی کے بعد آپ نے حصول مقصد کے لیے خود ہی ایک خاکہ تیار کیا اور اس میں رنگ بھرنا شروع کر دیا۔

ایک سنت کا احیا (نکاح بیوگاں)

اس زمانہ میں مسلمانوں میں ایک بے ہودہ رسم رواج پا گئی تھی کہ اگر کسی عورت کا شوہر فوت ہو جاتا تو ضرورت کے باوصف دوسرا نکاح نہ کرتی۔ دوسرے نکاح کو شرافت ونجابت کے خلاف سمجھا جاتا تھا، خصوصاً اشراف میں تو اس کا تصور بھی باعث ننگ تھا۔

سید صاحب اس رسم بد کا خاتمہ اور نکاح بیوگاں کا احیا چاہتے تھے۔ اور یہ بات تجربہ سے

ثابت ہے کہ احیائے سنت اور تجدید امور شریعت میں وعظ و تبلیغ سے زیادہ عملی اقدام فائدہ پہنچاتا ہے۔ آپ کے بھائی سید اسحاق کی بیوہ سید ولیہ جوان تھیں، ان سے صرف ایک لڑکا سید اسماعیل تھے جن کی عمر مشکل سے چھ سات برس رہی ہوگی۔ آپ نے اپنی بیوہ بھابھی سے نکاح کا ارادہ کیا اور تمام رشتہ دار خواتین کو جمع کر کے وعظ فرمایا۔ اس میں کہا کہ:

”اسلام یہ نہیں ہے کہ انسان زبان سے کہے کہ میں مسلمان ہوں، یا گائے کا گوشت کھا لے اور ختنہ کرا لے، یا مسلمانوں کی مروجہ رسموں میں شریک رہے۔ اسلام یہ ہے کہ تمام احکام الٰہی کی تعمیل دل و جان سے کی جائے۔ یہاں تک کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ذبح فرزند کا بھی اشارہ ہو تو اسے بخوشی بجا لایا جائے۔ منہیات شرعیہ کا خیال بھی دل میں آئے تو چالیس روز تک استغفار کرے۔“

انہیں احکام میں بیوہ کا نکاح ثانی بھی ہے، خصوصاً وہ بیوہ جو جوان ہو۔ افسوس کہ اس زمانہ میں بیوہ کے نکاح ثانی کو کفر اور شرک کے برابر سمجھ لیا گیا۔ اس پر عمل پیرائی کو نہایت درجہ قبیح و شنیع تصور کیا جاتا ہے۔ جو بیوہ نکاح کر لے اسے بہت نازیبا الفاظ میں مطعون کیا جاتا ہے۔ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ بات کہاں تک پہنچتی ہے؟ یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن حضرت عائشہ کے سوا سب بیوہ تھیں۔“

دوسرے دن پھر آپ نے اسی مضمون کا وعظ فرمایا اور اپنی خالہ صاحبہ سے بات کی کہ وہ کسی طرح بھابھی کو نکاح ثانی کے لیے تیار کر لیں۔ یہ بھی وضاحت کر دی کہ یہ نکاح حظ نفس کے لیے نہیں کرنا چاہ رہا ہوں بلکہ اس سے صرف اور صرف ترویج سنت خیر الانام ﷺ مطلوب ہے۔

سید ولیہ نکاح ثانی کے لیے تیار نہ تھیں۔ عزیزوں رشتہ داروں کے سمجھانے پر بہ نیت احیائے سنت راضی ہو گئیں۔ ایک روز جانبین سے خفیہ ایجاب و قبول ہوا اور پھر نکاح کا اعلان کر دیا گیا۔ سید صاحب اس نکاح کو مستحسن صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے اس درجہ مشتاق تھے کہ آپ نے سید ولیہ سے کہا کہ اپنے نکاح ثانی کی شیرینی خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کیجیے اور عورتوں سے بے تکلف کہیے کہ یہ میرے نکاح ثانی کی شیرینی ہے، تاکہ خواتین کے دل سے نکاح ثانی سے تکدر و تنفر زائل ہو اور اس سنت کو قابل عزت و ستائش سمجھیں۔

نکاح کے تمام مراحل جب بخیر وخوبی انجام پا گئے تو آپ نے دہلی، پھلت اور رام پور وغیرہ میں اس فعل حسن کے زیادہ سے زیادہ شیوع کے لیے خطوط لکھے اور نکاح بیوگاں کی ترغیب دی۔ آپ کے اس اقدام کا بہتر نتیجہ نکلا، نکاح ثانی کی بندش جس کو معیار شرافت بنالیا گیا تھا، ختم ہوگئی اور لوگ اس رسم کے خلاف نکاح بیوگاں کی ہمت کرنے لگے۔

واقعہ نصیر آباد:

نصیر آباد سید صاحب کے اجداد کا وطن ہے۔ آپ کے بیشتر اقربا وہیں رہتے ہیں۔ آپ کی پہلی اہلیہ سید زہرہ بھی وہیں کی تھیں۔ یہ پہلے سنیوں کی بستی ہوا کرتی تھی مگر جب اودھ برہان الملک کی جاگیر میں آیا تو حاکم کے عقائد کا اثر رفتہ رفتہ عوام پر بھی پڑنے لگا۔ سید صاحب کے زمانہ میں چار محلوں میں سے تین محلے شیعہ ہو چکے تھے، صرف ایک محلّہ سنیوں کا تھا۔

شیعہ چونکہ اکثریت میں تھے اس لیے ایک سال محرم کے موقع پر ان لوگوں نے سنیوں کو تنگ کرنے کا ارادہ بنایا اور یہ طے کیا کہ آٹھویں محرم کو ایک جلوس نکالا جائے اور تبرا کہتے ہوئے اس جلوس کو سنیوں کے محلے سے گزارا جائے۔ اگر وہ خاموش رہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ مرعوب ہوگئے ہیں، پھر مزید دبانے کے لیے کوئی دوسرا اقدام کیا جائے گا۔ اور اگر مقابلہ پر آئیں گے یا روکنا چاہیں گے تو انہیں بری طرح زدوکوب کیا جائے گا۔

سنیوں کو جب شیعوں کے اس پلان کی خبر ہوئی تو ان لوگوں نے دب جانا گوارا نہیں کیا۔ چونکہ تعداد میں بہت کم تھے اس لیے یہ تدبیر کی کہ اپنے ہمسایوں اور عزیزوں سے مدد طلب کی جائے۔ ۶/محرم کو ایک قاصد رائے بریلی بھی پہنچا اور پوری صورت حال بتائی۔ سید صاحب نے دیگر لوگوں سے مشورہ کر کے مدد کے لیے آمادگی ظاہر کردی اور سید عبدالرحمان کو نصیر آباد بھیج دیا کہ سنی بھائیوں کو تسلی دیں کہ ہم بھی ۸/محرم تک پہنچ جائیں گے۔

۷/محرم کی شام کو آپ نصیر آباد کے لیے روانہ ہوئے اور رات ہی میں پہنچ گئے۔ ہمراہیوں کو تاکید کردی کہ کسی پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔ اگر ان کی طرف سے کسی نے زیادتی بھی کردی تو مجادلہ کی صورت نہ بنائیں۔ اور شیعوں کے یہاں پیغام بھجوا دیا کہ ہمارے لوگ آپ کی طرف نہیں آئیں گے اور نہ ہی آپ سے مزاحم ہوں گے۔ آپ خوشی سے تعزیہ داری کریں مگر سابقہ دستور کا

خیال رکھتے ہوئے۔ کوئی نیا کام یا نئی بات نہیں ہونی چاہیے۔

شیعہ آپ کے آجانے کی وجہ سے سخت پریشان اور رنجیدہ تھے۔ جب آپ کا پیغام ملا تو بجائے اس کی کہ گوش ہوش سنتے، الٹا واویلا مچانے لگے کہ ہم کو جبراً تعزیہ داری سے روکا جا رہا ہے۔ ہم تعزیوں اور علموں کے ساتھ لکھنؤ حاکم کے پاس جائیں گے اور فریاد کریں گے۔ چنانچہ آٹھ محرم کو تعزیہ اور جلوس لے کر وہ لوگ لکھنؤ روانہ ہوگئے مگر ابھی دو ہی منزل گئے ہوں گے کہ انہیں واپس آنا پڑا، اور بعد میں ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ ان کی ساری فتنہ پروری و پردازی کی ہوا نکل گئی اور مصالحت کرتے ہی بن پڑی۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں کہ ''مولانا شاہ اسماعیل کے قول کے مطابق نصیر آباد کا واقعہ جہاد کا مقدمہ تھا، جس میں سید صاحب کی قیادت اور اسلامی صلاحیت کے جوہر پہلی مرتبہ عوام پر آشکارا ہوئے۔'' یہ بات تو مسلم ہے کہ سید صاحب کے حسن تدبیر اور حسن نظم وضبط کی وجہ سے سنیوں پر جو دباؤ اقلیت میں ہونے کی وجہ سے بنایا جا رہا تھا وہ بغیر کسی آویزش اور لڑائی کے ختم ہوگیا اور حالات بگڑنے کی بجائے تدریجاً اصلاح پذیر ہوتے گئے۔

تبلیغی و اصلاحی دورے:

قیام وطن کی مدت میں سید صاحب نے متعدد مقام کے تبلیغی و اصلاحی دورے بھی کیے۔ ان دوروں کا مقصد عام مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح اور انہیں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تیار کرنا تھا۔ سید صاحب جب دورے کے لیے نکلتے تو لوگوں کے شوق وطلب کا یہ حال ہوتا کہ آپ ایک میل بھی طے نہیں کر پاتے کہ آس پاس کی چھوٹی بڑی بستیوں کے لوگ آپ کو آکر روک لیتے اور باصرار اپنے یہاں لے جانے کی کوشش کرتے۔ رائے بریلی سے الہٰ آباد کے لیے جب نکلے تو اگرچہ الہٰ آباد صرف چار منزل پر واقع ہے مگر سید صاحب یہ فاصلہ ایک مہینے سے کچھ زائد مدت میں طے کر پائے تھے۔

قیام وطن کے ایام میں سید صاحب نے دو مرتبہ کان پور کا دورہ کیا۔ ایک مرتبہ الہٰ آباد بنارس اور لکھنؤ گئے۔ الہٰ آباد کے لیے جب آپ نکلے تو آپ کے ہمراہ ایک سو ستر آدمی تھے۔ پہلا مقام سلون میں کیا، جہاں شاہ اشرف کا مزار ہے، شاہ کریم عطا وہاں سجادہ نشین تھے۔ عرس کے

موقع پر بہت زور وشور سے قوالی کی مجلس سجتی تھی۔ مریدین کورے گھڑے میں پانی بھر کر سر پر رکھ لیتے اور اسی حالت میں رقص کرتے۔ سید صاحب کو جب معلوم ہوا تو آپ نے سجادہ نشین صاحب کو سمجھایا۔ تھوڑی سی حجت وتکرار کے بعد افہام وتفہیم کام آئی اور سجادہ نشین صاحب قائل ہو گئے اور ساری غیر شرعی حرکتوں کو بند کرنے کا وعدہ کیا۔

سلون سے نکلے تو اہلا د گنج، مانک پور اور گڑا ہوتے ہوئے الٰہ آباد پہنچے۔ الٰہ آباد میں بے شمار لوگوں نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ اسی سفر میں الٰہ آباد کے ممتاز امیر وکبیر شیخ غلام علی (ان کا تذکرہ سفر حج کے قیام الٰہ آباد میں تفصیل سے مذکور ہے) بھی حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ الٰہ آباد سے نکلے تو مختلف مقامات پر ٹھہرتے ہوئے بنارس پہنچے۔ بنارس میں تقریباً ایک مہینہ آپ نے قیام فرمایا۔ اس مدت میں کم وبیش پندرہ ہزار لوگوں نے آپ سے بیعت کی اور راہ یاب ہوئے۔ قیام بنارس کی مدت میں آپ ساتھیوں کو برابر تاکید کرتے رہے کہ یہاں خوب ذکر کرو۔ یہ شہر کفر وشرک کی تاریکیوں سے بھرا پڑا ہے۔ اسے ذکر الٰہی کے نور سے منور کرو۔ بنارس سے رخصت ہوئے تو مختلف مقامات پر منزل کرتے ہوئے سلطان پور تشریف لے گئے۔ وہاں دو ہفتے تک غلام حسین خان کے ساتھ جو کہ سرکار لکھنؤ کی طرف سے سلطان پور کے حاکم تھے، ان کے لشکر میں قیام فرمایا۔ بہت سے لوگوں نے وہاں بھی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ سلطان پور سے نکلے تو متعدد مقامات پر قیام کرتے ہوئے رائے بریلی پہنچے۔

الٰہ آباد اور بنارس کے دورے سے آپ لوٹے تو چند روز کے بعد لکھنؤ کا قصد ہو گیا۔ لکھنؤ کا نائب السلطنت اس وقت آغا میر تھا، اس نے جب آپ کا شہرہ سنا تو ملاقات کا خواہاں ہوا اور آپ کو لکھنؤ آنے کی دعوت دی۔

سید صاحب لکھنؤ پہنچے تو تقریباً پونے دو سو افراد آپ کے ساتھ تھے۔ لکھنؤ میں آپ کا قیام قریب ڈیڑھ دو مہینے تک رہا۔ اس مدت کا بیشتر حصہ اصلاحی کاموں میں صرف ہوا۔ مولانا عبدالحی صاحب عموماً وعظ کہتے تھے۔ اصلاحی کاموں میں سرگرمی کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ کھانا کھانے کا وقت نہیں ملتا اور ایک دو وقت کھانا ویسے ہی رہ جاتا۔

لکھنو میں چوروں کا ایک گروہ تھا جس کے سرگروہ کا نام امان اللہ خان تھا۔ یہ گروہ بہت

دھڑلے سے لکھنؤ میں چوریاں کرتا تھا۔ ان کے کان میں جب سید صاحب کا آوازہ پہنچا تو سرگروہ امان اللہ خان اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مسجد میں وعظ سننے کے لیے آ گیا۔ لوگوں نے جب دیکھا تو ان کے جرائم کے بارے میں سید صاحب کو بھی بتلایا۔ وعظ کے بعد آپ نے بہت شفقت سے ان سے مصافحہ و معانقہ کیا اور بہت عزت کے ساتھ پہلو میں بٹھایا، اور تھوڑی دیر کے بعد پوچھا کہ آپ بھائی کیا کام کرتے ہیں؟ سرگروہ کو جھوٹ بولنے کا یارا نہیں تھا اور سچ بتلا نہیں سکتا تھا، ادھر ادھر کر کے ٹال دیا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد سید صاحب نے پوچھا، پھر ٹال دیا۔ تیسری مرتبہ پوچھا تو ٹالنے کی گنجائش نہیں تھی، مجبوراً اپنا سارا حال بیان کر دیا اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ ہم اسی وقت آپ کے ہاتھوں پر تمام بری باتوں سے توبہ کرتے ہیں۔ ہم محض آپ کی شہرت سن کر آپ کو دیکھنے آئے تھے۔ ہمارا بیعت و توبہ کا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر آپ کے اخلاق عالیہ کو دیکھ کر آرزو پیدا ہوئی کہ کیوں نہ ہم بھی اپنی عاقبت درست کر لیں۔ سید صاحب نے ان سے بیعت لی اور پھر ان کے دوسرے ساتھیوں نے بھی آ کر بیعت کی۔

سید صاحب کی شہرت و مقبولیت کو دیکھ کر نائب السلطنت لکھنؤ کے دل میں بال آ گیا، حالانکہ خود اسی نے دعوت نامہ بھیج کر آپ کو لکھنؤ آنے کی دعوت دی تھی۔ مگر مسئلہ چونکہ اقتدار کا تھا، اس لیے دل کا میلا ہونا فطری بات ہے۔ اگرچہ سید صاحب اس کے لیے کچھ بھی ضرر کا باعث نہ بنتے بلکہ اس کے لیے سود مند ہی تھے مگر صاحبان اقتدار میں ایک خاص خو ہوتی ہے کہ اپنے سامنے کسی اور کا چراغ جلتا نہیں دیکھ سکتے۔ اسی خو کے ہاتھوں مجبور ہو کر نائب السلطنت میر آغا نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ 'شیعہ حضرات کو حلقہ ارادت میں نہ داخل کیا جائے۔' والی سلطنت چونکہ خود شیعہ تھا اور شیعوں کی خاصی تعداد آپ کے ہاتھ پر بیعت کر چکی تھی۔ اس نے اپنے لوگوں کو خود سے ٹوٹتا ہوا دیکھا تو یہ پیغام بھیجا۔ سید صاحب نے کہلوا بھیجا کہ 'میں نصیحت کو روک نہیں سکتا، کسی پر جبر نہیں کرتا، جو آئے گا اسے پیغام حق سنانے میں کوتاہی نہیں کروں گا۔' آغا میر جو کہ لکھنؤ کا مختار کل تھا، اس کے لیے یہ جواب بالکل خلاف توقع تھا۔ اس نے پھر پیغام بھیجا کہ 'اگر آپ کو کوئی صدمہ پہنچا تو مجھے بری الذمہ سمجھیے۔' یہ گویا ایک طرح کی دھمکی تھی۔ سید صاحب نے بھی جواب دیا کہ 'میں عوام کو نام خدا کی تلقین کرتا رہوں گا، اگر تم لوگوں کا ارادہ فساد کا ہے تو اس کے ذمہ دار تم

ٹھہروگے۔ میں بالکل بے فکر ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ پروردگار لایزال کے حکم کے بغیر مجھے کوئی صدمہ نہیں پہنچ سکتا۔‘ آغا میر نے تیسری مرتبہ فقیر محمد خان رسالدار جو کہ آپ کے مرید تھے، کو واسطہ بنا کر کہلوایا کہ جا کر سید صاحب کو سمجھاؤ، ورنہ دو چار توپیں بھیج کر ان کی قیام گاہ مسمار کرادوں گا۔ فقیر محمد خان پیغام لے کر آئے تو آپ نے فرمایا:

’’آپ میرے قدیم شناسا ہیں اور میرا حال جانتے ہیں۔ یہ بات مجھ سے نہ ہوگی کہ میں کلمہ حق سے رک جاؤں۔ دو چار توپیں تو کیا چیز ہیں، میں تو سو توپوں سے بھی نہیں ڈرتا۔ اگر مالک حقیقی میرا مددگار ہے تو مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔‘‘

یہ بات سید صاحب کے مریدین کو جب معلوم ہوئی تو ان لوگوں نے کہا کہ حضرت! ہم لوگ جان نثاری کے لیے حاضر ہیں۔ مگر آپ نے مریدین سے کہہ دیا کہ امن چین کے ساتھ بیٹھے رہیں۔ اور مزید فقیر محمد خان رسالدار سے فرمایا:

’’اگر یہ کہا جاتا کہ تم ہماری رعیت ہو، شہر سے چلے جاؤ تو اس میں کچھ عذر و حیلہ نہ ہوتا، ہم مان لیتے۔ لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ کلمہ خیر لوگوں کو تعلیم نہ کرو؟ یہ بات اسلام کے خلاف ہے۔ طالب خدا سنی ہو یا شیعہ، جو میرے پاس آئے گا میں اسے ضرور راہ حق دکھاؤں گا۔ میرے جو مرید ہیں وہ بھی بے شک یکسو رہیں اور فساد کے وقت نواب کا ساتھ دیں، مجھے کوئی اندیشہ نہیں۔‘‘

اس واقعہ کے بعد ایک دن معتمد الدولہ نے سید صاحب کو اپنے یہاں کھانے پر بلایا اور پرتکلف کھانوں سے ضیافت کی۔ لکھنؤ میں قیام کی مدت میں آپ کی ملاقات بادشاہ سے نہیں ہوسکی اگرچہ نائب السلطنت نے دو بار آپ کی ضیافت کی۔

لکھنؤ سے آپ روانہ ہوئے تو پہلی منزل دولت گنج میں کی پھر حسن گنج ٹھہرتے ہوئے رائے بریلی پہنچے۔

سفرِ حج کا عزم:

لکھنؤ سے مراجعت کے بعد سفر ہجرت کا عزم مصمم ہو چکا تھا۔ آپ نے اپنے رفقائے خاص مولانا اسماعیل و مولانا عبدالحی صاحب اور بعض دوسرے حضرات کو وطن رخصت کر دیا تھا کہ وہ لوگ اپنے خانگی معاملات وانتظامات سے کلی طور پر فراغت حاصل کر لیں، تاکہ کار جہار میں

اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ مشغول ہو سکیں۔ ہجرت کے لیے بس اس امر کا انتظار تھا کہ جن لوگوں کے ساتھ چلنا ہے وہ فارغ ہو کر واپس آجائیں۔ اسی اثنا میں آپ نے اچانک ہجرت کے ارادہ کو منسوخ کر دیا اور حج کا ارادہ فرما لیا۔ بعض لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے تو ہجرت کا ارادہ فرمایا تھا؟ آپ نے بس اتنا فرمایا کہ اب مرضی الٰہی یہی ہے کہ پہلے حج کیا جائے۔

اچانک آپ نے فیصلہ کیوں بدلا؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ جب کہ بظاہر نظر ”من استطاع الیه سبیلاً“ کی قرآنی آیت کے رو سے آپ پر حج بھی فرض نہیں تھا۔ اور پھر آپ نے صلائے عام کی صدا بھی لگا دی تھی اس سے تو قطعاً کوئی مناسبت نہ تھی تو کیوں اس طرف متوجہ ہوئے؟

اس فیصلہ کی سب سے بڑی وجہ غالباً یہ تھی کہ اس زمانہ میں علمائے سو کے ایک گروہ نے بحری سفر میں اندیشہ ہلاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے فریضہ حج کے ساقط ہونے کا فتوی دیدیا تھا۔ سید صاحب لکھنؤ میں تھے تو اس قسم کا ایک فتوی آپ کی نگاہ سے بھی گزرا تھا جس کو مولانا اسماعیل و مولانا عبدالحی صاحبان نے سختی سے رد کر دیا تھا اور فرضیت حج کا اثبات کیا تھا۔ اصل فتوی اور ان دونوں صاحبان کا رد شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں آخری فیصلہ کے لیے بھیجا گیا تو شاہ صاحب نے بھی ان دونوں حضرات کی تائید فرمائی۔ گویا کہ اس زمانہ کے علمائے ربانیین کی نگاہ میں منسوخی حج کا فتوی غلط تھا۔

یہ ایک ایسا فتنہ تھا جس کی تردید نصوص شرعیہ سے کی گئی مگر صرف تردید ہی کافی نہ تھی۔ زمانہ کے حالات کے اعتبار سے کسی صاحب عزیمت کا عملی اقدام ضروری تھا۔ ورنہ دین اسلام کے اس اہم فریضہ کے ہمیشہ کے لیے سقوط کا اندیشہ ہو چلا تھا۔ دینی غیرت وحمیت کا چراغ آخری لو دے رہا تھا، قوت عمل ضعیف سے ضعیف تر ہو چکی تھی، بہانہ جو اور سہل پسند طبیعتوں کے لیے غلط سے غلط اور بے سروپا سہارے بھی فرض سے کنارہ کشی کے لیے کافی ہو سکتے تھے۔ ان حالات اور لوگوں کی ان کیفیات کو دیکھتے ہوئے سید صاحب نے غور وتدبر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ خود بھی حج کے لیے جانا چاہیے اور لوگوں کو عام دعوت دینی چاہیے کہ جس کا جی چاہے خواہ اس کے پاس خرچ ہو یا نہ ہو، ساتھ ہو جائے۔ میں اپنی ذمہ داری پر سب کو حج کراؤں گا۔ اور اللہ کے فضل وکرم سے حج کے بعد بخیر وخوبی واپس لاؤں گا۔

سید صاحب کا یہ عزم اور اقدام وقت کا اہم فیصلہ تھا، جس کا اثر صدیوں پر محیط ہے۔ طبیعت کی تساہلی اور عمل کا ضعف جو معمولی خطرات کو غیر معمولی بنا کر پیش کر سکتی ہے اور اپنے توہمات کو بنیاد بنا کر فرض کی جڑ پر اسقاط کی آری چلا سکتی ہے، کیا بعید کہ یہ مفروضات نسلاً بعد نسل ہمارے زمانہ میں بھی در آتے اور دین اسلام کے ایک اہم فریضہ سے ہم لوگ صرف محروم ہی نہ ہوتے بلکہ مرکز اسلامی سے ہمارا ناطہ بھی کب کا ٹوٹ چکا ہوتا۔ اور ہمارے دینی اعمال اور اسلامی تشخص جو تھوڑے بہت رہ گئے ہیں، تاویلات باطلہ کی آندھی میں تحلیل ہو کر اپنا وجود کب کا کھو چکے ہوتے۔ یہ تو محض خدا کا فضل ہے اور سید صاحب کی اولوالعزمی اور بلند حوصلگی کا صدقہ ہے کہ آج بھی ہندوستان کے مسلمان اس معاملہ میں اپنے درست محور پر گردش کر رہے ہیں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

ایک موقع پر سید صاحب نے فرمایا تھا کہ: ”ہمارے بعد حج کا سلسلہ کبھی نہیں رکے گا۔“ اس بات کو کہے ہوئے ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ آپ کی یہ بات حرف بحرف سچ ثابت ہوئی۔ اور بچشم خویش ہم ہر سال ہزاروں حجاج کے قافلہ کو جاتے اور لوٹتے دیکھتے ہیں۔ سچ ہے: قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

سفر حج کے تفصیلی حالات تو گذشتہ صفحات میں درج ہو چکے مگر ہم یہاں مختصراً اتنا بتا دیں کہ اس پورے سفر میں دو سال دس مہینے لگے تھے۔ وطن سے مکہ مکرمہ پہنچنے میں کل دس ماہ صرف ہوئے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مہینہ بنارس میں قیام ہوا، تین مہینے کلکتہ میں اور ایک مہینہ مخہ میں۔ اس کے علاوہ دیگر مقامات پر کہیں پندرہ روز، کہیں آٹھ روز، کہیں دو چار دن اور کہیں صرف ایک رات قیام ہوا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں کل ملا ایک سال کچھ ماہ آپ کا قیام رہا جس میں سے ایک مہینہ مدینہ منورہ میں گزرا۔ شوال ۱۲۳۶ھ کی آخری تاریخ میں آپ وطن سے روانہ ہوئے تھے اور حرم شریف میں جس دن داخل ہوئے اسی دن ۱۲۳۷ھ کے رمضان المبارک کا چاند دیکھا گیا۔ آپ کی واپسی مکہ مکرمہ سے غلام رسول مہر صاحب کے مطابق ۱۵رشوال ۱۲۳۸ھ (مطابق ۲۵رجون ۱۸۲۳ء) کو ہوئی۔ اس اعتبار سے آپ کا قیام مکہ اور مدینہ دونوں جگہوں کو ملا کر ایک سال ڈیڑھ ماہ رہا۔ اور مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب کے مطابق واپسی کے سفر کی تیاری ۱۵ر

شوال سے شروع ہوگئی تھی مگر طواف وداع یکم ذی قعدہ ۱۲۳۸ھ کو کیا۔ اس اعتبار سے آپ کے قیام کی مدت پندرہ دن بڑھ ایک سال دو ماہ ہو جاتی ہے۔ واپسی کے سفر میں بھی دس مہینے صرف ہوئے۔ ۲۹ر شعبان ۱۲۳۹ھ (۲۹ر اپریل ۱۸۲۴ء) کو سید صاحب وطن پہنچے۔

سفر ہجرت (رائے بریلی سے اجمیر)

سفر حج سے واپسی کے بعد سید صاحب ایک سال دس ماہ وطن میں رہے۔ یہ پوری مدت جہاد کی دعوت و تنظیم میں بسر ہوئی۔ سید صاحب جس زمانہ میں جہاد کی دعوت دے رہے تھے اور اپنے لوگوں کو جہاد کے لیے منظّم و مرتب کر رہے تھے، اس زمانہ میں یہ کام کچھ ایسا آسان نہ تھا۔ اس کی دشواریوں کا اندازہ ہمارے اس زمانہ میں کرنا مشکل ہی نہیں قریب قریب ناممکن ہے۔ کچھ تو اپنے لوگوں کی کرم فرمائیاں اور طرح طرح کے اعتراضات، اور پھر فقہی موشگافیوں کے ذریعہ جہاد کو فرض کفایہ ثابت کرنے کی کوششیں، اور پھر اس کو اس انداز سے پیش کیا گیا کہ فریضہ جہاد کی جڑ میں گرم پانی کا کام کر سکے۔ اور پھر امرا و سلاطین جو اپنی لگام انگریزوں کے ہاتھ میں دے کر بیٹھ چکے تھے، ان کی سرمہری۔ ان امرا میں بیشتر مسلمان ہی تھے اگر یہ چاہتے تو سید صاحب کا ہاتھ مضبوط کر سکتے تھے مگر اس صورت میں ان کی امارت و ریاست معرض خطر میں آسکتی تھی۔ اس لیے ان لوگوں نے اپنی اسلامی غیرت و حمیت کو غرق مے ناب ہی رکھنا بہتر سمجھا اور ایوان تعیش کی چلمن سے جھانکنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ اور ایک بڑی خرابی جو اس زمانہ میں پروان چڑھی تھی وہ یہ کہ کوئی بھی معمولی حیثیت کا آدمی عزم و ہمت سے کام لے کر اٹھتا، اپنے اردگرد لشکر جمع کرتا اور کسی قطعہ زمین پر قابض ہو کر اپنی ریاست و حکمرانی کا کاروبار شروع کر دیتا۔ اس کی قریب ترین مثال امیر خان کی تھی جس کے ساتھ سید صاحب آٹھ سال گزار چکے تھے۔ بلاشبہ امیر خان ایک جری اور بہادر انسان تھا مگر اس کا بھی مرغ تخیل طلب جاہ و حشم سے اوپر پرواز نہ کر سکا۔

ان حالات اور ان مثالوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت دعوت جہاد کس درجہ کا زہرہ گداز کام رہا ہوگا۔ لوگوں کے دلوں میں اس وسوسہ کا پیدا ہونا فطری تھا کہ جہاد سے سید صاحب کا مقصد حصول ریاست و امارت ہے۔ دیگر ہم عصروں کی طرح یہ بھی کسی قطعہ زمین کو فتح کریں گے اور اپنی ریاست کی بنیاد رکھ کر مطمئن ہو جائیں گے۔ اس زمانہ میں للّٰہیت اس درجہ کم

یاب شے ہوگئی تھی اور خود غرضی کی وہ گرم بازاری تھی کہ عام لوگوں کا ذہن کسی ایسی جد وجہد اور سرگرمی کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا جو ذاتی اغراض سے پاک اور بے لوث ہو، جس میں محض اطاعت ربانی کارفرما ہو۔

اسی لیے سید صاحب جیسے بے غرض اور مسلم الثبوت آدمی کو اپنے مطمح نظر کو بار بار واضح کرنے کی ضرورت پیش آئی اور اپنے مکاتیب میں یہ مضمون بیسیوں مرتبہ دہرانا پڑا۔ ہم صرف دو اقتباس نقل کرتے ہیں:

> ''میں ہفت اقلیم کی سلطانی کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتا۔ جب نصرت دین کا کام شروع ہوجائے گا اور سرکشوں کے اقتدار کی جڑ کٹ جائے گی تو میری سعی کا تیر خود بخود نشانہ مراد پر جا بیٹھے گا۔'' (مکاتیب شاہ اسماعیل: ص ۵۵۔ بحوالہ تحریک سید احمد شہید: ج ا ص ۳۵۴)
>
> ''تاج فریدون اور تخت سکندر میری نظر میں جو کے برابر نہیں ہیں۔ قیصر و کسری کی مملکت کا خیال تک دل میں نہیں لاتا۔ صرف یہ آرزو ہے کہ اکثر افراد بنی آدم بلکہ دنیا کے تمام خطوں میں رب العالمین کے احکام جاری ہوجائیں، جنھیں ہم شریعت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس بارے میں کسی طرف سے کشمکش کا امکان باقی نہ رہے۔ صرف اس کام کی تکمیل مقصود ہے خواہ میرے ہاتھ سے پورا ہو یا کسی دوسرے کے ہاتھ سے۔ جو حیلہ اس مدعا کے حصول کا باعث ہوسکتا ہے، اسے بروئے کار لاتا ہوں اور جو تدبیر اس مقدمہ کے لیے مفید نظر آتی ہے اس سے کام لیتا ہوں۔'' (مکاتیب شاہ اسماعیل: ۵۰۔ بحوالہ تحریک سید احمد شہید: ج ا ص ۳۵۷)

۷/ جمادی الاخری ۱۲۴۱ھ (۱۷/ جنوری ۱۸۲۶ء) دوشنبہ کے دن سید صاحب نے جہاد کے عزم سے راہ ہجرت میں قدم رکھا۔ راوی کا بیان ہے کہ روانگی سے قبل آپ نے خادمہ کے توسط سے تہ خانہ سے جو رقم نکلوائی تھی وہ دس ہزار تھی۔ پانچ ہزار اپنے پاس رکھی اور پانچ ہزار بیبیوں کے حوالہ کردی۔ اور چھوٹی رقمیں تھیلیوں میں سلوا کر مختلف غازیوں کے کمر میں بندھوا دیں۔ اہل وعیال کو وطن میں چھوڑ دیا تھا، کیوں کہ راستے کے احوال ومشکلات کا کوئی اندازہ نہیں تھا اور پھر یہ معلوم نہیں تھا کہ جس مقام پر پہنچنا ہے وہاں کی کیفیت کیا ہے؟ وہ جگہ اہل وعیام کے موزوں ہوگی یا نہیں؟ ارادہ یہی تھا کہ کوئی مناسب اور موزوں جگہ ملے گی تو اہل وعیال کو اپنے پاس بلالیں گے۔

۷؍ جمادی الثانی کو سید صاحب نے سئی ندی کے کنارے خیمہ لگوایا، دن بھر دوستوں عزیزوں سے ملاقات کا سلسلہ چلتا رہا۔ رات کو کشتی پر بیٹھ کر ندی کو عبور کیا اور دوسرے کنارے پہنچ کر دوگانہ شکرانہ کی نماز ادا کی۔ آپ کے ساتھ مجاہدین کی جو جماعت تھی سرسری طور سے اسے چار حصوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ پہلی جماعت خود سید صاحب کے ساتھ روانہ ہوئی، چار روز کے بعد دوسری جماعت نے کوچ کیا، اس کے تھوڑے دن کے بعد تیسری جماعت اور پھر چوتھی جماعت نے سفر اختیار کیا۔

کوچ کے دوسرے دن آپ نے ڈلمئو میں قیام فرمایا۔ تیسرے دن فتح پور میں فروکش ہوئے۔ وہاں سے چلے تو بہوا میں ٹھہرے۔ پھر چلہ تارا گھاٹ سے جمنا کو عبور کیا اور منڈا پہنچ کر تین دن قیام کیا۔ اس کے بعد جلال پور اور جالون ہوتے ہوئے گوالیار پہنچے۔

گوالیار میں آپ کے کئی عقیدت مند موجود تھے مگر آپ کو شاہی مہمان کے طور پر فتح علی خان کے باغ میں ٹھہرایا گیا اور مہمان داری کا پورا انتظام مہاراجہ دولت راؤ کی طرف سے تھا۔ یہاں آپ کا قیام تقریباً دس بارہ دن رہا۔ وطن سے چلتے وقت مجاہدین کی جو سرسری جماعت بندی کی گئی تھی، گوالیار پہنچ کر انہیں پانچ جماعتوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ پانچوں جماعت کے الگ الگ سرعسکر مقرر کیے گئے۔ پہلی جماعت ’جماعت خاص‘ تھی۔ یہ جماعت قلب لشکر کی حیثیت رکھتی تھی، اس کے سرعسکر مولوی محمد یوسف پھلتی تھے، اور خود سید صاحب بھی اسی جماعت کے ساتھ چلتے اور ٹھہرتے تھے۔ دوسری جماعت ’مقدمۃ الجیش‘ تھی۔ یہ جماعت سب سے آگے رہتی تھی۔ اس کے سرخیل مولانا اسماعیل صاحب تھے۔ تیسری جماعت ’میسرۃ‘ تھی۔ اس جماعت کے سرگروہ سید صاحب کے بھتیجے سید محمد یعقوب تھے اور ان کے نائب شیخ محمد بڈھن تھے۔ چوتھی جماعت ’میمنۃ‘ تھی۔ یہ جماعت امجد خان رئیس گنتہ کی سرکردگی میں تھی۔ پانچویں جماعت ’ساقۃ الجیش‘ تھی۔ یہ چھکڑوں اور گاڑیوں کے ہمراہ چلتی تھی۔ عموماً سب سے پہلے روانہ ہوتی تھی اور سب سے اخیر میں منزل پر پہنچتی تھی، اس کے قافلہ سالار اللہ بخش خان مورانوی تھے۔

گوالیار سے سید صاحب نکلے تو ایک ہفتہ میں قرولی پہنچے۔ ایک رات وہاں قیام کیا، پھر خوشحال گڑھ، دانتوبی، ٹھاڑی، جھلا کی ہوتے ہوئے چھ روز کے بعد ٹونک پہنچے۔ ٹونک آنے کی

نواب امیر خان اور ان کے فرزند نواب وزیر الدولہ نے بڑے اہتمام سے دعوت دی تھی۔ آپ پہنچے تو آپ کا قیام نظر باغ میں ہوا۔

آپ کو وطن سے نکلے ہوئے قریب دو مہینے ہو چکے تھے مگر ابھی تک اہل وعیال کو ٹھہرانے کی کوئی مناسب جگہ نظر سے نہیں گزری تھی۔ ٹونک پہنچے تو نواب امیر خان کے اصرار پر یہ فیصلہ ہوا کہ جب تک کوئی بہتر اور مستقل جائے سکونت نہیں مل جاتی، اس وقت تک کے لیے اہل وعیال کو وطن سے بلا کر یہیں ٹونک میں رہنے کا انتظام کر دیا جائے۔ چنانچہ سید صاحب نے سید عبدالرحمان (بھانجے) سید محمد یعقوب (بھتیجے) اور سید زین العابدین (بھانجے) کو وطن روانہ کر دیا کہ مستورات کو لے کر آئیں۔

ٹونک سے سید صاحب روانہ ہوئے تو دریائے بناس کو عبور کر کے گلو گھاٹ میں منزل کی پھر جھلانہ میں ٹھہرے۔ جھلانہ کے بعد ایک دو جگہ اور منزل کی اس کے بعد اجمیر پہنچ گئے۔ اجمیر سے سید صاحب نے مولانا عبدالحی صاحب کو بعض خاص کاموں کی وجہ سے دہلی بھیج دیا۔ وہ دہلی میں کچھ دن ٹھہر کر پانی پت، کرنال، تھانیسر، ممدوٹ، بہاول پور کے راستے سرحد پہنچ گئے۔

اجمیر سے آپ نکلے تو پالی میں منزل کی۔ پالی راجپوتانہ کا بڑا تجارتی مرکز تھا۔ یہاں آپ چار روز ٹھہرے، کثرت سے یہاں کے لوگوں نے آپ سے بیعت کی۔ پالی سے روانہ ہوئے تو کھٹیا گڑھ، ملا باس، روپا باس، ارابو، ہرسکری، پانچ پوڈرہ، تروڑ، چاندڑہ، پالو، کوٹھ دار، باندارا اور ہرسالہ میں ٹھہرتے ہوئے سوراہا پہنچے۔ شوال کا چاند یہیں دیکھا گیا۔ عید کی نماز آپ نے سوراہا میں ادا کی۔ مجاہدین نے آپ کے دست مبارک پر بیعت جہاد کی اور حاضرین وغائبین کے لیے دعا کی گئی۔ عید کا پورا دن آپ نے سوراہا میں گزارا۔

سوراہا کے بعد کھوسا بلوچ میں داخل ہوئے۔ یہ مارواڑ کا حصہ ہے۔ یہاں قزاقوں اور غارت گروں کا بڑا زور تھا۔ سید صاحب نے حفاظت کے خیال سے یہاں لشکر کو جنگی ترتیب پر آراستہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد پاڑ پوا، برسالی، کھنسر، کوارسر، اولون، بڑاڑہ ہوتے ہوئے کہٹیار میں داخل ہوئے۔ یہاں پانی کی سخت تکلیف تھی، کچے کنویں کی یہ حالت تھی چند ڈول کھینچنے کے بعد پانی ختم ہو جاتا تھا۔ دھوپ بہت سخت تھی، آدمی اور جانور پیاس سے سخت مضطرب تھے۔ سید

صاحب نے خود کنویں کے مینڈھوں پر بیٹھ کر اپنی نگرانی میں آدمیوں اور جانوروں کو پانی پلوایا۔

کٹھیار جودھ پور کا سرحدی حصہ ہے۔ اس کے بعد سندھ اور امیران سندھ کی عمل داری شروع ہو جاتی ہے۔ سندھ کی مردم خیزی اس زمانہ میں مشہور تھی۔ خداترس اور خدارسیدہ لوگ اتنے شاید ہی کسی دوسرے اسلامی خطہ میں رہے ہوں۔ سادات وفقرا کی قدر و منزلت کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں۔ سندھ میں داخل ہونے کے بعد ایک رات چھکا میں قیام کیا۔ یہاں پانی بافراط ملا۔ چھکا سے عمرکوٹ کا فاصلہ تین کوس تھا۔ سید صاحب وہیں جانا چاہتے تھے مگر قلعہ دار کی تنک مزاجی اور بے اعتمادی کی وجہ سے عمرکوٹ نہ جا کر اس سے دو اڑھائی کوس دور کھاوڑہ میں قیام کیا۔ رات کھاوڑہ میں گزار کر اگلے روز دومانہ میں ٹھہرے۔ پھر ایک منزل سمالہ میں کی، اس کے بعد کارد میں قیام پذیر ہوئے۔ کارد سے نکل کر راستے میں کہیں ایک جگہ قیام کیا اس کے بعد میر پور میں داخل ہوئے۔ حاکم میر پور علی مراد خود تو ملنے کے لیے نہیں آیا، البتہ دس ہانڈیاں شیرینی کی بطور نذر خدمت میں بھیجی اور دو سوار رہبری کے لیے ساتھ کر دیے۔ میر پور میں دو دن قیام رہا۔ تیسرے دن ٹنڈ والہ یار پہنچے۔ یہاں امیران سندھ کے دو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورے حالات دریافت کر کے حیدرآباد اطلاع بھیجی۔ وہاں سے پیغام آیا کہ سید صاحب شوق سے حیدرآباد تشریف لائیں، یہ انہیں کا گھر ہے۔ چنانچہ وہاں سے چل ایک منزل ٹنڈو جام ہالہ کی، دوسری منزل پھلیلی ندی کے مشرقی کنارے پر کی جس کے مغربی کنارے پر حیدرآباد واقع ہے۔

سید صاحب حیدرآباد پہنچے تو لشکر اسلام کو شہر سے کچھ فاصلے پر ٹھہرایا گیا۔ امرا کی طرف سے شیرینی اور ضیافت کے ضروری سامان لشکر میں پہنچ گئے۔ تیسرا دن جمعہ کا دن تھا، حکام نے پیغام بھیجا کہ جمعہ کی نماز سید صاحب قلعہ میں ہمارے ساتھ ادا کریں۔ چنانچہ آپ آٹھ دس آدمیوں کے ہمراہ قلعہ میں تشریف لے گئے۔ وہیں حکام اور میر صاحبان سے ملاقات ہوئی۔ وہ لوگ آپ سے مل کر بہت خوش ہوئے اور ہجرت و جہاد کا عزم دیکھ کر متحیر رہ گئے۔ ان لوگوں نے مزید کچھ حیدرآباد میں رہنے کی پیش کش کی مگر آپ نے بوجوہ اسے قبول نہیں کیا۔ حیدرآباد ہی سے آپ نے دعوت جہاد کا ایک خط سید دین محمد کے ہاتھوں بہاول خان والی بہاول پور کے پاس بھیجا۔ لیکن اس دعوت کا خاطر خواہ کوئی اثر نہیں ہوا۔ سید صاحب کو امیران سندھ سے کچھ امید تھی کہ وہ لوگ جہاد

میں معیت کریں گے لیکن ان کی بھی حالت دیگر امرا سے بہتر نہیں تھی۔ ان کے بھی خیالات کی پرواز ابھی تک حشم وخدم اور دار و گیر کی تمکنت تک ہی محدود تھے۔

سید صاحب حیدرآباد کوئی تیرہ دن ٹھہرے۔ اس کے بعد دو کشتیاں ۸۰/روپے میں کرایہ پر لیں، ان پر سامان بار کیا اور کمزور آدمیوں کو اس میں سوار کیا اور آگے کی جانب روانہ ہو گئے۔ کاٹھڑی، کھیڑ، ہالہ، کوٹ سید، لمبا کا کھمبا، آں حتری، ملا کا بٹ ہنگو رجہ دانی، پورٹند و مستی خان میں منزل کرتے ہوئے پیر کوٹ پہنچے۔

حیدرآباد سے چلتے وقت پیر کوٹ کے سجادہ نشین سید صبغت اللہ شاہ آپ کے ساتھ ہی تھے مگر رانی پور پہنچنے کے بعد انہیں ایک ضروری کام سے رانی پور میں رکنا پڑا۔ جب آپ پیر کوٹ پہنچے تو پیر صبغت اللہ شاہ کے بھائیوں اور مریدوں نے خوب مہمان نوازی کی۔ تھوڑی دیر کے بعد خود پیر صاحب آ گئے، اور دو تین روز تک پورے لشکر کو خود کھانا کھلایا۔ سید صاحب نے اس جگہ کو اپنے اہل وعیال کے قیام کے لیے پسند فرمایا۔ سید صاحب یہاں کم وبیش تیرہ روز ٹھہرے۔

پیر کوٹ سے دریائے سندھ کو عبور کرنے کے بعد پہلی منزل مدیجی میں ہوئی۔ اس کے بعد راکھا اور پھر حبیب کوٹ میں شاہ غلام محی الدین پیرزادہ سرہندی کے مہمان کی حیثیت سے فروکش ہوئے۔ ایک رات یہاں گزاری اور پھر شکار پور پہنچے۔ بقرعید کی نماز آپ نے شکار پور میں پڑھی۔

نماز کے لیے نکلے تو دو تین سو مجاہدین آپ کے ہم رکاب تھے۔ اہل شہر نے خود درخواست کی کہ امامت سید صاحب فرمائیں۔ مجمع بیس ہزار سے کم نہ رہا ہوگا۔ نماز کے بعد آپ نے قربانی کی اور تیرہ دنبے ذبح کیے۔ شکار پور ہی میں سید صاحب نے مجاہدین کے لیے گاڑھے کے کپڑے بنوا دیے تھے۔ یہ کپڑے اس قدوسی لشکر کی وردی تھی۔

شکار پور سے آگے کا سفر بلوچستان کے صحرائی اور پہاڑی علاقوں میں تھا۔ یہ پورا علاقہ خاص قزاقوں اور غارت گروں کا علاقہ تھا۔ اسی لیے زیادہ سے زیادہ کرایہ دینے پر بھی بار برداری کے لیے اونٹ نہیں مل رہے تھے۔ قافلہ کے ساتھ جو اونٹ تھے وہ پہلے ہی سے کم تھے اور اتنی لمبی مسافت طے کرنے کے بعد ان میں سے نصف تھکان سے بے بس ہو چکے تھے۔ خاصی جدوجہد

کے بعد بارہ اونٹ مل سکے جو کہ ظاہر ہے ضرورت سے بہت کم تھے۔ اس لیے بہت سارا سامان بار ہلکا کرنے کے لیے شکار پور فروخت کرنا پڑا یا پھر غریبوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

۱۴؍ ذی الحجہ ۱۲۴۱ھ (۲۰؍ جولائی ۱۸۲۶ء) کو سید صاحب شکار پور سے روانہ ہوئے اور پہلی منزل چھ کوس پر واقع جاگن میں کی۔ جاگن سے جانی کے راستہ سے درہ خان گڑھ گئے۔ وہاں سے صحرائی راستہ طے کرتے ہوئے شاہ پور پہنچے۔ شاہ پور سے چھتر، کھنڈ بار اور شور ہوتے ہوئے ۲۶؍ ذی الحجہ کو بھاگ پہنچے۔ ۲۹؍ کو بھاگ سے نکلے تو حاجی میں مقام کیا اور یکم محرم کو ڈھاڈر پہنچ گئے۔

ڈھاڈر سے درہ بولان کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ درہ بولان کا سفر دو وجہ سے انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ ایک تو پورے راستہ میں اشیائے خورد و نوش میسر نہیں ہوتی، دوسرے یہ کہ دونوں جانب پہاڑ کی دیواریں ہیں، جو چوروں اور ڈاکوؤں کے لیے بہترین گاہ کام دیتی ہیں۔ کمین گاہ سے نکل اچانک یہ لوگ یورش کرتے اور مسافروں کو لوٹ لیتے تھے۔ ۱۴؍ محرم کو سید صاحب قافلہ سمیت درہ بولان میں داخل ہوئے اور حفاظتی تدبیر یہ اختیار کی کہ چار دن کی اشیائے خورد و نوش ساتھ لے لی اور قافلہ کی ترتیب یوں رکھی۔ سب سے آگے بندوق برداروں کا دستہ، ان کے بعد اونٹ پھر ضعیف لوگ، ان کے بعد غازیوں کا دستہ اور سب سے آخر میں خود سید صاحب دیگر سواروں کے ساتھ۔ درے کے پورے سفر میں یہ ترتیب قائم رہی۔

ڈھاڈر میں سخت گرمی تھی، درہ بولان میں معمولی سردی تھی کہ ایک موٹے کپڑے سے کام چل جاتا تھا مگر درہ کی آخری منزل 'مچھ' اور 'دشت بے دولت' پہنچے تو سردی سے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ دشت سے سرآب پہنچے اور سرآب سے آٹھ میل دور کوئٹہ تھا۔ دوسرے دن کوئٹہ پہنچ گئے۔ کوئٹہ کے حاکم نے غازیوں کی از حد خاطر و مدارات کی اور سید صاحب سے بیعت ہوا۔

۱۵؍ محرم کو سید صاحب کوئٹہ سے روانہ ہوئے۔ حاکم کوئٹہ پچاس ساٹھ سواروں کے ساتھ تین کوس تک مشایعت کے لیے آیا۔ عام لوگوں کا بھی خاصا ہجوم تھا۔ بوقت رخصت حاکم پر رقت طاری ہو گئی۔ کوئٹہ سے کیتر، حیدرزئی، سدوزئی، کوژک تیر، چوکی، کاریز ملا فتح خان، قلعہ حاجی یادہ حاجی کاریز ملا عبداللہ، خوشاب ہوتے ہوئے قندھار پہنچے۔

کوئٹہ تک کا سفر عام مسافروں کی طرح تھا۔ عوام یا تو قلت لشکر دیکھ کر عزم جہاد کے تعلق سے وسوسہ میں پڑ جاتی یا پھر انگریز کا جاسوس سمجھ لیتی۔ کوئٹہ سے قدم آگے بڑھا تو عوام کا جوش پذیرائی یکسر بدل گیا۔ لوگ دور دور سے خربوز وغیرہ لے کر راستہ میں بیٹھ جاتے تا کہ اس قدوسی لشکر کی زیارت وضیافت کر سکیں اور برکت حاصل کر سکیں۔ کاریز ملا عبداللہ جب آپ پہنچے تو حاکم قندھار پردل خان کی طرف سے ایک سردار آپ کے استقبال کے لیے موجود تھا۔ اسی کی معیت میں آپ ۲۸ محرم کو قندھار پہنچے۔ عوام نے کئی میل باہر نکل کر آپ کا استقبال کیا۔ لوگوں کو جب آپ کے عزم جہاد کی خبر ہوئی تو لوگ جوق در جوق آپ کے پاس آ کر جہاد میں جانے کی درخواستیں کرنے لگے۔ پردل خان نے جب رجوع عام کا یہ منظر دیکھا تو اس پر سراسیمگی طاری ہوگئی۔ پہلے تو اس نے لوگوں کو روکنے کی کوشش کی، جب لوگوں کا سیل نہیں رک سکا تو اس نے سید صاحب کے پاس پیغام بھیجا کہ لوگ آپ کے ساتھ جانے کے لیے خاص جوش سے تیار ہو رہے ہیں اور ہمارے انتظام میں خلل پیدا ہو رہا ہے۔ بہتر ہے کہ آپ جلد سے جلد کابل روانہ ہو جائیں ورنہ ہمارے اور آپ کے درمیان بے لطفی پیدا ہو جائے گی۔ اور ساتھ میں یہ بھی کہلا بھیجا کہ جو لوگ آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہیں انہیں روک دیجیے، ساتھ نہ لے جائیے۔ اس کے اس پیغام کی وجہ سے چھٹے دن آپ کو قندھار سے نکلنا پڑا۔ اگر پردل کی طرف سے یہ رکاوٹ پیدا نہ ہوئی ہوتی تو آپ قندھار ہی سے بڑا لشکر تیار کر لیتے۔

قندھار سے آپ نکلے تو کاریز حاجی عبداللہ ہوتے ہوئے قلعہ اعظم خان پہنچے۔ یہاں چار سو آدمی باوجود سید صاحب کے سمجھا بجھا کر روکنے کے جہاد کے لیے تیار ہو کر قندھار سے آ کر لشکر میں شامل ہو گئے۔ ناچار سید صاحب نے ایک آدمی کو پردل خان کے پاس بھیجا اور سارے حالات بتلا کر اجازت طلب کی کہ اگر کہیں تو میں ان کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔ پردل کو یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ اگر تھوڑے دن اور رک گئے تو مزید لوگ تیار ہو کر ان کے پاس چلے جائیں۔ اس لیے اس نے کہا کہ بے شک آپ ان کو لے جائیے مگر جلد از جلد یہاں سے چلے جائیے۔ چنانچہ سید صاحب دو سو ستر آدمیوں کو ان میں سے چن لیا اور سید دین محمد قندھاری کو ان کا سالار بنا دیا۔ سید صاحب کے لشکر میں یہ جماعت قندھاری جماعت کے نام سے مشہور تھی۔

قلعہ اعظم خان سے آپ نکلے تو دہ ملا نور محمد، شہر صفا، جلو گیر، توت، قلعہ رمضان خان، جلدک، کوڑم، خالہ، بشمل زئی، قلعہ ملا نور محمد، قلعہ ملا تاج محمد، کاریز اٹک، مشکئی، نانی ہوتے ہوئے غزنی پہنچے۔

سید صاحب نے غزنی میں صرف دو دن قیام کیا۔ ۲۵ر صفر کو غزنی سے روانہ ہو کر ہفت آسیاب شیخ آباد ٹھہرتے ہوئے قلعہ قاضی پہنچے۔ اس کے بعد اگلی منزل کابل تھی۔ کابل میں کم بیش آپ ۴۵ر دن ٹھہرے۔ کابل سے نکل کر پانچ دن میں پشاور پہنچے۔ پشاور میں تین دن قیام ہوا پھر پشاور سے چارسدہ جو منزل مقصود تھی، پہنچے۔ اور یہیں سے جہاد کا آغاز ہوا جس کا بیان آگے آرہا ہے۔

سید صاحب نے اس سفر میں کم وبیش دس مہینے بسر کیے اور کم از کم اڑھائی تین ہزار میل کی مسافت طے کی۔ کبھی راجپوتانہ کے بے آب گیاہ ریگ زار میں چلے تو کبھی بلوچستان کے صحرائی علاقہ میں قیامت خیز گرمی کی صعوبت برداشت کی۔ خشک پہاڑ خطرناک درے اور دشوار گزار گھاٹیاں عبور کرتے ہوئے چارسدہ پہنچے تھے۔ ان کی مشکلات سفر کا اندازہ آج کے اس دور میں کرنا ممکن ہی نہیں، اور راہ حق میں اس طرح صعوبتیں برداشت کرنا تو اب خواب وخیال کی باتیں ہیں۔ صعوبتیں برداشت کرنا تو دور کی بات ہے محض ان تکالیف پر یقین کر لینا اور اس جیسی مشقتوں کا تصور کر لینا ہی ہمارے لیے مشکل امر ہے۔

چارسدہ میں قیام:

سید صاحب کے ارادہ جہاد کی خاصی شہرت ہو چکی تھی۔ عام اہل سرحد بھی مجاہدانہ اوصاف وعزائم رکھتے تھے اور اس کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ سید صاحب کے چارسدہ پہنچنے کی جب انھیں خبر ہوئی تو بہت خوش ہوئے۔ آس پاس کی بستیوں کے لوگ سید صاحب کی گزرگاہ پر گروہ در گروہ زیارت کے لیے جمع ہو گئے۔ رات میں سید صاحب کا قافلہ چارسدہ پہنچا اور قصبہ کے باہر قیام پذیر ہوا۔

کھانے وغیرہ سے فراغت کے بعد معمول کے مطابق پہریدار اپنے کاموں پر، گشت لگانے والے اپنی ذمہ داریوں پر لگ گئے۔ ہر شب کے لیے ایک خفیہ لفظ چن لیا جاتا تھا جس کی خبر

پورے لشکر کو ہوتی تھی۔ پہریداروں کے ٹوکنے پر اگر مقررہ لفظ نہیں دہرایا جاتا تو سمجھ لیا جاتا کہ یہ اجنبی ہے۔

چونکہ سید صاحب کی برکت سے پورا لشکر ہی تہجد گزار تھا، اس لیے رات کے آخری پہر تہجد کے وقت پورا لشکر بیدار ہو جاتا تھا۔ چارسدہ کی پہلی رات میں تہجد سے فراغت کے بعد سید صاحب نے کہا کہ قبولیت دعا کا وقت ہے۔ میں دعا کرتا ہوں، سب بھائی مل کر آمین کہیں۔ اس کے بعد آپ نے برہنہ سر ہو کر دعا کی:

”اے پروردگار! تو بڑا قادر و بے نیاز ہے۔ ہم سب بندے محتاج و ناچار ہیں۔ سوا تیرے کوئی ہمارا حامی و مددگار نہیں۔ ہم سب تیری ہی رضا مندی کے واسطے اپنے شہر کو چھوڑ کر یہاں آئے ہیں۔ تو ہم پر رحمت کی نظر کر۔“

سید صاحب کا معمول تھا کہ تہجد کے وقت حاضرین کو تھوڑی دیر نصیحت فرماتے، اس کے بعد سو جاتے۔ چارسدہ میں بھی معمول کے مطابق ایسا ہی کیا۔ فجر کی نماز میں لشکریوں کے علاوہ بستی کے بھی اچھے خاصے لوگ شریک ہو گئے تھے۔ نماز کے بعد پھر سید صاحب نے لمبی دعا کرائی۔

چارسدہ کے لوگوں نے کثرت سے بیعت اور مجاہدین کی دعوت کی۔ آپ چارسدہ میں تقریباً دو ہفتے رہے۔ اسی مدت میں لشکر کے کچھ لوگوں نے شمشیر خان نامی ایک مشتبہ آدمی کو آپ کی خدمت میں پکڑ کر لائے اور کہا کہ یہ سکھوں کا جاسوس ہے، اسے قتل کر دینا چاہیے۔ سید صاحب نے اسے اپنے پاس روک کر دوسرے لوگوں کو واپس بھیج دیا۔ عشا کی نماز کے بعد تنہائی میں اس سے پوچھا کہ سہی سہی اپنا حال بتا دو، کسی طرح کا اندیشہ نہ کرو۔ اس نے اعتراف کر لیا کہ وہ واقعی سکھوں کی طرف سے جاسوسی کی غرض سے آیا ہے اور یہ بھی بتلایا کہ بدھ سنگھ ایک بڑے لشکر کے ساتھ دریائے سندھ عبور کر کے خیرآباد میں داخل ہو چکا ہے۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ ”بھائی! بدھ سنگھ سے جا کر کہہ دینا کہ جس طرح تم اپنے آقا رنجیت سنگھ کے فرماں بردار ہو اور اس کے احکام کی بجا آوری میں لگے ہوئے ہو۔ اسی طرح ہم بھی اپنے مالک حقیقی کی فرماں برداری کے پابند ہیں۔ بدھ سنگھ کو جو خبر ملی ہے کہ ایک سیدزادہ ملک کو سکھوں کی تصرف سے نکالنے کے ارادہ سے ہندوستان سے آیا ہے۔ یہ بات بالکل درست ہے۔ ہم عنقریب ہی اس سے جنگ کرنے والے

ہیں۔

شمشیر خان آپ کے بلند اخلاق سے بہت متأثر ہوا۔ آپ کی بات سن کر اور آپ کی طرز سلوک دیکھ کر آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ بے تابانہ بیعت کی درخواست گزارا اور وعدہ کیا کہ اگر خدا نے چاہا تو میں بدھ سنگھ کے لشکر کا پورا حال معلوم کر کے خدمت والا میں پیش کروں گا۔

بدھ سنگھ کے بارے میں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ وہ لشکر لے کر خیر آباد میں داخل ہو چکا ہے اور آگے بڑھنے کی تدبیر کر رہا ہے۔ اسی اثنا میں امیر خان خٹک رئیس اکوڑہ نے چارسدہ پہنچ کر اس خبر کی تصدیق کر دی اور مشورہ دیا کہ مناسب یہ ہے کہ پیش قدمی کر کے بدھ سنگھ کو لنڈے کے پار ہی روک دیا جائے۔ آپ نے یہ مشورہ قبول کیا اور فیصلہ کیا کہ چارسدہ سے آگے بڑھ کر نوشہرہ پہنچنا چاہیے، جہاں سے بدھ سنگھ پر حملہ کر کے کاری ضرب لگائی جا سکتی ہے۔

سید صاحب ۱۹/ دسمبر ۱۸۲۶ء کو نوشہرہ میں داخل ہوئے۔ بدھ سنگھ اس وقت خیر آباد سے آگے بڑھ کر اکوڑہ میں داخل ہو چکا تھا جو نوشہرہ سے ساتھ آٹھ میل جنوب میں دریائے لنڈے کے کنارے واقع ہے۔ دشمن کے قرب کو پیش نظر رکھتے ہوئے سید صاحب نے مجاہدین کو حکم دیا کہ کھانا کھا کر تیار رہیں اور کمر نہ کھولیں۔

جنگ اکوڑہ:

بدھ سنگھ کے لشکر میں سات سے دس ہزار تک جنگ جو تھے اور مجاہدین کل ڈیڑھ ہزار! سکھ ہر قسم کے آلات حرب سے لیس تھے، ان کے پاس کم از کم آٹھ توپیں تھیں، اور مجاہدین میں سب کے پاس بندوق بھی نہیں تھی! پھر مجاہدین تین گروہ میں تھے۔ ایک ہندوستانی، دوسرے قندھاری اور تیسرے سرحدی (مقامی) ہندوستانی مجاہدین کی جاں بازی تو مسلم تھی، قندھاریوں کی شجاعت کا بھی ایک گونہ تجربہ ہو چکا تھا۔ سرحدی مجاہدین کے بارے میں کچھ اندازہ نہیں تھا کہ دوران جنگ کس حد تک ثبات قدمی کا ثبوت دیں گے۔ ان تمام حالات کو پیش نظر رکھ کر ایسا طریقۂ جنگ کا انتخاب ناگزیر تھا جو حوصلہ افزا اور خوشگوار ہو۔ کیوں کہ یہ پہلی جنگ تھی، مستقبل کے کاروبار جہاد کا مدار اسی پر تھا۔ طے یہ ہوا کہ دوبدو لڑنے کی بجائے شب خون مارا جائے۔ شب خون کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنی قوت کم سے کم معرض زیاں میں ڈال کر دشمن پر اچانک ضرب لگا کر اسے حواس

باختہ اور ہراس زدہ کر دیا جائے۔

سید صاحب نے تمام جماعتوں کے سالاروں کو حکم دیا کہ ہر ایک اپنے دستہ کے چست و توانا مجاہد کی فہرست بنا کر لائے۔ جب فہرست پیش ہوئی تو آپ نے نو سو مجاہدین کا انتخاب کیا، جس میں ۱۳۶/ ہندوستانی، ۸۰/ قندھاری اور باقی اہل سرحد تھے۔ اور اس شب خون لشکر کا سالار اللہ بخش خان مورانوی کو تجویز کیا۔ مغرب کی نماز کے بعد سید صاحب نے اللہ بخش کو ضروری ہدایات دیں اور دعا کر کے رخصت کیا۔ اہل لشکر نے سب سے کہا سنا معاف کرایا اور یہ کہتے ہوئے رخصت ہوئے کہ ''اگر خدا لایا تو پھر ملیں گے ورنہ جنت میں ملاقات ہوگی۔''

سکھ لشکر اکوڑہ سے باہر کھلے میدان میں مقیم تھا۔ جب مجاہدین قریب پہنچے تو مشورہ کر کے مختلف گروہوں کے ذمہ مختلف کام لگا دیے۔ مثلاً کسی کے ذمہ خیموں کی طنابیں کاٹنا، کسی کے ذمہ بندوق اور تلوار چلانا اور کسی کے ذمہ جنگی سامان کو سمیٹنا یا تباہ کرنا۔ لشکر کی ترتیب یہ رکھی گئی کہ سب سے آگے ہندوستانی مجاہدین اور ان کے ساتھ ایک دو آدمی اہل سرحد میں سے جو راستوں سے باخبر ہو، تاکہ رہبری کرتا رہے۔ اس کے بعد قندھاری اور اہل سرحد کی جماعتیں۔ ایک آدمی کو پہلے حالات معلوم کرنے کے لیے آگے بھیج دیا گیا تھا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کی رہبری میں مجاہدین سکھ لشکر کے اس حصے کی طرف بڑھے جہاں رہبر کے مطابق زیادہ تر سکھ غافل سوئے پڑے تھے۔ سکھ لشکر کے گھڑیال نے جب تین بجائے تو مجاہدین اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے ان کے لشکر میں گھس گئے۔ اس اچانک حملہ سے پورے لشکر میں سراسیمگی پھیل گئی۔ ایک سکھ پہریدار نے نعرہ کی آواز سن کر گولی چلائی جو مولوی باقر علی عظیم آبادی کو لگی۔ زخم کاری تھا وہ بیٹھ گئے اور بولے کہ بھائیو! میرا کام ہوگیا، یہ ہتھیار مجھ سے لے لو، یہ اللہ کی امانت ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان کی روح پرواز کر گئی۔ اس قدوسی جماعت کے یہ پہلے شید تھے۔

شب خون اتنا بروقت اور قوت سے مارا گیا تھا کہ اس کی کامیابی میں کوئی شبہہ باقی نہیں رہا مگر اہل سرحد نے اصل کام چھوڑ کر مال و متاع سمیٹنے میں لگ گئے۔ اور سب سے افسوسناک صورت حال یہ ہوئی کہ جس کے ہاتھ جو لگا وہ لے کر لشکر گاہ سے نکلتا چلا گیا، تاکہ جلد سے جلد گھر پہنچا سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یورش کی شدت وقوت میں کمی آگئی اور سکھوں کو سنبھلنے کا موقع مل گیا۔

سکھوں نے اول وہلہ میں یہ سمجھا تھا کہ غازیوں کی ایک بڑی تعداد نے حملہ کیا ہے مگر جب ان کے لشکر کے گولہ انداز نے روشنی جلائی اور میدان روشن ہوا تو معلوم ہوا کہ حملہ آوروں کی تعداد بہت کم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت صرف ہندوستانی اور قندھاری غازی لشکر گاہ میں رہ گئے تھے، اہل سرحد زیادہ تر سامان سمیٹ کر واپس جا چکے تھے۔

بدھ سنگھ رات گزارنے کے لیے اکوڑہ چلا جاتا تھا، رات میں لشکر گاہ میں نہیں رہتا تھا۔ اس کو جب حملہ کی اطلاع ملی تو لشکر گاہ پہنچا اور نقارہ بجا کر بھاگتے ہوئے سکھوں کو جمع کر کے جوابی حملہ کیا۔ غازی جو بہت تھوڑے رہ گئے تھے ایک گوشہ میں جمع ہونے پر مجبور ہو گئے۔ اور جم کر اس لشکر سے باقاعدہ جنگ کرنے لگے جو تعداد میں ان سے پچاس ساٹھ گنا زیادہ تھا۔ اللہ بخش خان سردار نے ایک چھوٹے سے گروہ کو لے کر سکھوں پر ایسا شدید حملہ کیا کہ وہ دور تک پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ اس حملہ میں خود بھی ہمراہیوں کے ساتھ اللہ بخش شہید ہوئے۔

اکوڑہ کی جنگ ۲۰/ جمادی الاولی ۱۲۴۲ھ (۱۰/ دسمبر ۱۸۲۶ء) چہار شنبہ اور پنج شنبہ کی درمیانی رات میں سوا چار بجے سے چھ بجے صبح تک جاری رہی۔ اس جنگ میں ۳۶/ ہندوستانی غازی اور ۴۶/ قندھاری غازی شہید ہوئے اور دونوں جماعتوں کے زخمیوں کی تعداد تیس سے چالیس تک تھی۔ اہل سرحد میں سے غالباً کسی نے شہادت نہیں پائی۔ سکھ مقتولین کی تعداد سات سو کے قریب تھی۔

حضرو پر چھاپہ:

جنگ اکوڑہ نے بدھ سنگھ کے پاؤں اکھاڑ دیے۔ وہ اکوڑہ سے بھاگ کر شیدو چلا گیا۔ سید صاحب اکوڑہ ہی میں رہے۔ قلت تعداد کی وجہ سے ابھی تک جن لوگوں کے قلوب تذبذب میں تھے اس جنگ نے ان کے قلوب کو شبہہ اور بے یقینی کی آلائشوں سے پاک کر دیا۔ مقامی لوگوں کا رجوع سید صاحب کی طرف بڑھ گیا۔ ممتاز خوانین میں سے خادے خان، رئیس ہنڈ اور اشرف خان، رئیس زیدہ نے بھی آ کر بیعت کی۔ اور صرف بیعت ہی نہیں کی بلکہ خادے خان نے باصرار سید صاحب کو ہنڈ آنے کی دعوت دی۔ سید صاحب نے اس کی دعوت قبول کی۔ زخمیوں کو نوشہرہ میں مولوی عبدالقیوم اور سید امانت علی کی نگرانی میں رکھ کر خود غازیوں سمیت نوشہرہ سے نکل کر مصری

بانڈے میں ٹھہرتے ہوئے تورڈھیر پہنچے۔ وہاں دو رات بسر کی، وہیں خادے خان پیشوائی کے لیے حاضر ہوا۔ اس کے ہمراہ آپ ہوڈ پہنچے۔ سید صاحب کے قیام کے لیے موضع بازار تجویز ہوا۔ وہیں رؤوسا اور عوام آپ سے بیعت کے لیے کثرت سے حاضر ہوتے رہے۔

سید صاحب موضع بازار ہی میں مقیم تھے کہ حضرو پر چھاپہ کا واقعہ پیش آیا۔ اس واقعہ سے سید صاحب کا اصلاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہوا یوں کہ اہل سرحد کی شمولیت سید صاحب کے لشکر میں چونکہ جلد ہی کی تھی، اس لیے انہیں سید صاحب کے مقاصد عالیہ اور شرعی جہاد سے قطعاً آگاہی نہیں تھی۔ ان کے نزدیک جہاد محض یہ تھا کہ جہاں جی چاہا چھاپا مارا، سامان سمیٹا اور چلے آئے۔ انھیں اہل سرحد نے حضرو پر چھاپہ مارنے کا پروگرام بنایا۔ حضرو تجارتی جگہ ہے وہاں سے زیادہ مال و دولت ملنے کی توقع تھی۔ یہ پروگرام سید صاحب کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ہندوستانی غازیوں میں سے کوئی بھی اس چھاپہ ماری میں شریک نہیں ہوا۔ ہاں اتنا ہے کہ چھاپہ سے واپسی پر جب سکھوں نے ان کا تعاقب کیا تو سید صاحب اور ہندوستانی غازیوں نے ان کی مدد کی اور سکھوں کو مار بھگایا۔ اور تین دن کے بعد جب سکھوں نے دوبارہ یورش کی تب بھی ہندوستانی غازیوں نے ہی ان کا مقابلہ کیا اور انہیں پسپا ہونے پر مجبور کیا۔

بیعت امامت جہاد:

اکوڑہ کی جنگ اور حضرو پر چھاپہ کے واقعہ اور ردعمل میں سکھوں کی یلغار جسے جنگ بازار کہا جاتا ہے، ان تجربات سے اتنا واضح ہو گیا کہ اہل سرحد میں نظم ہے اور نہ جمعیت۔ ان کے سامنے دینی مقاصد نہیں بلکہ مال و منال کی صرف لوٹ مار ہے۔ انھیں بھیڑ یا انبوہ تو کہا جا سکتا ہے مگر جماعت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ اور پھر وہاں کے خوانین و رؤوسا جنھیں سید صاحب مجتمع کرنا چاہتے تھے مگر ان کی باہمی رقابتیں اجتماع میں رکاوٹ بن رہی تھیں۔ ایسی صورت میں ضروری تھا کہ سب کی رضامندی سے ایک مرکزی مقام کا بندوبست ہو اور ایک امام کا انتخاب ہو۔

سید صاحب ہنڈ میں مقیم تھے کہ خدوخیل کے رئیس فتح خان پنج تاری آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوا اور پنج تار چلنے کی دعوت دی۔ سید صاحب نے پنج تار جانے کی دعوت اس وجہ سے قبول کر لی کہ وہ پہاڑوں کے درمیان محفوظ مقام پر واقع ہے اور سکھوں کی

یورش گاہ سے ہٹا ہوا ہے۔ پنج تار کے لیے کوچ کرنے سے پہلے یہ فیصلہ ہوا کہ جہاد کی تنظیم اور مجاہدوں کی تربیت کے لیے باقاعدہ ایک امام کا انتخاب ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ اس منصب جلیل کے لائق سید صاحب سے زیادہ موزوں کون شخص ہوسکتا ہے؟ اور پھر آپ ہی کی ذات ایسی تھی جس پر خوانین ورؤسا، علما وعوام سب کا اتفاق ہوسکتا تھا۔ چنانچہ ۱۲/ جمادی الثانی ۱۲۴۲ھ (۱۱/ جنوری ۱۸۲۷ء) جمعرات کے دن ہنڈ کے تالاب کے کنارے سادات کرام، علمائے عظام، مشائخ ذوی الاحترام، امرائے عالی مقام اور تمام خواص وعوام نے سید صاحب کے ہاتھ پر امامت جہاد کی بیعت کی۔ دوسرے دن یعنی جمعہ کو آپ کا نام خطبہ میں شامل ہوگیا۔ ہندوستانی مجاہدین تو ابتدا ہی سے آپ کو امیر المومنین کہتے رہے ہیں، اہل سرحد نے 'سید بادشاہ' کا لقب دیا اور سکھ بول چال میں 'خلیفہ صاحب' کے لقب سے آپ موسوم ہوئے۔

یہاں یہ بات واضح کردینا ضروری ہے کہ یہ بیعت صرف کاروبار جہاد کی تنظیم وترتیب کے لیے تھی۔ آپ کی بات صرف جہاد کے سلسلے میں قابل تسلیم اور واجب الاطاعت تھی۔ رؤسا و خوانین کے عام امور ریاست وسرداری سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ دعوت وتبلیغ کے ذریعہ جذبہ جہاد ابھار سکتے تھے، جن رؤسا وخوانین نے بیعت کی تھی، بوقت ضرورت ان سے مدد طلب کرسکتے تھے لیکن معاملۂ ریاست وخانیت میں سب لوگ اپنے اپنے حلقہ میں آزاد تھے۔ اس کو اس زمانہ کے لحاظ سے ایک طرح کے وفاق واتحاد یا پھر سمجھوتہ کا نام دیا جاسکتا ہے۔ ایسا اس وجہ سے کیا گیا کہ اگر رؤسا کی سرداری ختم کرکے تمام علاقوں کو ایک منضبط حکومت کے تحت لانے کی بات کی جاتی تو یقینی بات ہے کہ کوئی بھی سردار اس کو قبول نہیں کرتا اور باہمی رزم وپیکار شروع ہوجاتی۔ اس لیے یہ سمجھوتہ یا اتحاد کارِ جہاد کی تنظیم کے لیے ناگزیر تھا۔

بیعت جہاد کے بعد سید صاحب نے عام دعوت جہاد کا اہتمام کیا۔ تمام رؤسا، امرا، ملوک وسلاطین کے پاس باقاعدہ خطوط لکھے اور بعض کے پاس سفارتیں بھی بھیجی۔ ہندوستان کے دوستوں اور محبوں کے پاس بھی خطوط ارسال کیے۔

جنگ شیدو:

امام کے انتخاب واعلان کے بعد لوگ جوق در جوق سید صاحب کی خدمت میں حاضر

ہوکر بیعت جہاد کرنے لگے۔ سرداران پشاور اور سلطان محمد خان اور سید محمد خان جو پہلے بیعت کر چکے تھے ان کی طرف سے اطاعت وفرماں برداری کی عرضیاں پہنچی۔ اسی اثنا میں بدھ سنگھ کا خط سید صاحب کو ملا، جس میں حضرو پر چھاپہ سے متعلق طعن وتعریض تھی کہ ”اگر آپ اتنی دور سے شہادت کا شوق لے کر آئے تھے تو میدان میں آ کر مقابلہ کرنا چاہیے تھا۔ حضرو کے غریب بیوپاریوں پر حملہ کرنا کہاں کی مردانگی ہے؟ سید ہو تو سامنے آ کر لڑو، چھپ چھپ کر تاخت وتاراج کیوں کرتے ہو۔“

گزر چکا کہ حضرو پر چھاپہ سے سید صاحب کا کوئی تعلق نہیں تھا اس لیے بدھ سنگھ کی یہ تعریض بالکل غلط اور بے محل تھی۔ سید صاحب نے اس کے جواب میں لکھا کہ:

”دین محمدی کی نصرت میں مَیں اپنے مولا کا حکم بجالاؤں گا۔ دین محمدی کی نصرت کے لیے جو کوشش کسی صورت میں ممکن ہوگی ضرور بجالاؤں گا۔ ان شاء اللہ زندگی کی آخری سانس تک اس سعی میں مشغول رہوں گا۔ جب تک سر گردن پر سلامت ہے اس میں یہی سودا سمایا رہے گا۔ اور جب تک پاؤں تاب رفتار سے محروم نہیں ہوجاتے، اسی راستہ پر چلتا رہوں گا۔ مفلس بن جاؤں یا دولت مند، منصب سلطنت پر پہنچ جاؤں یا کسی کی رعیت بن جاؤں، بزدلی کی تہمت لگے یا شجاعت کی ستائش آئے، میدان جہاد سے کامیاب ہوکر زندہ لوٹوں یا شہید ہوجاؤں، اگر میں دیکھوں کہ میرے مولا کی رضا اسی میں ہے کہ میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ تنہا میدان جنگ میں آؤں تو خدا کی قسم دل وجان سے تنہا سینہ سپر ہوجاؤں گا اور لشکروں کے ہجوم میں گھستے وقت دل میں ذرا سا بھی کھٹکا نہیں ہوگا۔“

بیعت امامت کے بعد دو مہینے کی قلیل مدت میں ۸۰؍ ہزار سرحدی عوام جہاد کے لیے فراہم ہوگئے۔ سرداران پشاور کا لشکر اس سے الگ تھا جس کی تعداد غالباً بیس ہزار تھی۔ سید صاحب ہنڈ سے نکل کر جلسئی اور مصری بانڈ ٹھہرتے ہوئے نوشہرہ میں وارد ہوئے۔ یہیں سے بدھ سنگھ کے لشکر پر یورش کا ارادہ تھا۔ بدھ سنگھ اس وقت شیدو میں خیمہ زن تھا۔ اس کے پاس ۳۰؍۳۵؍ ہزار فوج تھی اور اسلحہ جنگ بھی ان کے پاس فراواں تھے۔ لڑائی سے قبل سید صاحب کی طبیعت علیل ہوگئی، جس صبح لڑائی کا فیصلہ ہوا تھا اس کی رات میں اچانک آپ کی طبیعت بہت زیادہ بگڑ گئی۔ بار

بار غشی طاری ہوتی، قے اور استفراغ شروع ہو گیا۔ رات بھر تکلیف میں رہے۔ آخری پہر جب لڑائی کی تیاری کا نقارہ بجا تو شاہ اسماعیل صاحب آپ کے خیمے میں آئے اور آپ کو بے ہوش پایا، جب افاقہ ہوا تو عرض کیا کہ لڑائی کے لیے نکلنے کا وقت ہو گیا ہے۔ چونکہ آپ کی طبیعت بہت زیادہ خراب تھی اس لیے آپ کو ہاتھی پر سوار کرایا گیا۔ آپ کے ساتھ ہودے میں مولانا اسماعیل صاحب بھی دیکھ ریکھ کے لیے بیٹھے۔

لڑائی کی صفیں آراستہ ہو گئیں، سکھ لشکر اور اسلامی جیوش کے درمیان ایک خشک نالہ تھا۔ سکھوں نے آگے بڑھ کر اس نالے میں چار مورچے بنا لیے۔ جب لڑائی کا آغاز ہوا تو ان مورچوں سے دنادن اسلامی لشکر پر گولے برسنے لگے۔ سلطان محمد خان، پیر محمد خان، فتح محمد خان پنج تاری اور دیگر مجاہدین نے مل کر نالے والے مورچے پر زبردست حملہ کیا۔ اس مورچہ پر موجود بیشتر سپاہی مارے گئے اور جو بچ رہے وہ فرار ہو گئے۔ اس مورچہ کی فتح سے اسلامی لشکر ایک بڑی مصیبت سے محفوظ ہو گیا۔ جو سکھ مورچہ چھوڑ کر بھاگے تھے وہ ایک جگہ اوٹ میں کھڑے ہو گئے۔ سمہ کے غازیوں نے اس اوٹ پر ہلہ بول دیا اور تھوڑی دیر میں ان کا بھی صفایا کر دیا۔ اسی اثنا میں گوڈڑی شہزادہ اپنا لشکر لے کر شیدو گاؤں سے نکلا، سکھوں کی ہر رکاوٹ بزور دور کرتا ہوا لشکر میں گھس گیا۔ گوڈڑی شہزادے اور غازیان سمہ کی یلغار نے سکھوں میں ہلچل مچا دی اور ان کو سراسیمہ کر کے رکھ دیا۔ بظاہر اسلامی لشکر کی فتح میں کوئی کسر باقی نہیں تھی بلکہ ایک شخص نے تو سید صاحب کو فتح کی مبارک باد بھی دیدی تھی۔ مگر ایک غدار سردار جو پہلے ہی سے سکھوں سے ملا ہوا تھا اور لڑائی سے قبل سید صاحب پر جو غشی طاری ہوئی، وہ بھی اس سردار کی زہر خورانی کی وجہ سے تھی۔ اس نے ایسی حرکت کی کہ یہ نمایاں فتح شکست میں بدل گئی۔

یار محمد خان عین اسی وقت جب اسلامی لشکر فتح کے بالکل قریب اور سکھوں کا لشکر ریزہ ریزہ ہو رہا تھا، اس نے اپنے لشکریوں کے ساتھ راہ فرار اختیار کی اور صرف بھاگا ہی نہیں بلکہ اس کے آدمیوں نے مختلف لشکروں میں جا کر اس کی تشہیر کرنی شروع کر دی کہ یار محمد خان بھاگ گیا۔ میدان جنگ میں اس طرح کی خبر کا جو اثر ہو سکتا تھا، ہوا۔ ایک طرف سلطان محمد اور پیر محمد خان اپنے لشکروں کے ساتھ بے تحاشہ بھاگ کھڑے ہوئے اور دوسری طرف غازیان سمہ نے جب یہ شور سنا

تو انھوں نے بھی بغیر سوچے سمجھے راہ گریز اختیار کی۔ صرف گوڈڑی شہزادے پر اس خبر کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ اپنے لشکریوں کے ساتھ مقابلہ پر ڈٹا رہا، یہاں تک کہ خون شہادت میں تیرتا ہوا مالک حقیقی سے جاملا۔

لڑائی سے قبل سید صاحب کی علالت بھی یار محمد خان غدار کی زہر خورانی کا نتیجہ تھا۔ نوشہرہ میں جب آپ نے پڑاؤ ڈالا تو آپ کے کھانے کا ذمہ یار محمد خان نے لیا۔ کس کو معلوم تھا کہ یہ اتنا بدنیت اور بد باطن ہوگا کہ سکھوں سے ہاتھ ملالے گا؟ اور گھر کے مہمان کے ساتھ زہر خورانی جیسی ذلیل حرکت کرے گا؟ زہر خورانی کے بعد آپ کے جسم پر ثبور نکل آئے۔ اطبا نے بالاتفاق اسے زہر کا اثر قرار دیا اور معالجہ کے سلسلے میں نکاح پر خاصا زور دیا۔ بالآخر سید صاحب کو مجبور ہو کر تیسرا نکاح کرنا پڑا جس کا ذکر اپنے موقع پر آئے گا۔

یہ فتح سکھ دربار میں عظیم الشان فتح مانی گئی۔ اس فتح کی خوشی میں توپیں سر کی گئیں اور بہت بڑے جشن کا اہتمام کیا گیا۔ دیوان امر ناتھ سنگھ کے بقول: ''لاہور اور تمام سکھ مقبوضات میں چراغ جلائے گئے، رنجیت سنگھ نے شاہانہ جشن منایا، ہزاروں روپے محتاجوں اور فقیروں میں بانٹے گئے اور شاہانہ جشن منایا گیا۔'' (ظفر نامہ دیوان امر ناتھ ص ۸۱۸/ بحوالہ تحریک سید احمد شہید ج ۱ ص ۵۱۶)

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سید صاحب کی تحریک جہاد نے سکھوں کو کس درجہ سراسیمہ اور ہراس زدہ کر رکھا تھا اور اس فتح کو ان لوگوں نے کتنی اہمیت دی۔

سفر چنگلئی:

سید صاحب ہاتھی پر سوار تھے اور یہ ہاتھی یار محمد خان کا دیا ہوا تھا۔ آپ کے ساتھ شاہ اسماعیل صاحب بھی تھے۔ اسلامی لشکر میں صرف یہی ایک ہاتھی تھا، اس لیے یہ دور سے نمایاں تھا۔ یار محمد خان نے سکھوں کو بتلا دیا تھا کہ سید صاحب ہاتھی پر سوار ہیں۔ سکھوں کے ایک گروہ نے ہاتھی کے تعاقب کا خاص اہتمام کیا، مولانا اسماعیل صاحب نے جب یہ صورت حال دیکھی تو سید صاحب کو ہاتھی سے اتار کر گھوڑے پر سوار کر کے کچھ جاں نثاروں کے حوالے کیا اور خود ہاتھی ہی پر

رہے تا کہ تعاقب کرنے والے ہاتھی کے پیچھے لگے رہیں اور سید صاحب کو خطرے سے دور نکل جانے کا موقع مل جائے۔ مولانا کو جب یہ اندازہ ہوگیا کہ سید صاحب خطرہ سے دور نکل گئے ہوں گے تو آپ بھی ہاتھی سے اتر گئے اور جو غازی آپ کے قریب تھے انہیں ساتھ لے کر پیدل پشاور کی طرف روانہ ہوگئے۔

سید صاحب کو بے ہوشی کی حالت میں لوگ ’سر کے گھاٹ‘ لے کر پہنچے۔ وہاں کشتی سے دریا پار کر کے بابڑہ پہنچے۔ بابڑہ میں زہر کا اثر زیادہ ہوگیا اور گھوڑے پر سوار رہنا ممکن نہیں رہا۔ لوگوں نے آپ کو چارپائی پر لٹا کر ڈاکئی ہوتے ہوئے گوجر گڑھی پہنچے۔ رات وہیں گزری اور پھر موضع محبّ ہوتے ہوئے سرخ ڈھیڑی پہنچے اور پھر وہاں سے چنگلئی گئے۔

شیدو کے میدان جنگ میں سارے رفقا منتشر ہوگئے تھے۔ صرف چند احباب آپ کے ساتھ تھے۔ جب آپ چنگلئی پہنچے اور قیام کیا تو آہستہ آہستہ سارے رفقا وہیں جمع ہوگئے۔ چنگلئی میں سید صاحب اور بعض رفقا کے لیے چند مکان خالی کرا لیے گئے اور باقی مسجدوں میں قیام پذیر ہوئے۔ چنگلئی میں آٹھ دن تک آپ پر بے ہوشی کے دورے پڑتے رہے۔ جب طبیعت بحال ہوئی تو جنگ اور بعد کی مشقتوں کا حال سنا۔ سارے حالات سن کر فرمایا:

”یہ جو کچھ حال ہم پر اور سب بھائیوں پر گزرا ہے، کچھ جناب الٰہی میں ہم لوگوں سے خطا اور بے ادبی ہوئی ہے۔ اسی کا یہ بدلہ ہے، اور یہ بھی ایک امتحان تھا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ ایسی آزمائشوں پر ہم کو اور ہمارے مجاہدین بھائیوں کو ثابت قدم رکھے اور ہماری تکلیفوں کو ساتھ راحت کے بدل دے۔ اور ان لوگوں نے جو ہم کو زہر دیا سو یہ بھی حکمت الٰہی سے خالی نہیں۔ یہ بھی ایک سنت ہے.........جو ہم سے ادا ہوئی۔“

پھر ننگے سر ہو کر عجز والحاح کے ساتھ جناب الٰہی میں دعا کی:

”الٰہی! ہم سب تیرے بندے ذلیل وخاکسار اور عاجز ناچار ہیں۔ سوا تیرے کوئی ہمارا حامی ومددگار نہیں۔ محض تیرے ہی فضل وکرم کے امیدوار ہیں۔ ہم تیرے امتحان وآزمائش کے قابل نہیں۔ ہماری خطاؤں کو نہ پکڑ۔ اپنی رحمت سے معاف کر اور ہم کو اپنے صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھ۔ جو لوگ تیری اس راہ کے مخالف ہیں ان کو ہدایت کر۔“

اس کے بعد آپ نے غازیوں کو تسلی دی اور سمجھایا۔ فرمایا کہ: ”بھائیو! گھبراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ ہم پر اپنا فضل و کرم کرے گا۔“

بونیر و سوات کا دورہ:

چنگلئی میں تقریباً آپ ایک مہینہ رہے۔ اس کے بعد دعوت جہاد کے لیے بونیر و سوات کے دورہ کا ارادہ بنایا۔ غازیوں کی جماعت کے ساتھ آپ چنگلئی سے نکلے، وادی چملہ ہوتے ہوئے کوگا اور کوگا سے ناواگئی پہنچے۔ ناواگئی میں ایک بڑی جماعت نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ رات آپ نے وہیں گزاری۔ وہاں کے لوگوں نے ایک دلچسپ بات یہ بتائی کہ بستی میں محبّ اللہ خان نامی ایک مجذوب رہتے ہیں۔ انھوں نے کبھی لباس نہیں پہنا۔ سید صاحب کے پہنچنے سے قبل لوگوں نے دیکھا کہ مسجد کا بوریا تہمد کے طور پر لپیٹے ہوئے ہیں۔ لوگوں کو تعجب ہوا، سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ آج ضلع میں ایک آدمی آرہا ہے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ مبادا وہ اچانک پہنچ جائے اور مجھے ننگا دیکھ لے تو بڑی شرمندگی ہوگی۔ لوگوں نے کہا کہ ہم آدمی نہیں ہیں؟ جواب دیا کہ تم میں سے ایسا آدمی کوئی نہیں ہے۔“

یہاں سے آپ نکلے تو بونیر کے علاقے میں پہنچ گئے۔ بونیر کے علاقے میں سب سے پہلا قیام دامن کوہ میں کیا۔ اس کے بعد تختہ بند آئے۔ تختہ بند میں چار روز قیام رہا، اس مدت میں خوانین و عوام نے کثرت سے بیعت کی اور آپ کی فرماں برداری کا اقرار کیا۔ تختہ بند میں ایک بڑی مصیبت گروہ بندی تھی۔ سید صاحب نے اس مصیبت کو ہر جگہ سے ختم کرنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ آپ نے اہل تختہ بند سے وعدہ کیا کہ سوات سے واپسی میں ان شاء اللہ سارے گروہوں کے درمیان ہم صلح کرادیں گے۔

تختہ بند کے بعد ایک رات آپ نے الئی میں قیام کیا اور ایک رات جوّر میں ٹھہرے، جور سے نکلے تو کڑاکڑ پہنچے جو بونیر اور سوات کے درمیان حد فاصل ہے۔ کڑاکڑ سے سوات کا رخ کیا اور سوات کی پہلی منزل بری کوٹ میں کی۔ وہاں سے تھانہ تشریف لے گئے۔ پھر دریائے سوات عبور کر کے چکدرہ پہنچے۔ چکدرہ میں دو روز قیام کیا۔ ان تمام مقامات میں عوام و خواص نے کثیر تعداد میں بیعت کی اور اطاعت و فرماں برداری کا اقرار کیا۔

چکدرہ سے سید صاحب اوچ پہنچے۔ اوچ کے سیدزادوں نے چکدرہ دعوت نامہ بھیج کر باصرار آپ کو بلایا تھا۔ یہاں پہنچ کر مولوی محمد یوسف پھلتی کی طبیعت خراب ہوگئی۔ اوچ ہی میں تھے کہ کوٹی گرام کے سادات کا دعوت نامہ پہنچا۔ آپ کوٹی گرام تشریف لے گئے اور وہاں چار روز قیام کیا۔ قیام کی یہ صورت تھی کہ دن میں آس پاس کی بستیوں کا دورہ کرتے اور رات کوٹی گرام میں گزارتے۔ کوٹی گرام ہی میں ۱۲۴۲ھ (۲۷/اپریل ۱۸۲۷ء) عید کا چاند دیکھا گیا اور عید کی نماز آپ نے یہیں ادا کی۔ عید کے تیسرے روز آپ برسوات (سوات بالا) کے ارادے سے نکلے اور مختلف مقام پر قیام کرتے ہوئے ایک ایسے گاؤں میں پہنچے جہاں کے لوگوں نے آپسی کشمکش ختم کرنے اور مصالحت کے لیے بلایا تھا۔ آپ مسجد میں بیٹھے صلح کی بات چیت کر رہے تھے کہ کسی نے آ کر اطلاع دی کہ مولوی یوسف صاحب کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی ہے۔ مولوی صاحب کی علالت اوچ سے ہی شروع ہوئی تھی۔ یہاں پہنچ کر علالت نے شدت اختیار کر لی اور خطرناک حد تک پہنچ گئی۔ لوگ پاس کے گاؤں کے طبیب کے پاس لے گئے مگر حالت اتنی نازک ہو چکی تھی کہ لے جانا بے سود ہی رہا۔ جب نزع کی حالت ہوئی تو کہا کہ 'مجھے اٹھا کر بٹھا دو'، سہارا دے کر بٹھایا گیا اور اسی حالت میں روح پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

جب سید صاحب کو خبر ملی تو آپ مسجد میں تھے، 'انا للہ' پڑھا اور فرمایا کہ: ''یہ دنیا بڑی سخت جگہ ہے، جو یہاں سے ثابت قدم گیا وہی خوش نصیب ہے۔'' جنازہ کی نماز سید صاحب نے پڑھائی۔ جنازہ کے بعد مولانا اسماعیل صاحب سے فرمایا کہ: ''یوسف جی اس لشکر اسلام کے قطب تھے۔ آج لشکر قطب سے خالی ہوگیا۔ وہ بڑے زاہد، متوکل، قانع، مستقیم الحال اور مستقل مزاج تھے۔'' یہ الفاظ زبان پر تھے اور آنکھ سے آنسو بہہ رہے تھے۔

واضح رہے کہ مولوی صاحب سید صاحب کے خزینہ دار، معتمد خاص اور لشکر اسلام کے رسد کے ناظم اعلی تھے۔ سب سے پہلی بیعت سید صاحب سے آپ ہی نے کی تھی۔

سید صاحب اس گاؤں سے نکلے تو ایک رات بھانڈھ میں گزاری۔ وہاں سے منگورہ گئے اور تین روز قیام فرمایا۔ منگورہ سے نکلے تو ایک رات منگلور میں بسر کی۔ دوسرے روز چار باغ پہنچے۔ چار باغ میں تین دن قیام رہا، اس کے بعد گلی باغ گئے۔ گلی باغ سے آپ نے خوند کا ارادہ

کیا۔ راستہ میں خواجہ خیل کے لوگوں نے باصرار روک لیا۔ خواجہ خیل سے خونہ، خونہ سے اشالہ، درشت خیل اور بھانڈھ ہوتے ہوئے چار باغ پہنچے۔ چار باغ میں ذی الحجہ کا چاند دیکھا گیا۔ اسی وقت آپ نے ارادہ کرلیا کہ بقرعید کی نماز چنگلئی میں ادا کریں گے۔

آپ کا یہ دورہ خیر و برکت اور نتیجہ کے اعتبار سے انتہائی کامیاب دورہ رہا۔ جہاں جہاں آپ گئے لوگوں کے دینی ذوق میں تازگی اور بالیدگی پیدا ہوئی۔ عقائد واعمال کی اصلاح ہوئی، زندگیاں درست سمت میں لگیں، آپسی تنازعات ختم ہوئے، دشمنیاں مٹیں، گروہ بندیوں کا خاتمہ ہوا اخوت و بھائی چارگی اور قومیت صالحہ کا سانچہ تیار ہوا۔

دعوت جہاد:

سید صاحب نے وطن سے ہجرت کی تھی تو آپ کے ساتھ چھ سو مجاہدین تھے۔ ظاہر ہے کہ اس قلیل تعداد سے سید صاحب کا عظیم منصوبہ پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ کاروبار جہاد کے لیے نظم وترتیب کے ساتھ افراد و مال کا بھی فراہم ہونا ضروری ہوتا ہے۔ افراد تیار کرنے کے لیے جہاں سید صاحب نے سرحد کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا وہیں ہندوستان میں متعدد لوگوں کو مختلف علاقوں میں عوام میں جذبہ جہاد بیدار کرنے کے لیے اور انھیں سرحد پر بھیجنے کے لیے تعینات کر رکھا تھا۔ ہندوستان ہی سے لوگ مال فراہم کرکے ہنڈی کے ذریعہ یا پھر سید صاحب کے پاس جانے والے مجاہدین کے ذریعہ وقتاً فوقتاً بھیجتے رہتے تھے۔

سید صاحب کے سوات کے دورہ کے بعد مولانا اسماعیل صاحب نے چند غازیوں کے ہمراہ ہزارہ کا دورہ کیا اور خوانین ورؤساوعوام کو دعوت جہاد دی۔ آپ کا یہ دورہ بہت کامیاب رہا۔ آپ کی دعوت کی خوب پذیرائی ہوئی اور لوگوں نے کثرت سے سید صاحب کے نائب کی حیثیت سے آپ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی۔ لیکن ہزارہ میں کچھ ایسے سردار بھی تھے جنھیں ساتھ دینے میں محض قلت افراد ووسائل کی بنا پر تامل تھا۔ آپ کے اس دورے میں دو معرکے بھی پیش آئے۔ ایک ڈمگلہ اور دوسرا شنکیاری۔

مولانا شنکیاری کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں سکھوں کا اجتماع ہے۔ مولانا نے ان پر ضرب لگائے بغیر آگے جانا مناسب نہیں سمجھا۔ اس میں دو مصلحت تھی، ایک تو سکھوں کی قوت

کمزور ہوتی، دوسرے مذبذبین کا قلت وسائل کی بنیاد پر جو تذبذب تھا وہ ختم ہوتا۔ اور ممکن ہے کہ کچھ جذبہ غیرت بیدار ہوتا اور اعانت کے لیے تیار ہو جاتے۔ لیکن چونکہ سکھوں کی تعداد زیادہ تھی اس لیے دوبدو لڑنے کی بجائے شب خون مارنے کا فیصلہ ہوا۔ مولانا خود دس بیس ساتھیوں کے ساتھ شنکیاری میں ٹھہرے اور سید مقیم رام پوری کو ایک سو غازیوں کا سالار بنا کر یورش کے لیے بھیج دیا۔ غازیوں کے ساتھ چودہ پندرہ سو مقامی افراد بھی فراہم ہو گئے۔ سید مقیم نے جواں مردی کے ساتھ حملہ کیا اور خوب خوب داد شجاعت دی اور سکھوں پر کاری ضرب لگائی۔

گزر چکا ہے کہ خود مولانا شنکیاری ہی میں ٹھہرے رہے۔ مولانا کے ساتھی اور مولانا دو وقت کا فاقہ جھیل چکے تھے۔ تھوڑا سا غلہ کہیں سے فراہم ہوا تو کھانے کے انتظام میں لگ گئے۔ بعض کھا چکے تھے، بعض کھا رہے تھے اور بعض لوگ ابھی پکا رہے تھے کہ اچانک سکھوں کا ایک گروہ شنکیاری سے باہر نکلا۔ یہ لوگ غالباً جوار کاٹنے کی غرض سے نکلے تھے۔ مولانا نے دیکھا تو سمجھے کی جنگ کے لیے آ رہے ہیں۔ مولانا نے فوراً سب کو مورچہ سنبھالنے کا حکم دیا۔ سکھ جب قریب آئے تو غازیوں نے یلغار کر دی اور سکھوں کا مار کر بھرکس نکال دیا۔

ان دونوں معرکوں میں سکھوں کی اس بری طرح شکست و ریخت ہوئی تھی کہ ان پر ہراس زدگی اور سراسیمگی طاری ہوگئی۔ معرکہ ڈمگلہ میں دو سو اور ایک روایت کے مطابق قریب تین سو سکھ مارے گئے، اور جنگ شنکیاری میں دو اڑھائی سو کے قریب سکھ مقتول ہوئے۔

سید صاحب کے لوگ ہندوستان سے افراد تیار کر کے جہاد کے لیے سرحد بھیجتے رہے۔ کئی قافلے لشکر میں وارد ہو چکے تھے۔ یار محمد خان نے جس نے جنگ شیدو میں غداری کی تھی، وہ رنجیت سنگھ کے دباؤ میں آ کر غازیوں کے نو آمدہ قافلوں کو روکنا شروع کر دیا۔ سید صاحب نے چند لوگوں کو قافلہ والوں کو لانے پر مامور کیا جو بحسن و خوبی بات چیت کر کے قافلہ کو چھڑا کر لشکر لے آئے۔

یہ قافلہ جس کو روکا گیا تھا اس کے سر عسکر غالباً مولوی محبوب علی تھے۔ یہ سیمابی طبیعت کے متلون مزاج آدمی تھے۔ لشکر میں پہنچتے ہی انھوں نے سید صاحب پر طرح طرح کے اعتراض کر ڈالے۔ مثلاً یہ کہ سید صاحب نفیس لباس پہنتے ہیں، عمدہ کھانا کھاتے ہیں، ان کو سید صاحب کی

امامت پر بھی اعتراض تھا۔ پہلے افہام وتفہیم کی کوشش کی گئی۔ جب انھوں نے مان کر نہیں دیا تو لوگوں نے ان سے کہا کہ اگر ایسی بات ہے تو آپ بھی سید صاحب کے ساتھ کھایا کیجئے۔ پرانے لوگوں کو سید صاحب کے لذیذ کھانوں کا علم تھا ہی وہ کس نوعیت ہوتا ہے؟ انھیں بھی ساتھ لگا دیا۔ یہ تیار ہو گئے، مگر دو دن کے بعد معلوم ہوا کہ سید صاحب کے ساتھ کھانے سے گریز کر رہے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ ابھی تو سید صاحب پر لذیذ کھانے کا الزام تھا، جب انھیں لذائذ میں آپ کو شریک کر دیا گیا تو گھبرا کیوں گئے؟ معلوم ہوتا ہے کہ شاہجہاں آباد کے تر لقمے یاد آتے ہیں۔

غرض مولوی صاحب نے لشکر میں اچھا خاصا تفرقہ وفتنہ برپا کر دیا، اور ایک رات اٹھے اور چپکے سے لشکر چھوڑ کر پشاور روانہ ہو گئے۔ ان کی ان حرکتوں کا کوئی اچھا اثر نہیں پڑا، ان کے جانے کے بعد حکیم محمد اشرف دہلوی بھی واپس چلے گئے۔ اگر یہ لوگ صرف لشکر چھوڑنے ہی پر قانع رہتے تب بھی غنیمت تھا۔ مگر ان لوگوں نے اپنی واپسی کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوششیں شروع کر دیں اور مجاہدین وانتظامات جہاد کے بارے میں غیر موزوں کلمات استعمال کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف حلقوں میں بددلی اور افسردگی پھیل گئی اور تھوڑی دیر کے لیے ہندوستان سے مجاہدین کے قافلے کی آمد موقوف ہو گئی۔

کھہر میں قیام:

سید صاحب کے بونیر وسوات کے دورہ کے بعد ارباب بہرام خان تہلکالی نے آپ کے سامنے ایک تجویز پیش کی کہ اگر مناسب سمجھیں تو پنج تار کے گرد ونواح کا بھی دورہ کر لیں۔ لوگوں میں ناچاقی اور گروہ بندیاں بہت ہیں۔ جاہلیت کی رسموں میں لوگ پھنسے ہوئے ہیں۔ آپ کے وعظ ونصیحت سے لوگوں کی روح اسلام بیدار ہوگی اور عداوتیں محو ہوں گی۔ سید صاحب کو یہ مشورہ بہت پسند آیا اور آپ نے گرد ونواح کے دورے کا عزم کیا۔

آپ پنج تار سے نکلے تو پہلے شیوہ پہنچے۔ یہاں آپ نے دو روز قیام کیا۔ اکثر لوگوں نے آپ سے بیعت کی اور آپ کے مواعظ سے فیض یاب ہوئے۔ شیوہ میں چارگلئی کا رئیس اپنے گاؤں لے جانے کے لیے آ گیا۔ آپ اس کے ساتھ نکلے تو موضع مہر علی اور موضع مچئی ٹھہرتے ہوئے چارگلئی پہنچے۔ یہاں آپ نے تین دن قیام کیا۔ وہاں سے نکلے تو امان زئی، اسماعیلیہ، کالو

خان، تلانڈی، شیخ جانا گئے۔ اول الذکر مقام پر چار دن قیام رہا، بقیہ چاروں جگہ ایک ایک شب قیام کیا۔ پندرہ سولہ دن میں دورہ مکمل کر کے واپس پنج تار آ گئے۔

دوسری مرتبہ دورہ کے لیے نکلے تو شیوہ مچئی چار گلئی ہوتے ہوئے چار لنگ اور مونڈ خور کے راستے شاہ کوٹ تشریف لے گئے۔ شاہ کوٹ میں کئی دن قیام رہا۔ وہاں سے ملا کنڈ گھاٹی سے گزر کر درگئی پہنچے اور پھر خہر تشریف لے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد غازیوں کو بھی خہر میں بلا لیا۔ خہر میں آپ نے ایک سال قیام کیا۔ ۱۲۴۳ھ کا رمضان خہر میں گزارا اور عید کی۔

مولانا عبدالحی صاحب کی وفات:

خہر میں ایک انتہائی تکلیف دہ واقعہ مولانا عبدالحی صاحب کی وفات کا پیش آیا۔ مولانا بہت بوڑھے ہو چکے تھے، بواسیر کا مرض پہلے سے تھا۔ خہر میں مرض نے شدت اختیار کی۔ دوا علاج ہوا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ کمزوری بڑھتی رہی نوبت بایں جا رسید کہ وقتاً فوقتاً بے ہوشی طاری ہونے لگی۔ بالآخر ۸؍شعبان ۱۲۴۳ھ (۲۴؍فروری ۱۸۲۸ء) کو 'اللہ رفیق الاعلیٰ' کا ورد کرتے ہوئے روح جسد عنصری سے مالک حقیقی کی بارگاہ کی جانب پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا اسماعیل صاحب، مولوی محمد حسن وغیرہ نے میت کو غسل دیا۔ سید صاحب نے مولانا کے محاسن وفضائل بیان کیے۔ فرمایا کہ ''مولانا دین کے ایک رکن تھے، اور بڑے برکت والے شخص تھے۔ اللہ نے ان کو اٹھا لیا، جو مرضی مالک کی۔'' اور آپ کی آنکھوں سے برابر آنسو جاری رہے۔

جنازہ اٹھانے والوں میں خود سید صاحب بھی تھے۔ آپ ہی نے جنازہ کی نماز بھی پڑھائی۔ جنازہ کے بعد خہر سے جنوب مشرق میں واقع ایک قبرستان میں لشکر اسلام کے اس مایۂ ناز شیخ الاسلام کو آغوش لحد میں سلا دیا گیا۔ بڈھانہ میں پیدا ہوئے، دہلی میں علم وفضل اور کمال کی منزلیں طے کیں اور اعلاء کلمۃ اللہ کی شیفتگی میں سرحد پہنچے اور سوات میں مقام خہر میں پیوند خاک ہوئے۔

تیسرا نکاح:

گزشتہ سطور میں آپ نے پڑھا کہ جنگ شیدو کے موقع پر سید صاحب کو زہر دیا گیا تھا۔

زہر کے مہلک اثرات سے تو بہ فضل ایزدی آپ بچ گئے مگر اس کا ایک اثر یہ ہوا کہ آپ کا پورا جسم ثبور سے بھر گیا۔ علاج و معالجہ ہوا مگر افاقہ نہ ہوسکا۔ اطبا نے نکاح کی تجویز پیش کی۔ نکاح میں آپ کو تردد تھا۔ کیوں کہ دو بیویاں پہلے سے موجود تھیں اور رائے بریلی سے ٹونک اور وہاں سے پیر کوٹ پہنچ چکی تھیں مگر مشکل یہ تھی کہ علاقۂ سرحد میں ان کی رہائش کا کوئی معقول انتظام ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا کہ ان کو اپنے پاس بلاتے، اور تکلیف تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔ مجبوراً آپ نے بیویوں سے تیسرے نکاح کی اجازت طلب کی۔ جب اجازت آ گئی تو آپ نے سید فاطمہ سے نکاح کیا۔

جنگ اوتمان زئی:

درانی سردار سید صاحب سے جن کے تعلق کا آغاز حسن عقیدت اور بیعت امامت سے ہوا تھا، جب انھوں نے بے وفائی کی تو آخری حد تک چلے گئے۔ جنگ شیدو میں سکھوں کے آلہ کار بن گئے، جس کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی۔ ہندوستان سے سرحد پہنچنے والے مجاہدین کا راستہ روک لیا۔ ان سرداروں اور رئیسوں کو جو سید صاحب کے وفادار تھے، اتنا تنگ کیا کہ وہ گھر بار چھوڑ کر باہر پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ ان میں ارباب خان تہلکالی، ان کا چھوٹا بھائی جمعہ خان، عالم خان رئیس اوتمان زئی وغیرہ تھے۔ سید صاحب جب خہر کی طرف جا رہے تھے تو درانیوں نے ایک لشکر مقابلہ کے لیے بھی بھیجا مگر آپ طرح دے کر نکل گئے۔ غرض غداری کے بعد ایذا رسانی کا کوئی طریقہ نہیں چھوڑا۔

حد یہ ہوئی کہ ایک دن خہر میں خبر ملی کہ درانیوں کا لشکر دریائے لنڈے عبور کر کے اوتمان زئی پہنچ چکا ہے اور جنگ کے لیے مناسب موقع کی تاک میں ہے۔ یہ ایک تشویش ناک اور تکلیف دہ خبر تھی۔ سید صاحب سرحد اس لیے نہیں گئے تھے کہ وہ مقامی خوانین و رؤوسا کے جھگڑوں میں الجھ کر رہ جائیں۔ آپ کے عزائم دوسرے تھے۔ مقامی خوانین کی جھڑپیں ان میں مخل تھی مگر لڑائی کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں تھا کہ انھوں نے ہی پیش قدمی کی اور ایک طرح سے دعوت مبارزت دی تھی۔ سید صاحب ان سے لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لیے کوئی بھی قدم اٹھانے سے قبل ہر پہلو پر غور کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے آپ نے تمام خوانین و علما و عوام کو بلا کر ان کے سامنے سرداران پشاور کی فتنہ انگیزیوں کو بیان کیا اور فیصلہ کا مجاز انھیں کو بنا دیا۔

ان لوگوں نے غور وفکر اور بحث وتمحیص کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ سرداران پشاور نے امامت قبول کرنے کے بعد بغاوت کی ہے۔ اس لیے ان سے جنگ ناگزیر ہے، اور اس وجہ سے بھی ان سے جنگ جائز ہے کہ جو علاقے ان کے تصرف میں ہیں وہاں ظلم وزیادتی اور فسق وفجور کی گرم بازاری ہے اور رسوم جاہلیت کا دوردورہ ہے۔ ان علاقے پر اسلامیت کا نقش بٹھانے کے لیے یہی تدبیر ہے کہ ان پر حملہ کیا جائے اور پشاور پر قبضہ کر کے اس سرچشمہ ہی کو بند کر دیا جائے جس سے بار بار نفاق وعداوت کے سوتے پھوٹتے رہتے ہیں۔ اور پشاور قبضہ میں آنے کے بعد یہ بھی فائدہ ہوگا کہ کاروبار جہاد کے لیے ایک مستحکم مقام مل جائے گا۔

فیصلہ ہونے کے بعد آپ نے کوچ کی تیاری شروع کی۔ غازیوں کو لے کر خہر سے نکلے تو درگئی، موسی گڑھی ہوتے ہوئے ٹوٹئی پہنچے۔ ٹوٹئی میں تقریباً ایک مہینہ قیام رہا۔ یہیں فیصلہ ہوا کہ اوتمان زئی پہنچ کر درانیوں پر شب خون مارا جائے۔ چنانچہ ضرورت کے مطابق لشکر میں ساز و سامان جنگ اور غلہ وغیرہ تقسیم کر دیا گیا۔ لشکر کو دو حصے میں بانٹ کر ایک کو اپنے پاس اور دوسرے کو مولانا اسماعیل صاحب کی سرکردگی میں دیا اور لمبا سفر طے کر کے اوتمان زئی پہنچے۔

مولانا کے لشکر کو شب خون مارنے کے لیے لشکرگاہ کی طرف بھیج دیا اور ایک حصے کو اپنے ساتھ رکھ کر قدرے فاصلہ پر ٹھہرے رہے کہ درانی لشکرگاہ سے بھاگ کر بستی میں داخل ہونا چاہیں تو انہیں روکا جائے۔ سید صاحب نے تمام غازیوں کو تاکید فرمادی تھی کہ جو لڑے اس سے لڑو اور جو پناہ مانگے اسے بے توقف پناہ دیدو۔

مولانا جب غازیوں کے ساتھ درانیوں کے لشکر کے قریب پہنچے تو چوکیدار نے دیکھ کر آواز دی کہ کون؟ مولانا خاموش رہے، پھر آواز دی، کوئی جواب نہیں ملا، تیسری مرتبہ آواز دی جب جواب نہیں ملا تو گولی چلادی اور شور مچاتے ہوئے لشکر میں پہنچا کہ سید بادشاہ آگئے۔ مولانا نے نعرہ تکبیر بلند کر کے حملہ کا حکم دیا۔ خود سب سے آگے تھے۔ درانی لشکر کے توپچی نے گولہ داغا۔ مولانا ساتھیوں سمیت زمین پر لیٹ گئے، گولہ اوپر سے گزر گیا۔ پوری پھرتی سے اٹھے اور دوسرا گولہ داغنے سے قبل ہی توپچیوں کو جا دبوچا اور مار کر توپ پر قبضہ کر لیا۔ اس اثنا میں درانی لشکرگاہ خالی ہوگیا، سب بھاگ کر ایک ٹیلے کی آڑ میں چھپ گئے۔

سید صاحب کو معلوم ہوا تو اس فتح پر دو رکعت شکرانہ ادا کی اور توپیں اس ٹیلے سے سامنے نصب کرادیں جس میں درانی پناہ لیے ہوئے تھے۔ اور مجاہدین کو دو حصہ میں بانٹ کر فجر کی نماز ادا کی۔ دن بھر جنگ جاری رہی اور خدا کے فضل سے کسی غازی کو خراش تک نہیں آئی۔ مغرب کی نماز کے بعد درانیوں کی طرف سے شدید گولیوں کی بارش ہوئی۔ معلوم ہوا کہ انھوں نے کہیں سے بندوقیں فراہم کرلی ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد عالم خان رئیس اوتمان زئی آیا اور پگڑی اتار کر سید صاحب کے قدموں میں رکھ کر بولا کہ میرا لڑکا قابو میں نہیں آرہا ہے اور میرے آدمیوں کو لے کر درانیوں سے جا ملا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ’خان بھائی! مجھے آپ کے بیٹے یا کسی دوسرے شخص کی پرواہ نہیں ہے، میرے لیے خدا کافی ہے۔‘

درانیوں پر لشکر کشی سے قبل آپ نے پچاس ساٹھ آدمیوں کا ایک قافلہ خیبر کے علاقہ میں بھیجا تھا کہ یہ لوگ وہاں جا کر خیبر اور اطراف خیبر کے لوگوں کو مجاہدین کی رفاقت کے لیے تیار کریں۔ سید صاحب ابھی غالباً خہر ہی میں تھے کہ اطلاع ملی تھی کہ خیبر اور اطراف خیبر کے لوگ مجاہدین کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔ جب عالم خان کے بیٹے کی غداری کی خبر ملی، عین اسی وقت یہ بھی پیغام ملا کہ خیبر کے قبائل جو ابتداء مجاہدین کی اعانت پر متفق ہوگئے تھے، ان میں تفرقہ پڑ گیا ہے اور وہ اپنی وفاداری بدل کر درانیوں کے طرف دار ہوگئے ہیں۔ گویا پشاور پر پیش قدمی کی ساری تدابیر اور مصلحتیں کامیابی کے قریب پہنچ کر ایمان فروشوں کی وجہ سے ناکام ہوگئیں۔ اب جنگ جاری رکھنا بے کار تھا۔ اس لیے سید صاحب نے عین میدان جنگ سے محض اپنی زیرکی اور دانائی کی وجہ سے غازیوں کو بحفاظت ہٹا کر خہر کی طرف واپس لوٹ گئے۔

بیعتِ اقامتِ شریعت:

یہ یقینی بات ہے کہ جب سید صاحب نے سرحد کی طرف ہجرت کی تھی تو آپ اہل سرحد سے احکام شرع کی پابندی اور اسلام پر فداکاری کے سلسلے میں پرامید رہے ہوں گے۔ مگر یہاں دو سال گزارنے کے بعد معلوم ہوا کہ اہل سرحد کا اسلام بھی زبانی جمع خرچ سے زیادہ نہیں ہے۔ ان کی پوری زندگی جاہلیت کے رسوم ورواج میں ڈوبی پڑی ہے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے آپ خہر کے قیام کے زمانہ میں امامت جہاد کی بیعت کے ساتھ اقامت شریعت کی بیعت کا بھی

فیصلہ کیا۔ گویا اہل سرحد کی اصلاح و تنظیم کے سلسلے میں یہ آپ کا دوسرا قدم تھا۔

اس فیصلہ کے بعد فتح خان رئیس پنج تار اور اشرف خان رئیس زیدہ کا خط آپ کے پاس آیا کہ خہر میں آپ نے لمبی مدت گزاری ہے اور بظاہر کوئی فائدہ نہیں ہوا ہے۔ آپ ہمارے پاس آجائیے۔ ہم جان و مال سے آپ کے اطاعت گزار ہوں گے۔ خط ملنے کے بعد آپ نے پنج تار کے لیے رخت سفر باندھا۔ واگئی، لونڈ خور، کاٹ لنگ ٹھہرتے ہوئے مچئی پہنچے۔ وہاں سے شیوہ اور شیوہ کے بعد پنج تار میں داخل ہوئے۔ فتح خان نے بستی سے باہر آکر آپ کا استقبال کیا۔

سید صاحب نے پنج تار پہنچتے ہی بیعت شریعت کے سلسلے میں دورے شروع کر دیے اور لوگوں کو دعوت عام دینے لگے۔ ان دوروں سے فضا سازگار ہوگئی، قبول عام کا جذبہ بیدار ہوا، لوگ کثرت سے سید صاحب کی طرف رجوع کرنے لگے۔ چنانچہ لوگوں کے ذوق وشوق کو دیکھتے ہوئے ایک بڑے اجتماع کا فیصلہ ہوا جس میں ہر علاقے کے علما وخوانین شامل ہوں۔ یکم شعبان ۱۲۴۴ھ (۱۶؍فروری ۱۸۲۹ء) جمعہ کے دن یہ اجتماع منعقد ہوا، جس میں دو ہزار کے قریب علما جمع ہوئے اور علاقے کے سارے خوانین واکابر نے بھی شرکت کی۔ سید صاحب نے افتتاحی تقریر کی اور مجمع کے سامنے میزبان فتح خان سے فرمایا کہ ’’اگر آپ نے نظام شریعت کو بہ انشراح خاطر قبول نہیں کیا تو میں پنج تار میں نہیں رہ سکوں گا۔ اگر مجھے روکنا منظور ہو تو تمام غیر شرعی رسوم سے دست کش ہو جائیے اور شریعت کے احکام کو منظور کر لیجیے۔‘‘ ظاہر سی بات ہے کہ کسی رئیس یا امیر کے لیے جس کی زندگی ابتدا ہی سے رسومات سے گھری ہو، اس کے لیے اس طرح کا فیصلہ آسان نہیں ہے۔ فتح خان نے تھوڑا تامل کیا اس کے بعد کہا کہ اگرچہ یہ امر نہایت مشکل ہے لیکن اللہ کی رضا کے لیے اس کے حکم کو بہ دل و جان قبول کرتا ہوں۔

اس اجتماع کے دو ہفتے بعد پھر ایک اجتماع ہوا جس میں صرف فتح خان کے قبیلے کے افراد شامل تھے۔ سارے شرکا نے بطیّب خاطر نظام اسلامی کی پابندی قبول کی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان دونوں اجتماعوں کے بعد سید صاحب نے مختلف علاقوں میں قاضی مقرر فرما دیے۔ مولوی سید محمد حبان کو قاضی القضاۃ بنایا۔ ملا قطب الدین ننگرہاری کو محتسب اعلی بنایا۔ تھوڑی ہی مدت میں پورے علاقے کی کایا پلٹ گئی۔ تمام لوگ شریعت کے رنگ میں رنگ گئے۔ گروہ بندیاں

ختم ہوئیں۔ مقدمات کے فیصلے شریعت کے مطابق ہونے لگے۔ حال یہ ہو گیا کہ محتسب ملا قطب الدین کے آدمی کسی گاؤں میں اگر دوسرے کام سے بھی جاتے تو لوگ دوڑے ہوئے آتے اور بتاتے کہ اب یہاں کوئی بے نمازی نہیں رہا۔

قلعہ اٹک کی تسخیر:

پنج تار میں خیر الدین نامی ایک شخص اٹک سے بارہا سید صاحب سے ملنے آئے۔ دو تین دن ٹھہرتے، تنہائی میں بات کرتے اور چلے جاتے۔ اس وقت کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اس ملاقات کی غرض وغایت کیا ہے؟ بعد میں معلوم ہوا کہ انھوں نے قلعہ اٹک کو سید صاحب کے حوالہ کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ اس کی تفصیلات طے کرنے کے لیے آتے ہیں۔

اٹک اس زمانہ میں نہایت اہم مقام کا حامل تھا۔ اس پر قبضہ ہو جانے کے بعد پنجاب میں پیش قدمی کے لیے ایک نہایت موزوں جگہ مل جاتی۔ تسخیر اٹک کے بعد امید تھی کہ ایک طرف اہل سرحد کاروبار جہاد میں پہلے سے زیادہ جوش و جذبہ کے ساتھ اعانت پر آمادہ ہو جائیں گے اور دوسری طرف پنجاب کے مسلمانوں کے حوصلے بھی بلند ہو جائیں گے۔ طے یہ ہوا کہ خیر الدین کچھ رقم لے کر جائیں اور ضروری سامان وغیرہ مہیا کریں۔ جب تیاری مکمل ہو جائے تو سید صاحب کو اطلاع کر دیں تاکہ غازیوں کا ایک دستہ اٹک بھیج دیا جائے۔

سید صاحب اس کے بعد دورے پر نکل گئے۔ گڑھی امان زئی میں تھے کہ خود خیر الدین نے آکر انتظامات کے مکمل ہونے کی خبر دی اور یہ بھی بتلایا کہ اٹک کے مسلمانوں میں سے پانچ سو افراد ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔ تجویز یہ تھی کہ غازی باہر سے برات کی شکل میں اٹک میں داخل ہوں گے۔ خیر الدین کے لوگ دریا کے کنارے استقبال کے لیے موجود ہوں گے۔ قلعہ میں داخل ہو کر مسلمانان اٹک کی مدد سے قلعہ پر قبضہ کر لیں گے۔

سید صاحب نے ستر چاق و چوبند غازی کا انتخاب کیا اور ارباب بہرام خان کو ان کا امیر مقرر کر کے اٹک کی جانب روانہ کیا۔ جب غازیوں کا قافلہ اٹک کے قریب جہانگیر گھاٹ پر پہنچا اور دریا عبور کرنے لگا تو محمد بخش نامی ایک صاحب آئے اور یہ اطلاع دی کہ ہمارے ایک ساتھی نے غداری کی اور اس راز کو فاش کر دیا ہے۔ مزید یہ کہ خادے خان نے بھی قاصد بھیج کر قلعہ دار کو

اطلاع دیدی ہے کہ سید صاحب کے لوگ اٹک پر قبضہ کرنے کے ارادے سے آرہے ہیں۔ قلعہ دار نے مقابلہ کی پوری تیاری کرلی ہے اور کئی مسلمان گرفتار بھی ہوگئے ہیں۔ اس اطلاع کے بعد آگے بڑھنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی اور ٹھہرے رہنا بھی بے سود تھا۔ اس لیے ارباب بہرام خان غازیوں کو لے کر واپس لوٹ گئے۔ خیر الدین اور ان کے ساتھی بھی ان کے ساتھ ہوگئے اور امان زئی پہنچ کر پوری صورت حال سید صاحب کے گوش گزار کی گئی۔

سید صاحب صورت حال جاننے کے بعد پنج تار پہنچے اور مجلس شوری طلب کی۔ اس میں مسلمانوں کی نا اتفاقی اور مسلمان سرداروں کی غداری پر بات ہوئی۔ خاص طور سے سردار یار محمد خان جس نے جنگ شیدو میں غداری کی تھی اور خادے خان جو سید صاحب اور آپ کے لوگوں کے درپئے آزار رہا کرتا تھا، ان کے بارے میں بات ہوئی اور فیصلہ ہوا کہ علمائے خوانین کا ایک اجتماع کیا جائے جس میں سید صاحب بطور نصیحت کے کچھ بیان فرمائیں۔ چنانچہ جمعہ کا دن مقرر کر کے لوگوں کو اطلاع کردی گئی۔ اس اجتماع میں تین ہزار سے زائد علما و خوانین نے شرکت کی۔ جمعہ کے بعد سید صاحب نے مفصل تقریر کی اور لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا۔ سید صاحب کے بعد مولانا اسماعیل صاحب کی تقریر ہوئی۔ مولانا کی تقریر میں خاص طور سے اس کا تذکرہ ہوا کہ جو لوگ قبول امامت کے بعد بغاوت کرتے ہیں ان کے سلسلے میں شرعی حکم کیا ہے؟ علما نے باتفاق فتوی دیا کہ ایسے باغی کی سزا قتل ہے اور اس فتوے پر سب لوگو نے مہریں بھی ثبت کیں۔

جب یہ شق پاس ہورہی تھی تو خادے خان جس نے بغاوت اور غداری کی تھی بہت پریشان ہوا لیکن بجائے سبق حاصل کرنے کے اور اس اجتماعیت کو مضبوط کرنے کے وہ بیچ مجلس سے اٹھ گیا۔ اجتماع عصر کی اذان تک چلا۔ اجتماع کے بعد سید صاحب اسے بلا کر پھر سمجھانے اور قائل کرنے کی کوشش کی مگر اس کی عقل پر پڑا پردہ شاید کچھ زیادہ ہی دبیز ہوگیا تھا، مان کر نہیں دیا۔

جنگ پنج تار:

پنج تار میں سید صاحب کو اطلاع ملی کہ دنتو را خادے خان کی معیت میں پنج تار پر یلغار کرنے والا ہے۔ اس اطلاع کے بعد سید صاحب دفاعی انتظامات میں لگ گئے۔ پنج تار پہنچنے کے دو راستے تھے، ایک درے کا راستہ اور دوسرا پگڈنڈی کا راستہ۔ بڑا لشکر اور بھاری ساز و سامان

صرف پہلے راسہ سے آسکتا تھا۔ سید صاحب نے دونوں راستوں پر حفاظتی دیوار کھڑی کردی اور جا بجا مورچے بنا کر حفاظتی چور پہرے بیٹھا دیے اور دائیں بائیں جانب کے پہاڑوں پر مجاہدین کو تعینات کردیا کہ جب سکھ درے میں داخل ہوکر حملہ شروع کریں تو عقب سے آکر ان پر یلغار کردینا۔

سارے انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔ ایک روز فجر کے بعد اطلاع ملی کہ دشمن کا لشکر درے کے سامنے پہنچ چکا ہے۔ سید صاحب ایک دیوار کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ کے اردگرد تقریباً سو لوگ جمع تھے۔ دشمن کا لشکر دس ہزار کا تھا اور ان کے پاس ساز وسامان بھی فراواں تھا۔ مقابلہ خاصا سخت تھا۔ انتہائی درجہ کی ہمت واستقامت درکار تھی۔ موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے مولانا اسماعیل صاحب نے تجویز پیش کی کہ سارے غازی سید صاحب کے دست مبارک پر موت کی بیعت کریں۔ اور پھر بیعت رضوان کی آیت پڑھ کر مولانا نے بیعت کے فضائل کو نہایت موثر انداز میں بیان کیا۔ بیان کے بعد خود آگے بڑھ کر سب سے پہلے مولانا نے موت کی بیعت کی اس کے بعد پورے لشکر نے بیعت کی۔

بیعت کے بعد سید صاحب نے جنگی لباس پہنا اور ہتھیار لگائے۔ لشکر میں تین نشان تھے 'صبغۃ اللہ'، 'مطیع اللہ' اور 'فتح اللہ'۔ صبغۃ اللہ جماعت خاص کا نشان تھا اس پر پہلے پارہ کا آخری رکوع سرخ ریشم سے کڑھا ہوا تھا۔ یہ نشان صرف اس لڑائی میں جاتا تھا جس میں سید صاحب بنفس نفیس شریک ہوتے تھے۔ مطیع اللہ پر سورہ بقرہ کا آخری رکوع سرخ ریشم سے کڑھا ہوا تھا۔ فتح اللہ پر سورہ صف کی آیت "یا ایھا الذین آمنوا ھل ادلکم علی تجارۃ" کڑھی ہوئی تھی۔ لشکر میں تینوں نشان موجود تھے۔ سید صاحب نے غازیوں کو مناسب جگہوں پر دیوار کے پاس تعینات کردیا اور ہدایت کردی کہ جب تک ہم گولی نہ چلائیں کوئی بھائی بندوق نہ چلائے اور نہ دیوار کو پھاندنے کی کوشش کرے۔ پھر صفوں کے سامنے چہل قدمی کرتے ہوئے فرمایا کہ 'سب بھائی سورہ قریش گیارہ مرتبہ پڑھ کر دم کرلیں اور جس بھائی کو یاد نہ ہو اس پر دوسرا دم کردے'۔

غازی سرحدی مجاہدین سمیت تین ہزار سے زیادہ نہیں تھے مگر انھیں پہاڑوں پر اس ترتیب سے بیٹھا دیا گیا تھا کہ جب دشتورا نے دوربین سے دیکھا تو ایسا معلوم ہوا کہ درے کے

دونوں جانب کے ٹیلے غازیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس پر دنتورا شش و پنج میں پڑ گیا مگر ہمت کر کے پیش قدمی کا حکم دیا اور دفاعی دیوار کو ڈھانے کی کوشش کی۔ سید صاحب نے بھی پیش قدمی کا حکم دیا اور شاہینوں سے گولے برسائے جانے لگے۔ جو غازی دائیں بائیں جانب کے پہاڑوں پر تھے وہ نیچے اترنے لگے تا کہ جلد از جلد مناسب مقام پر پہنچ کر دشمن پر موثر حملہ کر سکیں۔ ان کی نقل و حرکت سے ایسا معلوم ہونے لگا کہ پہاڑ کا ایک ایک پتھر حرکت میں آ گیا ہو۔ یہ کیفیت دیکھ کر دنتورا کو یقین ہو گیا کہ درے کے اندر جا کر لڑنے سے فوج کو سخت نقصان پہنچے گا۔ لہٰذا اس نے فوج کو واپسی کا حکم دیدیا۔ غازیوں نے بھی بس درے کے دہانے تک دشمنوں کا تعاقب کر کے چھوڑ دیا۔

سید صاحب کو فوج کے واپسی کی اطلاع ملی تو فوراً دو رکعت شکرانہ ادا کی اور پھر غازیوں کو لے کر جائے اقامت تشریف لائے۔ اس جنگ میں غازیوں کو خراش تک نہیں آئی اور دشمن کے دو آدمی مارے گئے۔

تنگی پر شب خون:

تنگی کے بعض افراد سید صاحب سے ملاقات کر کے خفیہ تنگی کے حالات کے بارے میں مشورہ کیا کرتے تھے کہ جب سے درانیوں کا عمل دخل ہماری بستی میں ہوا ہے ہم مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وہ لوگ بہت تنگ کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے کئی بار سید صاحب سے التجا کی کہ ہم نے بڑی کوشش کر کے اہل بستی کو ہم رائے کیا ہے۔ آپ کچھ غازی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تو ہم بستی پر آپ کا قبضہ کرا دیں۔ اس طرح پشاور کا راستہ آپ کے لیے کھل جائے گا۔

سید صاحب نے غور و فکر کے بعد ان کی بات مان لی اور تین سو غازیوں کا لشکر تیار کر کے مولانا اسماعیل صاحب کی سرکردگی میں تنگی روانہ کیا۔ عشا کے وقت غازی روانہ ہوئے۔ فجر کی نماز ایک نالے کے پاس ادا کی اور پورا دن وہیں ٹھہرے رہے۔ رات میں جب خوب اندھیرا پھیل گیا تو پھر روانہ ہوئے۔ تنگی سے پاؤ کوس پہلے بستی کے ان آدمیوں کو بستی میں بھیجا گیا جو لشکر کے ساتھ تھے۔ ابھی یہ لوگ تھوڑی دور گئے تھے کہ چار سوار ملے۔ سواروں سے بات کر کے واپس آئے اور مولانا کو ان کے پاس لے گئے۔ جب مولانا نے سوراوں سے بات کی تو راز کھلا کہ ایک گروہ نے اپنی وفاداری بدل دی اور درانیوں کے ساتھ مل گیا ہے۔ ان حالات میں اگر حملہ کیا جائے تو وہ لوگ

خوفناک مصیبت میں پھنس جائیں گے جو خلوص کے ساتھ درانیوں کے خلاف کوشش کر رہے ہیں۔ مولانا کو طبعاً ان لوگوں کی غداری پر سخت رنج ہوا مگر کیا کیا جا سکتا تھا۔ تنگی والوں کی فوراً مشکیں کسنا بھی اس حالت میں خلاف مصلحت تھا۔ اس لیے مجبوراً فوج لے کر واپس ہونا پڑا۔

قلعہ ہنڈ کی تسخیر:

خادے خان رئیس ہنڈ نے سب سے پہلے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت امامت کی تھی لیکن اپنی تلون مزاجی اور افغانیت کی اکڑفوں کے چکر میں زیادہ دیر تک اس بیعت پر قائم نہیں رہ سکا اور لشکر مجاہدین سے صرف غداری ہی نہیں کی بلکہ سکھوں سے مل کر طرح طرح سے زک پہنچانے کی کوشش کرنے لگا۔ کوئی چھوٹا سے چھوٹا موقع جس میں وہ مجاہدین کو تکلیف دے سکتا ہو، ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ اس کی تمام ایذاؤں کو سید صاحب اور آپ کے رفقا لمبے عرصے سے صبر کے ساتھ برداشت کرتے رہے اور اسے طرح طرح سے سمجھا کر ان حرکتوں سے باز رکھنے کی کوشش کرتے رہے۔ قریب تین مرتبہ سید صاحب نے اسے تنہائی میں اور مجمع میں سمجھایا مگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا۔ اب مجاہدین کے سامنے دو ہی راستے تھے، یا تو خادے خان اور اس جیسے غدار رؤسا مثلاً یار محمد خان وغیرہ کی سرکوبی کریں اور ہمیشہ کے لیے ان کے خرخشے کو مٹا دیں، یا دوسری جگہ جا کر نیا مرکز بنائیں جو اپنوں کی تکلیف دہ دراندازیوں سے محفوظ ہو۔ ثانی الذکر تجویز پر عمل کرنا ناممکن تو نہیں مگر بہت مشکل تھا۔ کیوں کہ اس صورت میں از سر نو محنت کرنی پڑتی اور نئے سرے سے میدان بنانا پڑتا جس میں خاصا وقت صرف ہوتا۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ سید صاحب نے جن لوگوں کو کوشش کر کے ایک نظام کے تحت لے آئے تھے اور اسلامیت کی روح ان میں پھونک دی تھی اور وہ سید صاحب کی معیت کی وجہ سے ان رؤسا کے مورد عتاب بن چکے تھے، دوسری جگہ منتقل ہونے کی صورت میں یہ بے یار و مددگار ہو جاتے۔ اور پھر نئے مرکز میں بھی مقامی لوگ جب چاہتے اپنی ذاتی اغراض کے جنون میں ویسی ہی مشکلات پیدا کر دیتے، جیسی یہاں تھی۔ اس لیے بادل ناخواستہ سید صاحب نے اول الذکر تجویز پر عمل کرنا طے کیا اور ہنڈ کے قلعہ پر حملہ کی تیاری شروع کر دی۔

پروگرام یہ تھا کہ رات میں کسی وقت ہنڈ پہنچ کر سیڑھی کے ذریعہ قلعہ کی دیوار عبور کر کے

تسخیر قلعہ کا کام کیا جائے گا۔ اس غرض کے لیے سیڑھیاں وغیرہ ساتھ لے لی گئی تھیں۔ مگر مسافت زیادہ ہونے کی وجہ سے اور راستہ کی صعوبت کی وجہ سے قافلہ ہلکے پھلکے انتشار کا شکار ہو گیا اور مختلف دستے مختلف وقت میں قلعہ کے پاس پہنچے۔ سب سے پہلے مولانا اسماعیل صاحب کا دستہ قلعہ کے قریب فجر کی اذان کے وقت پہنچا۔ سیڑھیاں پیچھے رہ گئی تھیں اس لیے مولانا نے پروگرام بدل دیا۔ مولانا نے ڈیڑھ سو غازیوں کو پانچ دستہ میں تقسیم کر دیا، ایک اپنے پاس رکھا اور چار شیخ ولی محمد کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ قلعہ کے دروازہ کے باہر گنے کے کھیتوں میں مناسب مقام پر غازیوں کو بیٹھا دیجئے اور جیسے ہی دروازہ کھلے بندوق چلا کر اندر داخل ہو جائیے۔ بندوق کی آواز سنتے ہی میں بھی اپنے دستے کے ساتھ پہنچ جاؤں گا۔

قلعہ کا دروازہ کھلا تو ایک کسان ہل بیل لے کر نکلا اور اسی سمت میں ہو لیا جدھر غازی چھپے بیٹھے تھے۔ تین دستوں کے پاس سے گزر گیا جب چوتھے کے سامنے پہنچا تو اس کی نظر کسی غازی پر پڑ گئی۔ شور مچانا چاہا کہ عبداللہ خان رام پوری نے بجلی کی سی سرعت سے اس پر وار کر دیا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ عین اسی وقت شیخ ولی محمد کمین گاہ سے نکل کر دروازے میں داخل ہو گئے اور چند لمحوں میں دروازہ پر قبضہ کر لیا۔ ملا قطب الدین نے بندوق چلائی اس کی آواز سن کر مولانا نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے شیخ ولی محمد کے پاس پہنچ گئے۔

مولانا نے پہنچتے ہی بلند آواز سے اعلان کر دیا کہ جو شخص دروازے سے باہر نکلنے کا یا لڑائی کا ارادہ کرے گا، وہ مارا جائے گا اور جو لوگ خاموشی سے اپنی جگہوں پر رہیں گے ان کو کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ ہم خادے خان کے لیے آئے ہیں اس کے علاوہ کسی سے ہم کو کوئی سروکار نہیں ہے۔

خادے خان اپنے محل میں سویا ہوا تھا۔ بندوق کی آواز سن کر جگا تو مبہوت رہ گیا۔ اپنے لوگوں کو کمر بندی کا حکم دیا مگر وہ تو پہلے ہی اپنی گھروں میں دبک کر بیٹھ چکے تھے۔ غازی اس کے محل میں داخل ہوئے تو اس کا سراغ نہیں ملا۔ دوسری مرتبہ جب گئے اور تلاش کرتے کرتے جب چھت پر چڑھے تو دیکھا کہ اضطرار کے عالم ادھر ادھر ٹہل رہا ہے۔ غازیوں نے اس پر پے بہ پے وار کیا اور اس کو مار گرایا۔

قلعہ کی تسخیر غازیوں کے حسن تدبیر اور جرأت و مردانگی کا ایک درخشاں کارنامہ ہے۔

سب سے عجیب اور قابل ذکر بات یہ ہے اتنا بڑا قلعہ فتح ہوگیا، ایک بڑا خطرہ ختم ہوگیا مگر خادے خان اور اس کسان کے علاوہ جو قلعہ کے باہر مارا گیا تھا ایک جان بھی نہیں گئی۔ جان تو دور کی بات کسی کو خراش تک نہیں آئی۔

جنگ زیدہ:

خادے خان کے قتل کے بعد اس کے بھائی ملکی خوانین ورؤوسا کے پاس گئے اور سید صاحب کے خلاف برانگیختہ کرنے لگے۔ ان لوگوں نے آس پاس دیہات میں گھوم گھوم کر خادے خان کے خون کا بدلہ لینے پر لوگوں اکسانے کی کوشش کی۔ مگر غالباً خوانین اور عوام دونوں کی طرف سے ان کوٹکا سا جواب ملا۔ بالآخر وہ لوگ یار محمد خان کے پاس مدد کے لیے پہنچے اور مدد کرنے کی صورت میں اسے بارہ ہزار دینے کا وعدہ کیا۔ یار محمد خان جنگ شیدو کے بعد ہی سے آپ کا دشمن ہوگیا تھا۔ اس لیے اس نے خادے خان کے بھائیوں اور اس کے ہم قوم کی معیت میں لشکر اسلام پر چڑھائی کا اچھا موقع دیکھا تو فوراً تیار ہوگیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ سید صاحب کو شکست دیدے گا۔ اس صورت میں دیگر خوانین اس کے تابع ہوجائیں گے اور سرداری کا حلقہ وسیع ہوجائے گا۔ کچھ یہ لالچ اور کچھ یہ خوف کہ جن غازیوں نے خادے خان جیسے باجبروت کو اتنی آسانی سے مسل دیا وہ اسے بھی نہیں چھوڑیں گے۔ لہٰذا عقل مندی اسی میں ہے کہ انھیں موقع نہ دیا جائے، جلد از جلد ان پر حملہ کر کے ان کا کام تمام کر دیا جائے۔

یار محمد خان لشکر لے کر نکلا اور لشکر اسلام سے سرسری ایک دو جھڑپیں ہوئیں مگر فیصلہ کن معرکہ زیدہ میں ہوا۔ جس میں مجاہدین سربلند ہوئے اور یار محمد خان مارا گیا۔ زیدہ کی جنگ سے پہلے ایک مرتبہ صلح کی بات بھی چلی تھی جو یار محمد کے اس پیغام پر ختم ہوگئی کہ ''اب اگر کوئی شخص صلح کا پیغام لے کر آیا تو اس کا سر اڑا دوں گا۔'' اس پیغام کے بعد سید صاحب نے شب خون کا حکم دیدیا۔

مولانا اسماعیل صاحب شب خون مارنے کے لیے لشکر لے کر نکلے۔ غازیوں کو تین جماعت میں تقسیم کر دیا اور یہ طے کیا کہ حملہ کی ابتدا اس جگہ سے کی جائے جہاں توپیں اور شاہینیں ہیں۔ یار محمد خان کے لشکر میں چھ توپیں تھیں۔ توپوں سے جب گولے چھوٹنے لگے تو مولانا نے ایک جماعت کو توپ کی داہنی جانب اور دوسری کو بائیں سے آگے بڑھایا اور خود سامنے سے پیش

قدمی کی۔ دشمنوں کو پانچ مرتبہ توپ داغنے کا موقع ملا اس کے بعد پانچ توپوں پر غازیوں کا قبضہ ہوگیا۔ چھٹی توپ قدرے فاصلہ پر تھی، مولانا نے چالیس پچاس بندوق بردار کو اس توپ پر عقب سے حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ ان لوگوں نے حملہ کیا اور توپ چی کو گرفتار کرلیا۔ مولانا کی دوراندیشی سے درانی لشکر کا سب سے کارگر اور دہشت انگیز ہتھیار بآسانی غازیوں کے ہاتھ آ گیا۔

توپ پر قبضہ کے بعد دو ایک فائر کیے اور اس کے بعد لشکر گاہ کی طرف غازی متوجہ ہوئے۔ زیادہ تر خیمے خالی ملے بعض خیموں میں دو چار آدمی ملے جو بھاگنے کے لیے بالکل تیار بیٹھے تھے۔ یار محمد خان کا ایک مصاحب ملا جس کی پشت پر تلوار لگی تھی۔ اس سے یار محمد خان کے بارے میں پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ توپ کے پاس کھڑا تھا، اس کو گولی لگی اور ساتھی اٹھا کر لے گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کو کاری زخم لگا تھا بمشکل گھوڑے پر سوار کر کے میدان سے باہر لے جایا گیا۔ گولی لگنے کے بعد گھنٹہ دو گھنٹہ زندہ رہا، پھر مر گیا۔

اس یورش میں دشمن کے تین سو افراد مارے گئے اور غازیوں میں سے صرف دو آدمی شہید ہوئے اور چار غازی مجروح ہوئے، اور کثیر مقدار میں مال غنیمت ہاتھ لگا۔ اتنے تھوڑے نقصان کے ساتھ کثیر الافراد اور ہر قسم کے ساز و سامان سے لیس لشکر کو شکست دینا یقیناً ایک عظیم کارنامہ ہے جسے بڑے بڑے تربیت یافتہ جرنیلوں کی بہترین فتوحات کے مقابلہ میں بے تکلف فخر کے ساتھ پیش کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ محض مولانا اسماعیل صاحب کی بے مثال صلاحیت قیادت اور مہارت فنون حرب کا رہین منت ہے۔

جنگ زیدہ ۵؍ربیع الآخر ۱۲۴۵ھ (۴؍ستمبر ۱۸۲۹ء) کو پیش آئی۔

تربیلہ پر حملہ کی دعوت:

زیدہ کی لڑائی کے بعد خان زمان مشوانی رئیس کنگر نے ایک خط سید صاحب کے پاس بھیجا کہ تربیلہ سکھوں سے خالی پڑا ہے، اگر آپ غازیوں کی ایک جماعت بھیج دیں تو وہ میری قوم (مشوانی) کے ساتھ مل کر اس پر ہلہ بول دیں اور اسے اپنے قبضہ میں کرلیں۔ اس امر میں خود تربیلہ کے مسلمان ہم سے پوری طرح متفق ہیں وہ ہمارا بھرپور تعاون کریں گے۔

یہ پیغام ملنے کے بعد سید صاحب تربیلہ کے لیے روانہ ہوئے اور خان زمان سے مل کر

تربیلہ پر حملہ کیا اور سارے خطے پر قبضہ جما لیا۔ صرف ایک گڑھی باقی تھی جس میں سوسوا سو سکھ فوجی تھے۔ اس کا محاصرہ کیا گیا اور اردگرد مورچے بنا کر آتش بازی شروع کر دی گئی۔ اس اثنا میں معلوم ہوا کہ ہری سنگھ کو تربیلہ پر شب خون کی اطلاع مل گئی ہے اور وہ بہادر کوٹ سے ایک بڑا لشکر لے کر تربیلہ آ رہا ہے۔ ہری سنگھ کے تربیلہ پہنچنے کے بعد تربیلہ پر قابض رہنے کی کوئی صورت نہیں بچی۔ لہٰذا خان زمان نے اپنے آدمیوں کو پہاڑ پر بھیج دیا اور غازیوں کو کشتی پر سوار کر کے کھبل بھیج دیا۔ کھبل پہنچنے کے بعد بھی ایک دو ہلکی پھلکی جھڑپیں سکھوں کے ساتھ ہوئیں مگر خاطر خواہ کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

ستھانہ:

سید صاحب کھبل ہی میں تھے کہ سید اکبر شاہ ستھانوی اپنے بھائی اور دوسرے عزیزوں کے ساتھ سید صاحب سے ملاقات کے لیے آئے۔ ان سے سید صاحب کی مکاتبت مدت سے جاری تھی۔ یہ سید صاحب کے محبّ باوفا اور معتقد صادق تھے۔ ملاقات کے بعد سید اکبر شاہ نے ستھانہ چلنے کی درخواست کی۔ آپ نے وعدہ کر لیا کہ کل چلیں گے۔ اسی اثنا میں پائندہ خان رئیس امب کا قاصد آیا اور پائندہ خان کی آرزوئے ملاقات کا پیغام دیا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ اپنے خان سے کہہ دینا کہ ہم نے ستھانہ جانے کا وعدہ کیا ہے اور ستھانہ ہی میں کچھ دن ٹھہریں گے۔ ملاقات کے متعلق جو کچھ کہنا ہو ہمیں ستھانہ ہی میں اطلاع بھجوا دیں۔

چنانچہ آپ دوسرے دن ڈیڑھ سو غازیوں کے ساتھ ستھانہ چلے گئے۔ ستھانہ کے لوگ بہت محبت و عقیدت سے ملے۔ بہترین مہمان داری کی اور بیعت بھی کی۔

پائندہ خان سے ملاقات:

پائندہ خان شکی مزاج اور زود حس آدمی تھا۔ اس کی تربیت ہی شکوک و بے اعتمادی کی فضا میں ہوئی تھی۔ بچپن میں سرداروں نے اس کے والد کے ساتھ دغا بازی کی تھی اور اسے قتل کر دیا تھا۔ پائندہ خان خود کہا کرتا تھا کہ 'والد صاحب کی وصیت کے مطابق میرا دل کبھی کسی رئیس یا سردار سے مطمئن نہیں ہوا۔' سید صاحب کو اس کی اس کمزوری کی خبر تھی۔ جب مقام ملاقات اور وقت طے ہو گیا تو آپ نے مولانا سے کہا کہ ہمارے ساتھ زیادہ لوگ نہ جائیں تاکہ اس کے دل میں سوءِ ظن

پیدا نہ ہو۔ سید صاحب کی معیت کے لیے بارہ افراد چنے گئے۔ مزید مولانا نے بنظر احتیاط سید صاحب کی لاعلمی میں چوبیس افراد کو منتخب کر کے جائے ملاقات سے قریب ایک اوٹ میں چھپا دیا تا کہ کسی طرح کی مخالفانہ سرگرمی کا بآسانی دفاع کیا جا سکے۔

سید صاحب نے ظہر کی نماز کے بعد کمر میں تلوار اور طمنچہ باندھا اور ہاتھ میں برچھا لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر ملاقات کے لیے نکلے۔ جائے ملاقات عشرہ سے باہر دریا کی جانب دامن کوہ میں ایک بڑ کے درخت کے نیچے متعین تھی۔ سید صاحب پہنچے تو خان کے وکیل پیشوائی کے لیے موجود تھے۔ درخت کے نیچے ایک چبوترہ پر آپ کو بٹھایا گیا۔ خان ایک گولی کے فاصلہ پر کھڑا تھا، اس نے زرہ اور خود پہن رکھا تھا، صرف اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ سید صاحب بیٹھ گئے تو وہ قریب آیا مصافحہ و معانقہ اور مزاج پرسی کے بعد سید صاحب نے فرمایا ''خان بھائی! آپ کسی بات کا اندیشہ نہ کریں، آپ ہمارے بھائی ہیں۔ ملاقات کی غرض محض یہ ہے کہ ہم اپنے پروردگار کا حکم جاری کر سکیں۔ آپ کی عمل داری سے کشمیر کا راستہ ہے۔ دریائے اباسین کی کشتیاں آپ کے قبضے میں ہیں۔ ہم لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے لوگ اللہ تعالی کے کاروبار کے لیے آپ کی عمل داری میں آئیں جائیں تو کوئی ان کا حارج و مزاحم نہ ہو۔ اگر آپ بھی للہ فی اللہ اس کار خیر میں شریک رہیں گے تو اللہ تعالی دین اور دنیا میں فلاح و خیر عطا فرمائے گا۔''

خان نے کہا کہ '' آپ پیر و مرشد اور امام ہیں۔ ہم مطیع و فرماں بردار ہیں۔ جو کچھ آپ فرماتے ہیں مجھے منظور ہے۔''

ہنڈ کے قلعہ پر سکھوں کا قبضہ:

ملاقات اور پائندہ خان کے فرماں برداری کے اقرار کے بعد سید صاحب چنئی تشریف لے گئے۔ آپ چنئی ہی میں تھے کہ خبر ملی کہ درانیوں نے قلعہ ہنڈ پر حملہ کر کے غازیوں سے قلعہ خالی کرالیا ہے اور اس پر قابض ہو گئے ہیں۔

قلعہ پر حملہ یار محمد خان کے بھائی سلطان محمد خان نے کیا تھا۔ سید صاحب جب کھبل اور ستھانہ کی طرف چلے گئے تو اس نے موقع غنیمت جانا۔ قلعہ میں صرف ساٹھ غازی تھے۔ سلطان محمد خان نے اپنی فوج کے ساتھ قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرہ کا مہتمم ایک فرنگی افسر تھا، اس نے ایک

دن پیغام بھیجا کہ مقابلہ بے سود ہے، باہر سے کمک پہنچ نہیں سکتی۔ کمک تو دور کی بات کمک کے لیے پیغام بھی نہیں بھیجا جا سکتا۔ بہتر یہی ہے کہ قلعہ حوالے کر دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کو اسلحہ سمیت باعزت یہاں سے نکال دوں گا۔ غازیوں نے شرط قبول کر لی اور قلعہ حوالے کر دیا۔ سلطان محمد خان نے غازیوں کو قیدی بنا لیا اور پشاور روانہ ہوا۔ انگریز افسر نے رہائی کے لیے کہا تو سلطان نے انکار کر دیا اور بدعہدی کر دی۔

سلطان محمد خان روزانہ اپنی مجلس میں ہانکتا اور بڑ مارتا کہ غازیوں کو پشاور لے جا کر اپنے بھائی کی قبر پر ذبح کر دوں گا۔ غازیوں کو جب اس کے ارادے کی خبر ہوئی تو فیصلہ کیا کہ جب مرنا ہی ہے تو کیوں نہ کچھ کر کے مریں۔ چارسدہ پہنچے تو غازیوں کو ایک کمرہ میں بند کر کے پہرہ لگا دیا گیا۔ اتفاق سے ایک غازی کے پاس چھری رہ گئی تھی، رات میں اس چھری سے مکان کے پچھلے حصہ میں نقب لگائی اور دیوار سے جو پتھر گرے تھے ہر غازی نے دو دو پتھر اٹھائے اور بے باکانہ باہر نکل آئے۔ سلطان کے لوگوں نے دیکھا تو شور مچایا کہ سید صاحب کے مجاہدین نے شب خون مارا ہے۔ اس خبر سے سلطان کے سپاہیوں میں ہراس پھیل گیا۔ غازیوں کے لیے اچھا موقع تھا۔ اس سے فائدہ اٹھایا اور تین فرسنگ دور نکل گئے۔ اور پھر سید صاحب کے پاس پنج تار پہنچ گئے۔

پائندہ خان کی بدعہدی اور مزاحمت:

پائندہ خان سے ملاقات اور اس کے اقرار فرماں برداری کے بعد سید صاحب پنج تار نہیں آنا چاہ رہے تھے بلکہ آپ کا ارادہ تھا کہ جلد از جلد پکھلی پہنچ کر وہاں محاذ جنگ پیدا کرنے کی طرف توجہ دی جائے۔ مگر اچانک قلعہ ہنڈ غازیوں سے خالی کرانے اور پنج تار پر خطرہ کی اطلاع پا کر پنج تار لوٹنے پر مجبور ہوئے۔ پنج تار پہنچ کر جب اطمینان ہو گیا تو مولانا اسماعیل صاحب کی سرکردگی میں ایک لشکر پکھلی کی جانب روانہ کیا۔

پکھلی کا راستہ پائندہ خان کی زیر نگیں مملکت سے گزرتا تھا۔ ستھانہ پہنچ کر مولانا نے پائندہ خان کے پاس اطلاع بھیجی کہ ہم امیر المومنین کے حکم سے پکھلی جا رہے ہیں، آپ دریا عبور کرنے کے لیے کشتی تیار رکھیں۔ خان کی طرف سے خلاف توقع یہ جواب آیا کہ ’میں امیر المومنین کا فرماں بردار ہوں مگر آپ میری ریاست سے گزریں گے تو ہری سنگھ (ہزارہ کا سکھ گورنر) مجھے تنگ

کرے گا۔ بہتر ہوگا کہ آپ کوئی دوسرا راستہ اختیار کریں۔' یہ بات واضح رہے کہ پائندہ خان کی کسی زمانہ میں سکھوں سے بنی نہیں تھی، وہ ہمیشہ سکھوں سے برسر پیکار رہا ہے۔ سکھوں کی جانب سے مصالحت کی پیش کش بھی اس نے ٹھکرا دی تھی۔ مزید یہ کہ سکھوں نے اس کے کچھ علاقے بھی دبا رکھے تھے۔ ان چیزوں کو سامنے رکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سکھوں کی طرف سے اسے مخصوص آزار کا خوف نہیں تھا بلکہ بات کچھ اور تھی۔ مولانا نے اس کا جواب ملنے کے بعد دوبارہ لکھا کہ 'آپ ایک طرف امیر المومنین کی وفاداری کا دم بھرتے ہیں اور دوسری طرف سکھوں کے خوف سے ہمارا راستہ روک رہے ہیں، حالاں کہ سکھوں کے ساتھ آپ کے تعلقات بدستور معاندانہ ہیں۔ یہ کیسی فرماں برداری ہے؟' پائندہ خان نے اس کا جواب دیا کہ 'میرے علاقہ سے آپ لوگ ہرگز نہ گزریئے ورنہ لڑائی ہو جائے گی۔' اس کے بعد مولانا نے سید صاحب کو سارے حالات لکھ بھیجے۔ سید صاحب نے مشورہ کر کے پائندہ خان کے پاس خط بھیجا کہ کاروبار دین کے لیے ہم آپ کی عمل داری سے گزرنا چاہتے ہیں، ہمارے ساتھ شرکت کیجیے اور شرکت نہیں کر سکتے تو کم از کم مزاحمت بھی نہ کیجیے، آپ کا احسان ہوگا۔ اس کا بھی جواب یہی ملا کہ 'میں فرماں بردار ہوں مگر اس راستہ سے جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اگر آپ نے زور وقوت سے کام لیا تو لڑائی ہو جائے گی۔' غرض تفہیم کی ساری مساعی بے کار ہوگئی۔ اب وہ کار ناپسند ناگریز ہوتا نظر آیا جس سے سید صاحب اور آپ کے لشکری بچنے کے لیے پہاڑ جیسی تکلیفیں اور مشقتیں جھیل چکے تھے۔ مگر ایک دو مرتبہ بدرجہ مجبوری اس غیر مرضی کام کو انجام دینا ہی پڑا۔ یعنی حارج ہونے والے مسلمان رؤوسا پر چڑھائی تا کہ ان کی طاقت ٹوٹے تو آگے کا راستہ ہموار ہو۔

عشرہ اور امب کی جنگیں:

دونوں طرف سے جنگ کی تیاری شروع ہوئی۔ مولانا نے پہلی فرصت میں غازیوں کی ایک جماعت کو حکم دیا کہ کوہ کنیر ڑی پر قبضہ کرلیں تا کہ عشرہ کی جانب اترنا آسان ہو۔ ادھر پائندہ خان کی بھی اسکیم یہی تھی کچھ سپاہی بھیج کر کوہ کنیر ڑی پر مورچہ جمالیں تا کہ عشرہ محفوظ ہو جائے اور مختلف مقامات میں بیٹھے ہوئے غازیوں کا ایک دوسرے سے رابطہ منقطع ہو جائے۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ غازیوں نے پہلے ہی کوہ کنیر ڑی پر قبضہ کرلیا ہے اور مولانا نے لشکر کو ایسی دانش مندی

سے مرتب کیا ہے کہ اب غازیوں کی دوہری زد سے بچنا ناممکن ہے تو گھبرا کر اس نے صلح کا جال بچھایا۔ مولانا کے پاس پیغام بھیجا کہ ’میں تو فرماں بردار ہوں، جو گستاخی ہوئی اس پر نادم ہوں، بصدق دل توبہ کرتا ہوں، آپ بھی میرا قصور معاف فرمادیں۔‘ مولانا اس پر بہت خوش ہوئے، ظاہر ہے کہ لڑنا کون چاہتا تھا۔ اس نے خود ہی لڑائی چھیڑی تھی اور اب خود ہی صلح کے لیے ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ سید صاحب کا بھی یہی حکم تھا کہ صلح کی بات آجائے تو فوراً مصالحت کرلی جائے۔ مگر کسے معلوم تھا کہ یہ ایک فریب ہے۔ خان کو جب یقین ہوگیا کہ مصالحت کی بات سن کر غازی اطمینان سے بیٹھ گئے ہوں گے تو اس نے کوہ کنیر ڑہ کے غازیوں کو ختم کرنے اور اس پر قبضہ کرنے کے لیے پیش قدمی کی اور لڑائی شروع کردی۔ غازیوں نے جان توڑ کوشش کرکے کوہ کنیر ڑہ کو اپنے قبضہ میں رکھا۔ گولیوں کی آواز سن کر دیگر مقامات پر متعین غازیوں کے کان کھڑے ہوئے کہ بات صلح کی چل رہی تھی اور یہ گولیوں کی آواز کیسی؟ وہ لوگ کمک کے طور پر پہنچ گئے اور پائندہ خان کے لشکریوں کو مار بھگایا اور آگے بڑھ کر عشرہ پر بھی قبضہ کرلیا۔ اس اثنا میں پائندہ خان اپنے لشکر کی قوت مزاحمت و مدافعت سے بالکل مایوس ہوچکا تھا اور امب چھوڑ کر دریا پار چلا گیا۔ مجاہدین نے امب کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیا۔

پائندہ خان امب سے نکلنے کے بعد چھتر بائی کی گڑھی جو کہ غازیوں کے وقت سے نہ پہنچنے کی وجہ سے خالی پڑی تھی، پر قبضہ کرکے اپنے آدمیوں کے ساتھ دوبارہ میدان میں جم گیا۔ گڑھی کو مسخر کرنے کی مختلف تدبیری کی گئیں مگر اس کی تسخیر نہیں ہوسکی۔ آخر میں سارے حالات سید صاحب کو لکھ بھیجے گئے اور ان سے درخواست کی گئی کہ آپ جلد امب پہنچ جائیں اور گڑھی چھتر بائی کو مسخر کرنے کی کوئی تدبیر کریں۔

سید صاحب نے امب پہنچ کر یہ فیصلہ کیا کہ پنج تار سے توپیں منگا کر گڑھی پر حملہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ کچھ غازی جا کر توپیں لے آئے۔ جب پائندہ خان کو معلوم ہوا کہ پنج تار سے توپیں منگائی گئی ہیں تو اس نے فوراً دو آدمیوں کو وکیل بنا کر بھیجا اور صلح پر آمادگی ظاہر کی۔ اور بطور یرغمال اپنے اکلوتے بیٹے کو بھی دینے کے لیے تیار ہوگیا۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ ’ہمیں نہ چھتر بائی سے غرض ہے اور نہ اس کے بیٹے کو یرغمال میں لینے کا شوق ہے۔ ہمیں تو اپنے پاک پروردگار کے

کام سے کام ہے۔ اگر پائندہ خان خدا اور رسول کا فرماں بردار بن جائے تو ہمارا بھائی ہے۔'

جنگ پھولڑہ:

سید صاحب امب اس لیے آئے تھے کہ پکھلی میں سکھوں کے خلاف محاذ قائم کریں اور اطراف و جوانب کے امرا و رؤوسا کو ساتھ ملا کر کشمیر کو سکھوں کے قبضہ سے نکالیں۔ پائندہ خان سے جنگ اچانک اس کے راستہ روک کر کھڑے ہو جانے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ امب اور عشرہ پر قبضہ کے بعد سید صاحب آگے بڑھنے کی تدبیریں کرنے لگے۔ سید صاحب جلد کشمیر پہنچنا چاہتے تھے مگر مشکل یہ تھی فاصلہ زیادہ تھا اور لوگ نفاق پیشہ تھے۔ اس لیے درمیان کے اہم مقامات پر پہلے ہی قبضہ کرنا ضروری تھا۔

چند سرداروں نے سید صاحب کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اب غازیوں کو پھولڑہ کی جانب پیش قدمی کرنی چاہیے جو ضلع ہزارہ کے تنولی علاقہ کا مرکز ہے۔ سید صاحب اور آپ کے مشیرین نے اس تجویز کا خیر مقدم کیا۔ سید صاحب کے بھانجے سید احمد علی کی خواہش پر لشکر کا امیر انھیں بنا کر غازیوں کو ان کی سرکردگی میں بھیجا گیا۔ بعض مصالح کے پیش نظر لشکر کو تین حصہ میں بانٹ کر دریا کے پار اتارا گیا۔ پھولڑہ پہنچتے ہی یہ خبر ملی کہ سکھوں کو غازیوں کی آمد کی اطلاع مل چکی ہے اور ہری سنگھ غازیوں پر شب خون مارنے کی تیاری کر رہا ہے۔ سید احمد علی نے جب یہ خبر سنی تو راستوں پر پہرہ بیٹھا دیا اور یہ تاکید کر دی کہ جیسے ہی خطرے کی آہٹ ملے بندوق چلا دیں تاکہ سب لوگ مقابلہ کے لیے تیار ہو جائیں۔ دو راتیں غازیوں نے اس خبر کی وجہ سے جاگ کر گزاری مگر جب کچھ پیش نہیں آیا تو یہ خیال ہوا کہ یہ محض افواہ تھی جو کسی نے خواہ مخواہ اڑا دی تھی۔ اس کے بعد چوکی کے پہرہ کی چوکسی بھی پہلے جیسی نہیں رہی اور پیش بندی کی انتظامات میں بھی اضمحلال آ گیا۔

دو دن کے بعد تیسرے دن فجر کی اذان کے بعد جب کہ غازی نماز کی تیاری میں مشغول تھے، بعض وضو کر رہے تھے اور بعض سنتوں سے فارغ ہو کر جماعت کے انتظار میں تھے کہ اچانک پہریداروں کے بندوق کی آواز آئی۔ یہ سکھ لشکر کی آمد کا اعلان تھا۔ سکھ سوار تھے، اس لیے تیزی سے آ رہے تھے۔ اس طرح اچانک لڑائی پیش آ جائے گی غازیوں کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھا۔

اس لیے وہ دور دور میدان میں بکھرے ہوئے تھے۔

سید احمد علی قبلہ رو ہو کر دعا میں مشغول ہو گئے، دیگر لوگ بھی ان کے ساتھ دعا میں شامل ہو گئے۔ ابھی دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ سکھ سوار سر پر آن پہنچے۔ سکھ آتے ہی میدان میں چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں منتشر ہو گئے، ان کے تعاقب میں غازی بھی دو دو چار چار کی ٹکڑی میں منقسم ہو گئے۔ سکھوں نے جب غازیوں کا یہ انتشار دیکھا تو تیزی سے متحد ہو گئے اور غازیوں کی ایک ایک ٹکڑی کو ہدف بنا کر حملہ کرنے لگے۔ غازی چوں کہ پیدل تھے اس لیے جلد مجتمع ہو کر مقابلہ میں ڈٹ نہیں سکے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جا بجا شہادت پا کر سرخ رو ہوئے۔

سکھ جس تیزی سے حملہ آور ہوئے تھے اسی تیزی سے واپس بھی ہو گئے۔ سکھ تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ مجاہدین ان کے مقابلہ میں بہت کم تھے مگر مجاہدین نے اس جانبازی اور مردانگی سے ان کا مقابلہ کیا کہ ان کو بھاگتے ہی بنا۔ مجاہدین کا خاصا جانی نقصان ہوا مگر اس سے زیادہ سکھوں کا جانی نقصان ہوا۔ پوری لڑائی میں بظاہر مجاہدین ہی کمزور پڑتے نظر آئے مگر اس کو مجاہدین کی شکست سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ مجاہدین تو اخیر تک میدان میں جمے رہے اور سکھوں کے مقابلہ میں ان کا جانی نقصان بھی کم ہوا۔ لڑائی کے بعد اطمینان سے اپنے شہیدوں کو دفن کر کے واپس لوٹے۔

امیر لشکر سید احمد علی بھی لڑائی میں شہید ہوئے۔ راویوں کا بیان ہے کہ آپ کو بے شمار زخم لگے تھے مگر سب جسم کے اگلے حصہ میں، پچھلے حصہ میں خراش تک نہیں آئی تھی۔ سید احمد علی کی شہادت کی خبر سید صاحب کو ملی تو آپ کے آنکھوں سے بے اختیار آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ 'انا للہ' پڑھا اور فرمایا کہ الحمدللہ جو مراد لے کر آئے تھے اللہ نے ان کو اس مراد تک پہنچا دیا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے آنسو پونچھ ڈالے۔ پھر جب قاصد نے یہ بیان کیا کہ شمشیر و نیزہ کے تمام زخم سید احمد علی کے چہرہ پر لگے تھے تو پھر آپ کے آنسو جاری ہو گئے۔ اور الحمدللہ الحمدللہ کہتے ہوئے آپ نے آنسو پونچھے۔

سید احمد علی آپ کے بھانجے تھے مگر آپ ہمیشہ ان کو بھائی کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ عمر میں آپ سے دو سال بڑے تھے اور رضاعت کا رشتہ بھی تھا۔ تمام بھانجوں میں سید صاحب کو انھیں

سے سب زیادہ محبت تھی۔ یہ بھی بڑے نیک سیرت، پاک طینت اور فداکارِ حق وصداقت تھے۔

مرکز امب کے حالات:

امب کو مرکز بنانے کے بعد علاقہ کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی شرعی قوانین کا نفاذ کیا گیا۔ اس زمانہ میں بہت سے لوگوں کو امان نامے اور بشرط خدمتِ دین عطا نامے لکھ کر دیے گئے۔ حافظ عبداللطیف کو علاقہ کا محتسب مقرر کیا گیا۔ جو لوگ نماز نہیں پڑھتے تھے انھیں امان خان گنج پوری قاضی کے حکم سے تازیانے لگاتے تھے۔ اسی زمانہ میں ایک دلچسپ واقعہ قاضی حبان کے ساتھ پیش آیا۔ امب اور اس کے اطراف میں عام رواج تھا کہ لوگ دریا میں ننگے نہاتے تھے۔ سید صاحب نے ابتدا میں ننگے نہانے والوں پر آٹھ آنہ جرمانہ لگا دیا، بعد میں یہ جرمانہ تازیانہ کی شکل میں بدل گیا۔ قاضی حبان ایک موقع پر کھبل گئے تو ایک شخص نے بڑے شوق سے تازہ مچھلی پکڑ کر کھلائی۔ وہی شخص دوسرے یا تیسرے دن ننگے نہانے کے جرم میں ماخوذ ہو کر قاضی حبان کے سامنے پیش ہوا۔ جرم ثابت ہوا تو قاضی صاحب نے حسبِ ضابطہ آٹھ آنے جرمانہ کا فیصلہ کیا۔ اس شخص کو بڑا جوش آیا، بولا 'مچھلی معاف نہیں کروں گا۔' قاضی صاحب نے بے تکلف فرمایا کہ 'مچھلی ہضم ہو چکی، اب تمہاری معافی کی احتیاج اسے نہیں ہے۔ لیکن جو ضابطہ ہے وہ نافذ ہو کر رہے گا وہ ٹل نہیں سکتا۔'

اسی زمانہ میں پھلیلہ نامی ایک شخص بڑا مردم آزار اور ستم راں تھا۔ لوگوں نے تنگ آ کر اس کا سماجی بائیکاٹ کر کے بستی سے نکال دیا۔ وہ سکھوں کے پاس چلا گیا، سکھوں نے اسے دریا کے کنارے ایک برج بنا کر دیدیا، جہاں سے وہ اپنے آدمیوں کے ہمراہ مسلمان بستیوں میں ڈاکہ ڈالا کرتا تھا۔ پورے علاقہ کے لوگ اس سے تنگ تھے۔ جب سید صاحب امب پہنچے تو لوگوں نے انتہائی پریشانی کے عالم میں اس کی شکایت کی اور تدارک کی درخواست کی۔ سید صاحب نے اس کو ایک خط لکھا کہ 'آپ مسلمان ہیں، اسلام کا دعوی کرتے ہیں۔ آپ کے لیے یہ کیوں کر زیبا ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو لوٹیں اور ایذائیں دیں؟ ہمارے پاس آ جائیں، آپ کی زمین بھی دلا دیں گے اور بستی میں از سرِ نو آباد بھی کرا دیں گے۔'

خط پڑھ کر اس کی خفتہ اسلامی حمیت بیدار ہو گئی اور اپنے آدمیوں کے ساتھ سید صاحب

کے پاس امب آیا اور ڈاکہ زنی اور ایذا رسانی سے تائب ہو کر اطاعت و فرماں برداری کا اقرار کیا۔ سید صاحب نے بستی والوں کے سامنے اس کا معاملہ پیش کر کے اس کے تمام جائز حقوق اس کو دلائے۔ اس طرح سید صاحب کی دانش مندی سے ایک مسلمان گمراہی سے بھی محفوظ ہو گیا اور دیگر مسلمان اس کے شر سے بھی مامون ہو گئے۔

سمہ میں عشر کا انتظام:

اسی زمانہ میں سمہ میں بغاوت کے آثار نمودار ہونے لگے۔ جن لوگوں از خود ادائے عشر کا اقرار کیا تھا وہ لوگ اس سے بے پرواہ ہونے لگے۔ قاضی حبان نے سید صاحب کے سامنے یہ بات رکھی کہ آپ کچھ لشکر میرے ساتھ کر دیں تا کہ میں وعظ و نصیحت سے اس بغاوت کو فرو کرنے کی کوشش کروں اور جو لوگ نہ مانیں انھیں بزور راضی کروں۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ لشکر کا امیر مجھے بنا کر پورے اختیارات میرے سپرد کر دیے جائیں اور مولانا اسماعیل کو میرے ساتھ کر دیا جائے، تا کہ اگر کوئی کام مجھ سے خلاف شرع و سنت سرزد ہو تو مولانا اس سے روک دیں۔

سید صاحب کو یہ تجویز بہت پسند آئی۔ آپ نے نظام شریعت کے استحکام کے لیے تین سو سوار اور ڈھائی سو پیادے قاضی صاحب کے ساتھ کر دیے اور سب کو ہدایت کر دی کہ قاضی صاحب کے احکام بدل و جان مانیں۔ قاضی صاحب لشکر لے کر روانہ ہوئے اور تمام خوانین کو جو سکھوں کے تصرفات کے وجہ سے اپنا وطن چھوڑ کر باہر بیٹھے ہوئے تھے اور علما اور با اثر لوگوں کو جمع کر کے اپنا مدعا بیان کیا۔ سب نے باتفاق رائے اسے قبول کیا، صرف ان ملاؤں کو تذبذب تھا جو عشر کی رقم خود وصول کیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ قاضی صاحب کے اس انتظام سے ان کی معیشت پر براہ راست زد پڑتی۔ اس لیے اس نظام کی مخالفت تو انھیں کرنی ہی تھی۔ مولانا اور قاضی صاحب نے ان کو بلا کر ان سے مفصل گفتگو کی اور بدلائل ثابت کیا کہ عشر کی وصولی کا حق صرف امام کو ہے۔ وہ لوگ بظاہر تو مان گئے مگر دل سے اس پر راضی نہیں ہوئے۔ ان کی یہ نفاق آمیز اطاعت آگے چل ہولناک واقعات کی صورت اختیار کر لی جس کا ذکر اپنے موقع پر آئے گا۔

اس میٹنگ کے بعد ملا کوٹھا صاحب کا خط قاضی صاحب کو ملا جس میں لکھا تھا کہ 'اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں کے لوگ محض وعظ و نصیحت سے سیدھے راستہ پر آ جائیں گے اور صلح و مدارات

سے احکام خدا ورسول کے روبرو جھک جائیں تو یہ دشوار ہے۔ ان کا علاج صرف یہ ہے کہ زور و قوت سے انھیں مغلوب کیا جائے۔ کھلا بٹ کے لوگ آپ سے بغاوت اور مقابلہ کی تیاریاں کررہے ہیں۔'

قاضی صاحب نے اطلاع ملتے ہی فوراً خوانین اور سرکردہ لوگوں سے مشورہ کرکے کھلا بٹ کی جانب پیش قدمی کا فیصلہ کیا، تاکہ ان کو مزید فراہمی قوت کی مہلت نہ مل سکے۔ کھلا بٹ کی فتح میں ایک معمولی دلچسپ واقعہ کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہوا یہ کہ قاضی صاحب نے کھلا بٹ کے قریب ایک ٹیلہ پر زنبورک لگا کر گولہ باری شروع کرادی۔ اسی اثنا میں ایک سوار مومن خان کو پیشاب کی حاجت ہوئی، وہ گھوڑے کی باگ پاؤں میں دبا کر ایک طرف بیٹھ گئے۔ اچانک گھوڑا بدکا اور باگ پاؤں کے نیچے سے نکل گئی اور گھوڑا گاؤں کی طرف سرپٹ بھاگا۔ مومن خان نے آواز دی کہ 'لینا جانے نہ پائے۔' دو چار سوار گھوڑے کے تعاقب میں گاؤں کی طرف بھاگے۔ قاضی صاحب نے دیکھا تو سمجھے کہ سواروں نے ہلہ بول دیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے بھی گولہ باری روک کر حملہ کا حکم دے دیا اور چشم زدن میں پورا گاؤں فتح ہوگیا۔ اور غازیوں میں سے کسی کو خراش تک نہیں آئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ گاؤں میں مقابلہ کے لیے پانچ ہزار آدمی موجود تھے مگر اس اچانک حملہ نے ان کو دفاع کا بھی موقع نہیں دیا۔

کھلا بٹ کا انتظام کرنے کے بعد قاضی صاحب مرغز پہنچے۔ وہاں کے لوگ مجاہدین کی آمد کی خبر سنتے ہی مطیع ہوگئے۔ وہاں سے ٹھنڈ کوئی اس کے بعد کدا پہنچے۔ ان دونوں بستیوں کے لوگوں نے بھی بے چون وچرا اطاعت کا عہد کرلیا۔ وہاں سے ہنڈ تین کوس کے فاصلہ پر تھا۔ پہلے گزر چکا ہے ہنڈ کے قلعہ پر مجاہدین کے قبضہ کے بعد سکھوں کا قبضہ ہوگیا تھا۔ قاضی صاحب نے اب ہنڈ کی طرف نشانہ سادھا مگر معلوم ہوا کہ ہنڈ کا قلعہ خالی پڑا ہے۔ قاضی صاحب قلعہ میں تشریف لے گئے اور وہاں کے انتظامات مکمل کیے۔ بعد میں ہنڈ کے تخلیہ کی یہ وجہ معلوم ہوئی کہ کھلا بٹ، مرغز، ٹھنڈ کوئی اور کدا کے لوگوں کے مطیع ہونے کی خبریں ہنڈ پہنچیں تو جو سکھ فوجی قلعہ میں موجود تھے، انھیں بہت تشویش ہوئی اور انھیں یقین ہوگیا کہ اب ان ساری بستیوں کے مسلمان مل کر انھیں تاراج کردیں گے۔ چنانچہ انھوں نے ضروری سامان لیا اور راتوں رات قلعہ چھوڑ کر نکل

گئے۔ قلعہ میں تقریباً سات سو سکھ فوجی تھے۔

قلعہ ہنڈ پر قابض ہونے کے بعد قاضی صاحب نے اطراف واکناف کے لوگوں کو جمع کیا اور وعظ کیا۔ دوران وعظ ادائے عشر اور اعانت مجاہدین کا نئے سرے سے عہد و پیمان لیا۔ اس اجتماع میں 'ہوتی، مردان' کے رئیس احمد خان کو بھی مدعو کیا گیا تھا مگر اس نے آنے کی بجائے پیغام بھیجا کہ آٹھ دنوں کے بعد ملاقات ہوگی۔ قاضی صاحب نے سمجھا کہ شاید اسے کوئی ضروری کام پیش آ گیا ہو، اس لیے فوری آنے سے معذرت کر لی ہو۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اپنے بھائی کو نائب بنا کر خود درانیوں سے فوجی امداد لینے کے لیے پشاور گیا ہوا ہے۔ دو تین دن تک پے در پے یہ خبریں ملتی رہیں جس نے سارے شبہات ختم کر دیے۔ اب بزور مردان مسخر کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہا۔ چنانچہ سب سے مشورہ سے مردان کی جانب پیش قدمی کا فیصلہ ہوا۔

مردان کی جنگ:

مردان پر قاضی صاحب نے شب خون مارنے کا ارادہ کیا تھا مگر جب مردان کے قریب ڈیڑھ کوس کے فاصلہ پر پہنچے تو نقارہ کی آواز سنائی دی۔ یہ اس بات کی اطلاع تھا کہ ان کو حملہ کی خبر ہوگئی ہے، اور وہ لوگ جنگ کے لیے تیار ہیں۔ قاضی صاحب نے اکابر لشکر سے مشورہ کیا۔ مولانا اسماعیل صاحب نے کہا کہ اب پیچھے ہٹنا مناسب نہیں اگرچہ دشمن خبردار ہو چکے ہیں اور شب خون کی صورت باقی نہیں رہی، تب بھی کوئی حرج نہیں۔ ہم دن کے وقت دوبدو ان سے لڑائی کریں گے۔ امید قوی ہے کہ اللہ ہمیں فتح وظفر سے سرفرازی بخشے گا۔

مولانا کے مشورہ پر عمل کرنا طے ہوگیا۔ کچھ مقامی لوگوں کو حالات کی خبر لانے کے لیے آگے بھیج دیا گیا۔ ہوتی سے آدھ کوس کے فاصلہ پر لشکر ٹھہرا دیا گیا۔ مخبر خبر لائے کہ بستی کے دروازہ پر کافی جمعیت ہے اور جنوب میں بھی چالیس پچاس آدمی ہیں۔ البتہ مغربی وشمالی سمت بالکل خالی ہے۔ قاضی صاحب نے مولوی مظہر علی عظیم آبادی کو جنوبی سمت میں اور رسالدار عبدالحمید کو مغربی سمت میں یلغار کے لیے بھیجا۔ اور خود دروازے کی طرف بڑھے۔ جنوب سے مولوی مظہر علی یلغار کرتے ہوئے دروازہ کے قریب پہنچے اور سامنے سے قاضی صاحب بھی دروازہ کے قریب پہنچے اور پھر یکجا ہو کر ہلہ بولتے ہوئے بستی میں داخل ہوگئے۔ ہوتی پر قبضہ کے بعد ملا نور محمد قندھاری کو

پچیس آدمیوں کے ساتھ ہوتی کے انتظام کے لیے بستی میں چھوڑ کر مردان کی طرف بڑھے۔ مردان میں دو گھڑی دن چڑھے تک دونوں جانب سے گولیوں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ اسی اثنا میں مولانا اسماعیل صاحب کو قاضی صاحب کی شہادت کی الم ناک خبر ملی، مولانا نے 'انا اللہ' پڑھا اور لشکر کو تاکید کر دی کہ اس واقعہ کو بیان نہ کیا جائے، تاکہ لشکر کے امیر کی شہادت دشمنوں سے مخفی رہے۔ اور رسالدار عبدالحمید کو حکم دیا کہ چالیس پچاس سوار کو بستی میں بھیج دیجئے اور ان سے کہہ دیجئے کہ گھوڑے چھوڑ کر شاہینین پیدل لے کر جائیں اور اب بندوق کی بجائے شاہینوں سے حملہ کر کے دشمنوں سے برج خالی کرائیں۔ مولانا کی تدبیر کارگر ہوگئی۔ مردان میں چھ برج تھے، شاہین سے حملہ کے بعد پانچ برج تو فوراً خالی ہوگئے صرف ایک برج سے گولیاں آتی رہیں۔ لال محمد قندھاری اس برج کے نیچے گئے اور زور سے آواز لگائی کہ 'سیڑھیاں لانا، ذرا جلدی سیڑھیاں لانا' یہ سن کر اس برج والوں پر بھی ہراس طاری ہوگیا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ حالاں کہ حقیقت میں لشکر میں ایک بھی سیڑھی نہیں تھی، بس ان کو ہراس زدہ کرنے اور بھگانے کے لیے انھوں نے ایسا کیا تھا۔

جب ہر طرف سے مزاحمت ختم ہوگئی اور دشمنوں نے ہتھیار ڈال دیے تو رئیس مردان احمد خان کا بھائی رسول خان تہ خانہ سے باہر نکل کر امان کا خواستگار ہوا۔ مولانا نے اسے امان دیدی۔ مردان کے انتظامات مکمل کیے گئے، شہیدوں کو وہیں مردان میں دفن کیا گیا اور واپس ہوئے۔

قاضی سید محمد حبان کی شہادت کا واقعہ پورے اسلامی لشکر کے لیے ایک الم ناک سانحہ تھا۔ قاضی صاحب بڑے دین دار اور مخلص مجاہد تھے۔ لشکر اسلام میں آپ کی حیثیت قاضی القضاۃ کی تھی۔ آپ کا تعلق سرحد سے تھا، سرحدی علما میں جتنے لوگ سید صاحب کے رفیق وارادت مند بنے ان میں سب سے فائق قاضی صاحب تھے۔ حالات سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ بہت مالدار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ محض اللہ کے لیے سید صاحب کا دامن تھاما اور ایسا تھاما کہ تادم واپسیں نہیں چھوڑا۔ آپ کے ایک حقیقی بھائی جنگ میں ساتھ تھے۔ شہادت کے بعد وہ قاضی صاحب کی میت کو وطن لے گئے اور وہیں دفن کیا۔ سید صاحب کو جب آپ کی شہادت کا علم ہوا تو آپ بے حد متالم ہوئے۔

سرداران پشاور کی فتنہ انگیزی:

جنگ زیدہ کا واقعہ یار محمد خان کی غیر دانش مندانہ حرکتوں کی وجہ سے پیش آیا تھا جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ یار محمد کا بھائی سلطان محمد خان تھا۔ سید صاحب کی دلی خواہش تھی کہ سلطان محمد خان سے دوستی کے تعلقات استوار ہو جائیں اور تلخیاں مٹ جائیں۔ سلطان محمد خان کے بارے میں یہ معلوم تھا کہ وہ اپنے بھائی کی حرکتوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ سید صاحب کے خلاف اس نے جو محاذ آرائی کی تھی اور ہنڈ پر جو حملہ کیا تھا وہ محض اپنی والدہ کی طعنہ زنی سے مجبور ہو کر کیا تھا۔ اس کی والدہ ہر وقت اس کو اکسایا کرتی تھی اور طعنہ دیا کرتی تھی کہ ایک فقیر نے تیرے بھائی کو قتل کر دیا ہے اور تو لاؤ لشکر کا مالک ہونے کے باوجود اس سے بدلہ نہیں لے سکا۔ سید صاحب جب امب کی طرف روانہ ہوئے تو اس کی والدہ اور اس کے مشیروں نے از سر نو مخالفت پر ابھارنا شروع کر دیا۔ اسی اثنا میں احمد خان کمال زئی کا واقعہ پیش آیا جس نے ادائے عشر سے انکار کیا تھا اور فوجی امداد کے لیے پشاور چلا گیا تھا، جس کے نتیجہ میں جنگ مردان پیش آئی تھی جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں درج ہوئی۔ یار محمد خان اور خادے خان کے خون کی آگ تقریباً بجھ چکی تھی۔ احمد خان نے پشاور پہنچ کر اس کی راکھ کو نیا ایندھن فراہم کر دیا اور وہ بات جو ان کی مجلس سے ختم ہو چکی تھی نئے سرے سے اس کو مجلس کا موضوع بنا دیا کہ اگر اسی طرح ایک ایک رئیس کی امارت کا چراغ گل ہوتا رہا تو درانی سرداروں کا دیا کب تک روشن رہ سکے گا؟ چنانچہ سلطان محمد خان اور اس کے بھائی سید محمد خان اور پیر محمد خان اور اس کے بھتیجے حبیب اللہ خان نے باتفاق رائے ایک لشکر فراہم کیا اور احمد خان کمال زئی کی امداد کو مدعا بنا کر سید صاحب سے لڑنے کے لیے چمکنی پہنچ گئے۔

سید صاحب کو اطلاع ملی تو آپ امب سے پنج تار کے لیے نکلے۔ آپ گڑھی امان زئی پہنچے تو اطلاع ملی کہ درانیوں کا لشکر چمکنی سے چل کر اوتمان زئی پہنچ چکا ہے۔ ان کی یہ مسلسل پیش قدمی عزم جنگ کا واضح اعلان تھی۔ سید صاحب چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ لڑائی ٹل جائے اور سلطان محمد سے تعلقات استوار ہو جائیں۔ اس موقع پر سید صاحب نے سلطان محمد خان کو ایک درد انگیز خط لکھا کہ ’ہم مسلمان محض احیائے دین اور احیائے سنن سید المرسلین ﷺ کی غرض سے وطن چھوڑ

کر آئے ہیں۔ کلمہ گویوں کو جہاد کی ترغیب دینا ہمارا مقصد ہے، نہ کہ ان سے جنگ کرنا۔ یار محمد خان کو اپنے لاؤ لشکر پر بڑا ناز تھا، وہ بلا وجہ ہم پر چڑھ آیا تھا۔ ہر چند کہ سمجھایا نہ سمجھا، نتیجہ میں ناپسندیدہ صورت حال پیش آئی۔'

جو لوگ سلطان محمد خان کو پشاور سے اکسا کر اوتمان زئی تک لے آئے تھے وہ اسے کیوں کر درست راستے پر چلنے دیتے۔ سید صاحب کے اس خط کے جواب میں اس نے صرف واہی تباہی اور طعنے لکھ کر بھیجے۔ مثلاً اس نے لکھا کہ 'جہاد کی باتیں محض ابلہ فریبی کا کرشمہ ہے، تم لوگوں کا عقیدہ برا اور نیت فاسد ہے۔ بظاہر فقیر بنے بیٹھے ہو مگر دل میں امارت کی ہوس ہے۔ ہم نے خدا کے نام پر کمر باندھ لی ہے کہ تمھیں قتل کریں گے تاکہ زمین تمہارے وجود سے پاک ہو جائے۔'

سید صاحب نے اس کے اس ترش و تند خط کو اپنی فطری صبر و تحمل سے انگیز کر لیا اور اس کے جواب سے رفع مخاصمت کا ایک پہلو نکال کر دوبارہ اسے لکھا کہ 'آپ کی زبان سے خدا کا نام سن کر بڑی خوشی ہوئی۔ مہربانی فرما کر بتلا دیجئے کہ ہمارے اعمال میں سے کون سی چیز آپ کو احکم الحاکمین کے امر و رضا کے خلاف نظر آئی؟ اگر آپ بتلا دیں تو ہم تائب ہو جائیں اور آپ کو لشکر کشی کی ضرورت نہ رہے۔'

سید صاحب کے اس خط سے وہ لاجواب ہو گیا۔ لاجواب تو ہونا ہی تھا، وہ کیا لکھتا اور سید صاحب کے کس کام کو خلاف شریعت کہتا؟ کیا یہ کہتا کہ مسلمانان سرحد کو شریعت حقہ کا پابند بنانا مرضی ایزدی کے خلاف ہے؟ یا یہ لکھتا کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں کی چیرہ دستیوں سے نجات دلانا مقاصد اسلامی سے میل نہیں کھاتا؟ یا پھر یہ لکھتا کہ افغانیت کی جاہلانہ رسوم کو مٹا کر لوگوں میں اسلامی روح پھونکنا مقتضائے اسلام کے منافی ہے؟ اس نے پیغام بھیجا کہ آپ کے اس خط کا جواب شمشیر و سنان سے دیا جائے گا۔

اندازہ لگائیے کہ اس کے اس جواب سے سید صاحب پر کیا کچھ نہیں گزری ہو گی جنھوں نے گھر بار، عزیز و اقارب اور راحت بار زندگی چھوڑ کر سرحد پہنچے تھے کہ اسلام کا پرچم بلند ہو اور مسلمان مصائب سے نجات پائیں۔ لیکن خود دعویداران اسلام ان کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ ان کی تلواریں جو غیر مسلموں کے خلاف چلنے پر آمادہ نہ تھیں وہ ان مجاہدین کے خلاف

اچھل اچھل کر بے نیام ہورہی تھیں۔ اوران کے خلاف بے دریغ چلنے کے لیے تیار تھیں جواپنے لہو کا آخری قطرہ انھیں کی صلاح وفلاح اور بہبودی کے لیے بہادینے کا عزم لے کر سرحد آئے تھے۔

جنگ مایار:

یہ لڑائی درانیوں سے ہوئی تھی۔ مردان اور تورو کے وسط میں واقع مقام مایار کے مغربی سمت کے میدان میں ہوئی تھی۔ اسی لیے اسے ’جنگ مایار‘ کہا جاتا ہے۔ چوں کہ مایار کے مقابلہ میں تورو زیادہ مشہور ہے اسی لیے بعض لوگ اسے ’جنگ تورو‘ بھی کہتے ہیں۔ اس جنگ میں درانیوں کے پاس بارہ ہزار کا لشکر تھا، آٹھ ہزار سوار اور چار ہزار پیادے۔ اوران کے پاس دو بڑی اور چار چھوٹی توپیں بھی تھیں۔ اس کے مقابلہ میں مجاہدین کی تعداد بشمول ملکی مجاہدین کے ساڑھے تین ہزار سے زائد نہیں تھی جس میں سوار صرف پانچ سو تھے۔ اور پورے لشکر میں ایک بھی توپ نہیں تھی۔ چوں کہ سید صاحب کا درانیوں سے لڑائی کا کوئی ارادہ نہیں تھا، اس لیے امب سے چلتے وقت توپ ساتھ نہیں لی گئی تھی۔ اب جب کہ لڑائی ناگزیر ہوچکی تھی تو امب سے توپ منگانے کا موقع نہیں تھا۔

درانی ہوتی سے نکلے تو گزرگاہ پر نیزہ گاڑ کر دروازہ بنایا اوراوپر قرآن رکھ کر اس کے نیچے سے اپنے سپاہیوں کو گزارا۔ گویا یہ ایک طرح کا حلف تھا کہ وہ جنگ سے منھ نہیں موڑیں گے۔ درانیوں کا ارادہ تھا کہ غازیوں پر پہلے توپ کے گولوں کی بارش کریں گے اور ساتھ ہی پیادے مایار پر حملہ کرکے سوار غازیوں کو درہم برہم کردیں گے۔ سید صاحب صف بندی کرکے آگے بڑھے تو درانیوں کے گولے پے بہ پے آنے لگے۔ اس جنگ میں سب سے پہلے لشکر اسلام کا سقہ شہید ہوا جو ندی سے پانی بھر کر غازیوں کو پلا رہا تھا۔ میدانی علاقہ تھا، مورچہ پکڑنے کی جگہ نہیں تھی۔ کالے خان لشکر میں سب سے آگے تھے، ایک گولہ ان کے قریب گرا اور وہ شدید زخمی ہوئے۔ سید صاحب نے انھیں مایار بھجوادیا۔ لشکر اسی طرح صف بندی کے ساتھ آگے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ مایار کے باغ تک پہنچ گیا۔ اس مدت میں چند غازی شہید ہوئے۔ مایار پہنچنے کے بعد سید صاحب گھوڑے سے اتر کر پیادوں میں شامل ہوگئے اور حکم دیا کہ سب سے پہلے توپوں پر قبضہ کرنا چاہئے۔ لشکر اسی صف بندی کے ساتھ تیزی سے توپوں کی جانب بڑھا۔ جب توپیں ایک گولی کے فاصلہ پر رہ گئیں تو ایک گولہ عین غازیوں کے سامنے گرا، جس سے میاں جی محی الدین زخمی ہوئے۔ سید صاحب تکبیر

کہتے ہوئے بدستور آگے بڑھتے رہے۔ اس اثنا میں ایک گولہ عین صف کے وسط میں گرا جس سے تین غازی شہید ہوئے۔ جب مجاہدین توپ کے بالکل قریب پہنچ گئے تو درانی توپ چی توپ چھوڑ کر بھاگ نکلے اور غازیوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ توپوں پر قبضہ کے بعد درانیوں نے متواتر کئی سخت حملے مجاہدین پر کیے مگر مجاہدین اپنی جگہ ڈٹے رہے اور انھیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

لڑائی کے دوران سید صاحب پر درانیوں کے تین غول نے حملہ کیا تھا۔ پہلا غول سواروں کا باگیں اٹھائے سید صاحب کی طرف تیزی سے آیا۔ سب کی زبان پر تھا کہ ''سید کجاست، سید کجا ست'' سید صاحب نے رائفل اٹھائی اور بلند آواز سے تکبیر کہتے ہوئے چلائی۔ آپ کا بندوق چلانا تھا کہ آپ کے ساتھ کے غازیوں نے ان پر ہلہ بول دیا اور مار بھگایا۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسرا غول آیا، اس کی زبان پر بھی یہی تھا کہ ''سید کجاست'' اس وقت آپ کے اردگرد پانچ سو غازی رہے ہوں گے۔ رائفل بردار باری باری آپ کو بندوق بھر کر دے رہے۔ آپ دائیں جانب والے رائفل بردار کی رائفل دائیں جانب اور بائیں جانب والے رائفل بردار کی رائفل بائیں جانب چلاتے جاتے اور ہر فائر پر کہتے ''سید ہمیں ست، سید ہمیں ست'' تھوڑی دیر کے بعد یہ غول بھی بکھر گیا۔ اور بیشتر غازی اس غول کے تعاقب میں ادھر ادھر نکل گئے۔ اور سید صاحب کے اردگرد صرف پچاس ساٹھ لوگ رہ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد چھ سات سواروں کا ایک گروہ اور آ گیا لیکن چوں کہ یہ بہت کم تھے اس لیے انھیں جلد ہی ناکام بھاگنا پڑا۔ پہلے دونوں غول بڑے تھے۔ اس لیے جب وہ بھاگے تو گرد و غبار کے وجہ سے فضا میں تاریکی سی چھا گئی۔ اور یہ تیسرا غول چھوٹا تھا اس لیے بھاگتے وقت زیادہ غبار نہیں اڑا اور انھیں نشانہ بنانے میں آسانی ہوئی۔ سید صاحب کی ہر گولی پر ایک سوار گرتا اور اس کا گھوڑا بھاگ جاتا۔

میدان درانیوں سے خالی ہونے بعد بھی دیر تک سید صاحب میدان میں ٹھہرے رہے کہ مبادا واپس پلٹ کر دوبارہ حملہ نہ کر دیں۔ غازی صبح سے بھوکے تھے، گرمی کا موسم تھا، پیاس لگی ہوئی تھی، مایار کی عورتیں گھڑوں اور لوٹوں میں پانی بھر کر لائیں اور غازیوں کو پلایا۔ جب اطمینان ہو گیا تو مایار کے ایک باغ میں فروکش ہوئے۔ چہرہ گرد سے اٹا ہوا تھا۔ ارباب بہرام خان نے رومال سے پونچھنا چاہا تو فرمایا ''خان بھائی! ابھی ٹھہریے یہ غبار بڑی برکت والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی

بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ ‘‘

اس کے بعد مولوی مظہر علی عظیم آبادی کو حکم دیا کہ چند غازیوں کو لے کر میدان سے زخمیوں کو اٹھا کر مایار پہنچا دیں اور شہیدوں کو دفن کرنے کا انتظام کریں۔ جب لاشیں اکٹھا ہوئیں تو معلوم ہوا کہ مجاہدین میں سے ۲۸/ درجہ شہادت کو پہنچے اور درانیوں میں سے ۸۰/ مقتول ہوئے۔ شہدا کو دو قبروں میں دفن کیا گیا اور درانیوں کی لاشیں ملکیوں کے حوالے کر دی گئیں جنھوں نے ان کے کفن دفن کا انتظام کیا۔

درانیوں کی مصالحت:

فتح مایار کے بعد سید صاحب نے اپنے رفقائے خاص سے آئندہ کے طریق کار کے متعلق مشورہ کیا، جس میں غور و خوض کے بعد یہ طے ہوا کہ پشاور پر پیش قدمی ضروری ہے۔ روانگی سے قبل توپیں اور دیگر غیر ضروری سامان پنج تار بھجوا دیا اور جن غازیوں کا زخم کاری تھا ان کو بھی علاج کے لیے پنج تار روانہ کر دیا۔ اس کے بعد پشاور کی جانب بڑھے، آپ کے آگے اور پیچھے سواروں اور پیادوں کا ایک ہجوم تھا۔ سید صاحب سے قبل مولانا اسماعیل صاحب مردان پہنچ چکے تھے اور اہل مردان کی صلح کی پیش کش پر سید صاحب کا نائب ہونے کی حیثیت سے مصالحت بھی کر لی تھی۔ سید صاحب مردان پہنچے، وہاں سے چارسدہ گئے۔ اہل چارسدہ نے خوب خاطر و مدارات کی۔ چارسدہ کے بعد مچنی میں دو دن قیام کیا، پھر وہاں سے دریا عبور کر کے ریگی پہنچے۔ ریگی میں خبر ملی کہ درانی پشاور چھوڑ کر پہاڑوں میں چلے گئے ہیں اور اپنے اہل و عیال کو کوہاٹ بھیج دیا ہے۔ ریگی سے روانہ ہو کر سید صاحب گمٹ فروسہ میں مقیم ہوئے۔

گمٹ فروسہ میں ارباب فیض اللہ خان سلطان محمد خان کا وکیل بن کر مصالحت کے لیے حاضر ہوا اور عرض کی کہ سلطان محمد خان توبہ کے لیے تیار ہے۔ اس کی خطائیں معاف کر دیجیے۔ وہ کہتا ہے کہ ’اگر کوئی کافر خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لانا چاہے تو کیا اسے حلقہ اسلام میں داخل نہیں فرمائیں گے؟ میں تو مسلمان ہوں اور مسلمان زادہ ہوں۔ پھر میری خطاؤں کو معاف کرنے میں تامل کیسا؟ میری غلطیاں معاف کر کے میرا ملک مجھے دیدیجیے۔ مدت العمر آپ کا اطاعت گزار رہوں گا۔‘

سید صاحب نے حسب عادت نرمی اور ملائمت سے جواب دیا اور فرمایا ’’ہم دین کے تائید کے لیے یہاں آئے تھے، مسلمانوں کو کاروبار جہاد میں شریک کرنے کی کوشش کی۔ آپ کے سردار نے کج فہمی سے کام لیتے ہوئے ہمارا ساتھ چھوڑ غیر مسلموں سے اتفاق کرلیا۔ اس کے بڑے بھائی نے خوامخواہ ہمارے ساتھ جنگ کی اور جان گنوائی۔ پھر ہم نے آپ کے سردار کو خطوں کے ذریعہ نصیحت کی کہ وہ دین اسلام کی حمایت کے لیے تیار ہو جائیں اور غیر مسلموں کا ساتھ چھوڑ دیں۔ یہ نصیحت اس پر اثر انداز نہیں ہوئی اور جنگ کی نوبت آئی۔ خدا کی مدد سے اسے شکست ہوئی اور ہمارا لشکر اس کے تعاقب میں یہاں تک پہنچ گیا۔‘‘

گویا جو امور درانیوں کے خلاف جنگ کے باعث بنے تھے، سب کو سید صاحب نے انتہائی صفائی سے پیش کر دیا۔ اس دن کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا اور ارباب فیض اللہ خان واپس چلا گیا۔ عصر کے وقت خبر ملی کہ درانیوں کا لشکر تہکال میں جمع ہو گیا ہے اور لڑنے کے لیے آ رہا ہے۔ غازی بھی مسلح ہو کر لشکر گاہ کے جنوبی و مغربی گوشہ میں کھڑے ہوئے۔ پھر دوسری اطلاع ملی کہ درانی شام کے وقت تہکال خالی کر کے واپس چلے گئے ہیں کیوں کہ انھیں غازیوں کے شب خون کا خوف تھا۔

دوسرے دن غازی تہکال پہنچ گئے۔ وہیں ارباب فیض اللہ خان دوبارہ مصالحت کے لیے حاضر ہوا، اور سلطان محمد خان کی طرف سے عجز و ندامت اور اطاعت کا اظہار کیا۔ سید صاحب کو غور و فکر اور مصالحت کے سلسلے میں مشورہ کا اچھا خاصا موقع مل چکا تھا۔ آپ نے پورے تدبر و تفکر کے بعد فرمایا ’’جائیے! میں نے ملک اسے دیدیا۔ شرط یہ ہے کہ وہ برے افعال سے خلوص کے ساتھ توبہ کرے۔ غیر مسلموں کی اعانت سے دست کش ہو جائے اور جب ہمیں غیر مسلموں سے مقابلہ کی نوبت آئے تو جان و مال اور لشکر سے ہمارا ساتھ دے۔‘‘

مصالحت اور حوالگی کے بعد بعض مخلصین کے دل میں اضطراب پیدا ہوا۔ ان کے سامنے درانیوں کی خود غرضیاں اور بدعہدیاں تھیں۔ انھیں معلوم تھا کہ یہ لوگ جب مجبور ہو جاتے ہیں تو ہر شرط قبول کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں مگر جب مطلب نکل جاتا ہے تو انھیں نہ خدا کا خوف رہتا ہے اور نہ دنیا کی شرم۔ وہ لوگ اپنے اندیشوں اور تجربوں کو لے کر مولانا اسماعیل صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ امیر المومنین کو اس ارادہ سے روکا جائے۔ مولانا

نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ 'میں امیر المومنین کا تابع و فرماں بردار ہوں۔' اس کے بعد یہ لوگ ارباب بہرام خان کے پاس گئے اور کہا کہ حضرت کو اس مصالحت سے روکا جائے۔ اس پر نہ اہل لشکر راضی ہیں اور نہ اہل شہر۔ ارباب بہرام خان نے سب کو تسلی دی اور وعدہ کیا کہ ہم ضرور حضرت سے بات کریں گے۔

چنانچہ ارباب بہرام خان نے سید صاحب سے بات کی اور درانیوں کے ظلم وستم اور بدعہدیوں کا حوالہ دیا اور یہ بھی عرض کیا کہ ان کے مکر و فریب کے پیش نظر اندیشہ ہے کہ کہیں آپ پر حملہ نہ کر دیں۔ سید صاحب نے ارباب بہرام خان کو جو جواب دیا اس کے لفظ لفظ سے للّٰہیت ٹپکتی ہے۔ کوئی مال و منال اور جاہ حشم کا متوالا کبھی بھی ایسا جواب نہیں دے سکتا۔ اس جواب کے لیے جس کلیجہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ صرف خدا شناسوں کے پاس ہوتا ہے۔ آپ بھی جواب سنئے:

''خان بھائی! اگر موت یونہی لکھی ہے تو میں ناچار ہوں۔ بے شک سردار کی مکاری اور غداری کا مجھے علم ہے مگر ہم گھر بار چھوڑ کر اس نیت سے یہاں آئے ہیں کہ وہ کام کریں جس میں پروردگار کی خوشنودی اور رضامندی ہو۔ مخلوق کی خوشی اور ناخوشی سے کوئی غرض نہیں۔ نادان سمجھتے ہیں کہ ملک گیری اور دنیا طلبی ہمارا مقصد ہے، حالاں کہ حب و بغض محض للہ فی اللہ ہے۔ اس جہاد میں نہ نفسانیت ہے نہ جنبہ داری۔ باقی رہا رعایا کی خرابی اور تکلیف کا معاملہ تو اول تو رعایا کو آرام دینا ویسے ہی سب کا فرض ہے۔ پھر جب ہم خود ہی ان سرداروں کو حاکم بنا کر بیٹھا دیں گے تو امید ہے کہ کسی پر سختی اور تعدی نہیں ہوگی۔''

''رضائے حق کے سامنے ہفت اقلیم کی تاجداری ہیچ ہے۔ اب سلطان محمد خان تائب ہے۔ دل کا حال خدا جانے۔ حکم شریعت کا مدار تو ظاہر پر ہے۔ ہم کیوں اس کا عذر نہ مانیں؟ ہمارے پاس اس پر کون سی دلیل ہے؟ اگر کوئی دین دار اور خدا پرست عالم دلیل شرعی سے سمجھا دے کہ ہماری رائے غلط ہے تو ہم مان لیں گے۔''

یہ ارشاد سن کر سب کے آنسو نکل آئے اور سب کو آپ کے اس فیصلہ پر شرح صدر ہو گیا۔

ارباب نے عرض کیا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی معافی چاہتا ہوں، آپ میرے لیے دعا فرمائیں۔

اس موقع پر پشاور کا ایک بڑا مالدار غیر مسلم سید صاحب کی خدمت میں ہدیہ تحائف کے

ساتھ حاضر ہوا اور پیش کش کی کہ آپ پشاور مت چھوڑیئے، جتنے روپے پیسے کی ضرورت ہوگی اس کا انتظام کر کے میں آپ کو فراہم کروں گا۔ اس کی یہ پیش کش محض اس وجہ سے تھی کہ درانیوں کی وجہ سے پشاور کے تاجروں اور دوکانداروں کی حالت بالکل ابتر تھی۔ درانیوں کی موجودگی میں سکھ حملہ کرتے اور جو کچھ مل جاتا اٹھالے جاتے۔ خود درانی سرداروں کا یہ حال تھا کہ جب اطمینان ہوتا تو شہریوں اور دیہاتیوں کو ہر ممکن ذریعہ سے لوٹنے کی کوشش کرتے۔ سید صاحب اور غازیوں کی حق شناسی عوام میں معروف تھی۔ ان کو معلوم تھا کہ اگر معاملہ کی باگ ڈور براہ راست ان کے ہاتھ میں رہی تو بیرونی حملوں سے بھی نجات مل جائے گی اور اندرونی لوٹ مار کا بھی سد باب ہو جائے گا۔

سید صاحب نے اس مالدار کی پیش کش کو سن کر فرمایا ”یہ مشورہ ملک گیروں کے کام کا ہے۔ ہم ان حاکموں میں سے نہیں ہیں۔ جو خطا کا عذر کر لے اور معافی مانگے اسے معاف کر دینا چاہئے۔“

مصالحت کے بعد ارباب فتح اللہ خان پیغام لے کر آیا کہ سردار سید صاحب سے ملاقات کے آرزومند ہیں۔ سید صاحب نے اپنی مجلس شوری میں یہ بات رکھی تو یہ طے ہوا کہ پہلے مولانا اسماعیل صاحب سلطان محمد خان سے ملیں گے، اس کے بعد سید صاحب ملاقات کریں گے۔ حسبِ ہدایتِ مجلسِ شوری پہلے مولانا ملے اور سید صاحب کی ملاقات کا مقام اور وقت متعین کیا۔ اس کے بعد سید صاحب سے اس کی ملاقات ہوئی۔ ملاقات کے اخیر میں سلطان محمد خان نے تاوان کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ آپ ہمارے بھائی ہیں، تاوان یا جرمانہ کا کوئی معاملہ اب باقی نہیں رہا۔

جب سارے معاملات طے ہوگئے تو سید صاحب نے پشاور کا انتظام کرنا شروع کر دیا۔ حافظ عبداللطیف اور خضروخان قندھاری کو محتسب مقرر کیا جو شہر میں گھوم گھوم کر لوگوں کو نماز کی تلقین کیا کرتے تھے۔ عشر پر مولوی خیر الدین شیر کوٹی کو مقرر کیا اور مولوی مظہر علی عظیم آبادی جن کی خطابت کو اہل پشاور بہت پسند کرتے تھے اور انھیں اسی وجہ سے عزیز رکھتے تھے، پشاور کا قاضی مقرر کیا۔ مزید یہ کہ قاضی القضاۃ کا عہدہ قاضی حبان کی شہادت کے بعد خالی تھا، اس پر مولوی رمضان کو فائز کیا۔ قاضی القضاۃ کی پیش کش پہلے مولوی خیر الدین شیر کوٹی کو ہوئی تھی مگر انھوں نے یہ کہہ کر

معذرت کرلی کہ ’میں اس خدمت کو قبول نہیں کروں گا۔ کیوں کہ عدالتی اور مالی کاموں میں اکثر لوگوں کے قدم پھسل جاتے ہیں۔‘ اس عہدہ پر مولوی رمضان کا تقرر پنج تار پہنچنے کے بعد سید صاحب نے کیا تھا۔

اہل پشاور کی سازش اور درندگی:

سلطان محمد خان کی صلح کے بعد درہ خیبر سے امب تک کا پورا سرحدی علاقہ سید صاحب کی دسترس میں آ گیا تھا۔ قریب قریب سارے مخالف عناصر ختم ہو چکے تھے۔ اب موقع تھا کہ اطمینان سے ایک زبردست لشکر ترتیب دے کر سکھوں پر کامیاب یورش کی جائے۔ مگر ہائے افسوس! وائے حسرت! کہ یہ امکان خود مسلمانوں کی اغراض پرستی اور عاقبت نا اندیشی کی وجہ سے امکان ہی رہ گیا شرمندہ عمل نہ ہوسکا۔

تاریخ کے صفحات میں آپ کو بہت سی شازشوں اور ناحق کوشیوں کا تذکرہ ملے گا۔ برادر کشی کے لہو کے قطرے بھی آپ کو تاریخ کے صفحات سے ٹپکتے ہوئے ملیں گے۔ مگر سردران پشاور نے جس درجہ کی سفاکی اور محسن کشی کی مظاہرہ کیا، وہ بایدو شاید ہی کہیں ملے۔ پشاور اور اطراف کے دیہاتوں میں شرعی انتظامات کے لیے مثلاً تحصیل عشر اور احتساب کے لیے سید صاحب نے جن چند غازیوں کو متعین کر رکھا تھا، سرداران پشاور نے ایک ہمہ گیر شازش کے تحت ان میں سے بیشتر کو ذبح کر ڈالا۔ سب سے پہلی شہادت مولوی مظہر علی اور ان کے ساتھیوں کی واقع ہوئی۔ سلطان محمد خان نے مشورہ کر کے ایک بہانہ سے انھیں ایک کوٹھری میں بلایا جس میں پہلے سے چند افراد تلوار سونتے کھڑے تھے۔ مولوی صاحب جیسے ہی کمرہ میں داخل ہوئے، ان پر ایک دم پل پڑے اور شہید کر دیا۔ اس کے بعد ان کے ساتھیوں کو بھی شہید کر ڈالا۔ محسن کشی اور سنگ دلی کی حد تو یہ ہوئی کہ ارباب فیض اللہ خان جس نے مصالحت کی بات کر کے ریاست واپس دلائی تھی، اسے بھی بے تکلف موت کے گھاٹ اتار دیا۔

سید صاحب کو اس شازش کا علم ہوا تو اطراف کے گاؤں میں پھیلے غازیوں کو پنج تار بلانے کے لیے فوراً قاصد کو دوڑائے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس وقت تک ان کی منظّم شازش کے تحت قتل و غارت گری شروع ہو چکی تھی۔ اس لیے اس کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا۔ مولوی مظہر علی کی

شہادت کے بعد غازیوں پر سب سے پہلا حملہ موضع اسماعیلیہ میں ہوا۔ حاجی بہادر خان سید صاحب سے مل کر گڑھی امان زئی جا رہے تھے، اسماعیلیہ پہنچے تو لوگوں نے باصرار رات میں انھیں ٹھہرا لیا۔ پر تکلف دعوت کی، عشا کی نماز میں انھیں امام بنایا۔ پہلی رکعت کے سجدہ میں گئے تو موضع کے خان اسماعیل خان نے تلوار سے ان کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس کے علاوہ موضع شیوہ، ترلانڈی، مینئی، سدم وغیرہ میں موجود غازیوں میں سے بیشتر کو شہید کر ڈالا گیا۔ بیسیوں مقامات ایسے تھے جہاں ایک بھی غازی زندہ نہیں بچ سکے۔

صورت حال یہ تھی کہ ہر غازی کو چھری اور تلوار سے بے رحمانہ شہید کر رہے تھے۔ جنون کا یہ عالم تھا بھیڑوں بکریوں کی طرح زمین پر لٹا کر ذبح کر دیتے۔ اس درجہ بہیمیت ان پر سوار تھی کہ ایک ملکی غازی عظیم اللہ خان کو ان کے خسر نے چھاتی پر بیٹھ کر ذبح کر ڈالا اور اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی بیٹی کو بیوہ کر دیا۔ یہ موضع سدم کا واقعہ ہے۔ سدم میں ستر غازی تھے جن میں صرف دو بچ سکے وہ بھی ایک خدا ترس بڑھیا کی وجہ سے، جس نے انھیں اپنے بھوسے میں چھپا دیا تھا۔ اور بعد میں وہ دونوں راتوں رات پنج تار کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے۔ شقاوت وبدبختی کی انتہا یہ تھی کہ شہیدوں کی لاشوں کو گھوڑے کے پاؤں تلے روندتے اور کہتے کہ 'اب اٹھو نماز کی تاکید کرو، عشر لو۔' سید صاحب نے جب یہ بات سنی تو فرمایا ''نعوذ باللہ!'' اہل سمہ نمازیوں کے جسموں پر گھوڑے دوڑاتے وقت یہی دو باتیں کہتے تھے۔ یعنی نماز اور عشر۔ حالاں کہ کلمہ گو تھے۔ معلوم ہوا کہ یہی دو شرعی باتیں ان پر شاق تھیں کہ سوئے ہوئے غازیوں پر حملہ کر کے انھیں مار ڈالا۔

سرداران پشاور خاص طور سے سلطان محمد خان کی بے وفائی کہیے، ناحق کوشی کہیے یا پھر کمینگی کہیے اور اہل پشاور کا جنون اور بہیمیت فدا کاران حق کو موت کے گھاٹ اتارنے پر تل گیا اور ان کا ایک حد تک صفایا بھی کر دیا۔ مگر فکر ونظر کی عجائب کاری ملاحظہ ہو کہ انھیں سرداران پشاور اور اہل پشاور کی تلواریں سکھوں کے ظلم وتعدی پر کبھی نیام سے باہر نہیں آئیں۔ مسلمانوں کی مظلومیت کو ختم کرنے کے لیے ایک انچ بھی ان کے قدم آگے نہیں بڑھے۔ تلواریں زنگ کھاتی رہیں، غیرت کوٹھوں پر ناچتی رہی اور زبانیں غیروں کے تلوے چاٹتی رہیں۔ مگر جب ایک بے نوا سید نے ان کو کھویا ہوا وقار دلانے کے لیے، مسلمانوں کی عزت رفتہ کو لوٹانے کے لیے، ان کی مظلومیت کو ختم

کرنے کے لیے اور کلمہ حق کی سربلندی کے لیے ایک جماعت کے ساتھ اپنی ہتھیلی پر جان رکھ کر آیا تو بجائے اس کے کہ اس کا ساتھ دیتے، الٹے انھیں کی گردنوں پر بے دریغ تلوار چلانے لگے۔ امن، ناموس اور تحفظ آزادی کے لیے جو تلواریں بے نیام نہیں ہو سکیں وہ امن وناموس کے رکھوالے اور آزادی کے محافظین کے خلاف کس بے تکلفی سے بے نیام ہو گئیں۔ جائے عبرت اور مقام افسوس ہے۔ اسلام کے ماننے والے خود غرضیوں کے جال میں پھنس کر کس درجہ کی اسلام دشمنی کا ثبوت دیتے ہیں! شاید اسلام سے دشمنی کا یہ درجہ اہل اسلام ہی کے ساتھ خاص ہو۔

ہجرت ثانیہ:

سید صاحب صبر وحلم کے پہاڑ تھے۔ حالات کی ناسازگاری اور نامساعدت سے متاثر ہونا ان کی فطرت میں نہیں تھا۔ مگر ان لوگوں کی بدعہدی اور شقاوت قلبی بلکہ کہیے کہ درندگی سے ان کا قلب صافی اس درجہ ملول ہوا کہ وہاں کے قیام سے آپ کی طبیعت بیزار ہو گئی۔ اگر سید صاحب کا مقصد ملک گیری اور زر اندوزی ہوتا تو اب بھی آپ کے پاس اتنے غازی موجود تھے کہ ان کو لے کر باغیوں کے ہوش ٹھکانے لگا سکتے تھے۔ بلکہ ارباب بہرام خان نے تجویز بھی رکھی تھی کہ اگر اجازت ہو تو میں توپ اور لشکر لے کر نکل جاتا ہوں اور سارے دیہات کو حسب سابق مطیع وفرماں بردار کر لیتا ہوں۔ اور یہ کام لڑائی کے بغیر ہی ہو جائے گا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ ’’ہم ابتدا میں یہاں آئے تھے تو ان لوگوں کے حالات سے پورے واقف نہ تھے۔ مدت تک وعظ ونصیحت کرتے رہے جب اس طرح کوئی نتیجہ نہ نکلا تو حاکمانہ فہمائش کا طریقہ اختیار کیا۔ ہمارا مدعا اجرائے احکام دین کے سوا کچھ نہ تھا۔ لیکن یہ طریقہ بھی بے اثر رہا۔‘‘

مزید فرمایا کہ ’’اس سیاست سے ہماری غرض یہ نہ تھی کہ صاحب ملک وجاہ بن جائیں۔ محض اللہ کے بندوں کی تادیب وتہذیب چاہتے تھے۔ اب ہم انھیں منتقم حقیقی کے انصاف پر چھوڑتے ہیں اور بقیہ رفیقوں کے ساتھ دوسرے ملک کا راستہ لیتے ہیں۔ ہم اپنے وطن کو چھوڑ چکے ہیں جہاں کہیں صادق القول لوگ مل جائیں گے مقیم ہو جائیں گے۔ اس ملک پر انحصار نہیں ہے۔‘‘

جب ہجرت کے تمام مراتب ومعاملات طے ہو گئے تو سید صاحب نے تمام غازیوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا جو آپ کے پاکیزہ مقاصد حیات کا جامع مرقع ہے۔ ذیل میں اسے نقل کیا

جاتا ہے:

''مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس عبادت میں شریک اور اپنی رضا کے راستے میں گرم و سرد اور فتح شکست کو برداشت کر لینے کی توفیق بخشی۔ آپ نے سعی ونصرت اور شراکت کا حق ادا کیا۔ اب ہم اس ملک سے ایک دور دست علاقے کا قصد کر چکے ہیں۔ معلوم نہیں کہاں جائیں؟ سفر کو'' قطعة من العذاب'' کہا گیا ہے۔ خصوصاً پہاڑی علاقے کا سفر جس میں آب ودانہ کی تکلیف اور مالوفات کا ترک لازماً پیش آئے گا۔ پس وہی شخص ہماری معیت اختیار کرے جس میں صبر و استقامت کی ہمت ہو اور مالک حقیقی کے خلاف حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔ میں سب کو آگاہ کرتا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ تکلیف پیش آنے پر کوئی شخص کہے کہ سید صاحب نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا، یا کہے کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ ایسی تکلیف پیش آئے گی۔ جس شخص میں صبر واستقامت کی قوت ہے وہی ہمارا ساتھی بنے۔''

ہم اپنی ساری عمر پروردگار کی رضا میں صرف کر دینے کا پختہ ارادہ کیے بیٹھے ہیں۔ جو بھائی جسمانی اور نفسانی تکالیف پر صبر نہ کر سکے وہ ہم سے جدا ہو جائیں۔ لیکن جدا ہونے والے بھائی کو خراسان یا ہندوستان یا کسی دوسرے ملک میں جا کر نہیں بسنا چاہئے بلکہ وہ عرب کے سوا کہیں توطن اختیار نہ کرے۔ اس لیے کہ عرب کے سوا ہر جگہ ایمان کی حفاظت مشکل ہو جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ حرمین شریفین کی راہ لے اور وہاں کے حکام یا دوسرے اشخاص کی زیادتیوں پر صبر کرے۔ وہی سرزمین ہے جہاں دین خلل سے محفوظ رہے گا اگرچہ بدعات سے وہ ملک بھی خالی نہیں ہے۔''

پھر مولانا اسماعیل صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

''میاں صاحب! آپ قرآن شریف کی تلاوت پر زیادہ توجہ فرمائیں۔ میں کثرت مراقبہ میں مشغول رہوں گا، یہاں تک کہ ہم ایسے مقام پر پہنچ جائیں جہاں سے جہاد کا انتظام ہو سکے۔''

وسط رجب ۱۲۲۶ھ کو سید صاحب نے پنج تار چھوڑا اور قاسم خیل کے راستے سے وادی چملہ کی طرف روانہ ہوئے۔ روانگی کے وقت بلکہ اس وقت سے جب سے آپ کی ہجرت ثانیہ کی شہرت ہوئی تھی، علما و سادات اور مخلص خوانین جوق در جوق آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہونے

لگے۔ پنج تار کے لوگ آ کر باصرار قیام کرنے اور ہجرت سے روکنے کی کوشش کرتے مگر آپ محبت آمیز انداز میں معذرت کر دیتے۔

سید صاحب پنج تار سے نکلے تو پہلی منزل وادی چملہ کے مقام کن گلئی میں کی۔ یہاں سید صاحب کے شہید بھانجے سید احمد علی کے جگر بند سید موسی سے ملاقات ہوئی جو جنگ مایار میں زخمی ہوئے تھے اور ابھی تک زخموں کی تکلیف سے جوجھ رہے تھے۔ سید موسی کے پاس خاطر کے لیے آپ نے دو دن کن گلئی میں قیام فرمایا۔ تیسرے دن وہاں سے روانہ ہوئے اور نگرئی ہوتے ہوئے بر ڈھیری پہنچے۔ ابھی بر ڈھیری ہی میں تھے کہ آپ کو سید موسی کے انتقال کی اطلاع ملی۔ بر ڈھیری سے چلے تو برونڈو ندی کے کنارے ٹھہرے۔ ندی عبور کر کے آگے بڑھے تو پیواڑ پہاڑی کی چڑھائی شروع ہو گئی۔ یہ بڑا کٹھن مرحلہ تھا، پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو وہاں چند مکان تھے۔ بعض غازی تھکان سے لاچار ہو کر وہیں ٹھہر گئے۔ اور سید صاحب لشکر سمیت کرنا میں مقیم ہوئے۔ کرنا سے نکلے تو اگلی منزل کابل گرام میں ہوئی جو دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ یہاں سے دریا عبور کر کے آگے بڑھنا تھا۔ عبور دریا میں تین دن لگ گئے۔ اس کے بعد ایک منزل دریا کے مشرقی کنارے پر ہوئی پھر تاکوٹ پہنچے جہاں ناصر خان بھٹ گرام اور پکھلی کے دیگر خوانین استقبال کے لیے موجود تھے۔ تاکوٹ میں خوانین نے باہم مشورہ کر کے سید صاحب کو راج دواری ٹھہرانے کا فیصلہ کیا۔ پھر تاکوٹ سے راج دواری کے لیے نکلے۔ ایک رات دیشیوں کی بستی میں گزاری، چار دن بھٹ گرام میں قیام کیا۔ ایک رات کڑسنگ میں بسر فرمائی پھر شعبان کی تیسری یا چوتھی تاریخ کو راج دواری پہنچے۔

سید صاحب پنج تار سے نکلے تو امب عشرہ اور چھتر بائی وغیرہ میں انتظامات کے سلسلے میں مقیم غازیوں کو بھی بلا لیا۔ سید صاحب جب بر ڈھیری پہنچے تو وہیں یہ مجاہدین بھی آپ سے آ ملے اور آپ کے ساتھ ہی راج دواری تک گئے۔ راج دواری میں ۱۴؍شعبان کو غازیوں نے سید صاحب کے ہاتھ پر اہل صفہ کی بیعت کی جس کی خاص شرطیں یہ تھیں:

۱) کوئی حاجت ہو چھوٹی یا بڑی، خدا کے سوا کسی سے طلب نہ کی جائے۔
۲) جس بات کو بیعت کرنے والا اپنے حق میں معیوب سمجھے گا اس کا حکم کسی مسلمان بھائی کو

نہ دے گا۔ جو کچھ اپنے لیے پسند کرے گا وہی ہر مسلمان کے لیے پسند کرے گا۔

۳) بیعت کنندہ اپنی حاجات وضروریات پر دیگر مسلمان بھائی کی حاجات وضروریات کو مقدم رکھے گا۔

۴) ہر کام صرف رضائے الٰہی کے لیے کیا جائے گا۔

راج دواری ہی میں اطلاع ملی کہ سید صاحب کے پنج تار چھوڑنے کے بعد سکھ ہر طرح کے خوف سے آزاد ہو گئے اور انھوں نے اہل سمہ پر ظلم وتعدی کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع کر دیا۔ جہاں جاتے مکانوں میں آگ لگا دیتے، جو ہاتھ لگتا اٹھا لے جاتے۔ سکھ لشکر میں کچھ مسلمان بھی شامل تھے، وہ لوگ از راہ طعن اہل سمہ سے کہتے کہ تم لوگوں نے اپنے مرشد وامام کے ساتھ جو سلوک کیا ہے، اس کے بعد کسی کو تم لوگوں سے بھلائی کی کیا امید ہو سکتی ہے؟ تمہارے ساتھ بہتر سلوک وہی ہے جو ہم لوگ کر رہے ہیں۔ گویا سید صاحب کے جانے کے بعد سکھوں کی شکل میں خدائی انتقام ان پر نازل ہو گیا۔ چار سال تک سید صاحب پنج تار کو مرکز بنا کر رہے، اس دوران میں پنج تار اور اطراف کے لوگ بالکل محفوظ رہے۔ سکھوں کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت نہیں ہوتی۔ مگر جب اہل سمہ نے غازیوں کو خون شہادت میں تڑپا کر نفاذ شریعت سے نجات حاصل کرنے کوشش کی اور رسوم جاہلیت کو محفوظ کرنا چاہا تو درحقیقت ان لوگوں نے اس بند کو توڑنے کی کوشش کی جس وجہ سے وہ فتن ومحن اور ظلم وتعدی کے سیل بے اماں سے مامون تھے۔ بند کا ٹوٹنا تھا کہ اہل سمہ سیل تعدی میں تنکے کی طرح بہنے لگے۔

۲۲؍رمضان کو خوانین کے مشورہ سے آپ راج دواری سے سچوں کے لیے نکلے۔ آپ کے ساتھ تین سو غازی تھے۔ ۲۴؍ کو آپ سچوں پہنچے۔ ۲۷؍رمضان جمعہ کا دن تھا۔ جمعہ میں آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس کا ماحصل اور خلاصہ یہ ہے:

‘‘جب کسی گھر کی دیوار گر جاتی ہے تو سارے اہل خانہ کو تکلیف پہنچتی ہے۔ زن ومرد و اطفال سب اس کی درستی میں لگ جاتے ہیں۔ کوئی گارا لاتا ہے، کیوئی اینٹیں جمع کرتا ہے، کوئی چھت ڈالتا ہے۔ جب رات دن کی محنت سے گھر درست ہو جاتا ہے تو پھر مدت دراز تک لوگ اس میں آرام سے رہتے ہیں۔ اسی طرح اب مسلمانوں کا خانۂ دین معرض انہدام میں ہے۔ کفار نے

رہزنوں کی طرح گھر کے مال ومتاع پر دست تاراج دراز کر رکھا ہے۔ انھیں کوئی دغدغہ نہیں۔ اس لیے کہ گھر کے پاسبان اور محافظ کہیں نظر نہیں آتے۔ لازم ہے کہ غفلت کے ماتے آنکھیں کھولیں اور اپنے ویران ہوتے گھر کی نگہبانی کریں، اسے پہچانیں، اسے نئے سرے سے محفوظ بنائیں۔ رہزنوں اور چوروں کو گرفتار کر کے کیفر کردار تک پہنچائیں۔ جب گھر درست ہو جائے، چوری اور رہزنی کا کھٹکا نہ رہے تو پھر بے شک آرام کریں۔‘‘

سچوں پہنچ کر سید صاحب نے قاصد بھیج کر مولانا اسماعیل صاحب کو سچوں بلایا۔ جب قاصد مولانا کے پاس پہنچا تو مولانا اس وقت مظفر آباد پر شب خون مارنے کی تیاریوں میں مشغول تھے۔ اس سلسلے میں غازیوں کو مناسب ہدایات اور ان کو رخصت کرنے کا انتظام کر رہے تھے، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ قاصد نے جب سید صاحب کا پیغام دیا تو مولانا نے فوراً غازیوں سے کہا کہ بھائیو! اب تو ہم جاتے ہیں، اس لیے شب خون کو ملتوی کر دو۔ بعض لوگوں نے عرض کیا کہ سید صاحب کو مفصل حالات لکھ بھیجئے اور شب خون کو مت روکیے، آپ ٹھہر جائیے۔ مولانا نے فرمایا کہ فرمان تاکیدی ہے، میرے لیے عذر کی گنجائش نہیں۔ اور پھر اپنی جگہ شیخ بلند بخت دیوبندی کو امیر بنا کر سارے انتظامات ان کے حوالے کیے اور اگلے روز دن چڑھے سچوں پہنچ گئے۔

سچوں پہنچے کے بعد مولانا نے سید صاحب کے حکم سے مشکوۃ شریف کا درس شروع کیا۔ صبح میں مجلس خاص ہوتی جس میں سید صاحب بھی تشریف فرما ہوتے۔ مولانا چند احادیث کا ترجمہ کرتے اور ان کی شرح کرتے۔ عصر کے بعد مجمع عام میں مشکوۃ شریف کی ایک فصل کو پیش نظر رکھ کر وعظ کہتے۔ ان دنوں خود سید صاحب بھی بکثرت مشکوۃ شریف کا مطالعہ کرتے تھے۔ خالی اوقات میں چارپائی پر مشکوۃ شریف لے کر بیٹھ جاتے اور مطالعہ شروع کر دیتے۔ اگر کوئی لفظ سمجھ میں نہ آتا تو رفیقوں میں سے جو عالم پاس موجود ہوتا یا پاس سے گزرتا ہوتا، اس سے پوچھ لیتے۔ بعض اوقات خود بعض احادیث کے اسرار و رموز بھی بیان فرماتے۔

سچوں ہی میں ایک روز سید صاحب نے مولانا سے فرمایا کہ میاں صاحب! دل میں آتا ہے کہ جناب الٰہی میں خوب دعا کریں۔ میں گوشہ تنہائی میں بیٹھ جایا کروں گا اور آپ سب بھائیوں کو لے کر جنگل کی طرف نکل جایا کریں۔ چنانچہ پانچ سات دن تک دعاؤں کا یہ سلسلہ چلتا رہا۔

عصر کی نماز کے بعد سید صاحب الگ تھلگ ایک حجرے میں بیٹھ جاتے اور مغرب تک گریہ وزاری میں مشغول رہتے۔ مولانا غازیوں کو لے کر بستی سے باہر نالے کے کنارے چلے جاتے، کچھ دیر وعظ فرماتے اس کے بعد ننگے سر ہو کر کمال عجز وانکسار سے دیر تک دعا کرتے۔

مظفر آباد کی جنگ:

اوپر مظفر آباد پر شب خون کا ذکر ہوا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ مظفر آباد کے رئیس زبردست خان کو اس کے عم زاد بھائی نجف خان نے سکھو سے مدد لے کر مظفر آباد سے نکال دیا تھا۔ اس کے علاوہ دیگر خوانین کا بھی سکھوں نے عرصہ اطمینان تنگ کر رکھا تھا۔ خوانین ورؤسا خاصے خلجان میں مبتلا تھے۔ جب سید صاحب ان کے علاقہ میں پہنچے تو انھوں نے دستگیری کی درخواست کی۔ یہ سارے لوگ راہ کشمیر کے خوانین تھے۔ امید تھی اگر انھیں اطمینان سے بیٹھنا نصیب ہو گیا تو نہ صرف یہ کہ کشمیر پہنچنا آسان ہو جائے گا بلکہ تسخیر کشمیر میں ان سے گراں قدر مدد بھی ملے گی۔ سید صاحب نے سارے حالات مولانا اسماعیل کو لکھ بھیجے اور حکم دیا کہ آپ بالاکوٹ پہنچ جائیں۔ حکم ملتے ہی مولانا نے مولوی خیر الدین شیر کوٹی کو لکھا کہ آپ فی الفور بالاکوٹ پہنچیں، میں بھی دو تین روز میں پہنچ جاؤں گا۔

مولانا بالاکوٹ پہنچے تو خوانین نے مولانا سے مل کر مظفر آباد پر حملہ کی دعوت دی اور کہا کہ اس وقت نجف خان سکھ افواج کے سپہ سالار شیر سنگھ کے ساتھ باہر گیا ہوا ہے۔ مظفر آباد خالی پڑا ہے۔ اگر اسی موقع پر حملہ کر دیا جائے تو مظفر آباد بآسانی قبضہ میں آ جائے گا۔ مظفر آباد پر قبضہ کے بعد حضرت کو وہیں بٹھا دیں گے اور پھر متفقہ قوت کے ساتھ کشمیر پر چڑھائی کر دیں گے۔ مولانا نے ان کی بات مان لی اور تین سو غازی زبردست خان کے ساتھ کر دیے۔

مظفر آباد پر چڑھائی کی تیاری ہو رہی تھی اور ارادہ دوبدو جنگ کا تھا۔ ایک روز مولانا نے فرمایا کہ کیوں نہ سکھوں کے لشکر پر شب خون مارا جائے؟ مولانا کی یہ تجویز سب کو پسند آئی۔ چنانچہ غازیوں کا ایک جیش تیار کر کے دوسرے دن عصر کے وقت بالاکوٹ سے روانہ کر دیا گیا۔ جس دن شب خون کا فیصلہ ہوا تھا، اسی دن مولانا کو سید صاحب کا پچھوں پہنچنے کا فرمان ملا تھا، جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہوا ہے۔ مولانا نے لشکر کو تین جیش میں تقسیم کیا اور تینوں کے الگ الگ سپہ سالار متعین

کیے اور جنگی اقدامات میں باہم مشورہ کی ہدایت کی۔

غازیوں نے مظفر آباد پہنچتے ہی بازار اور زبردست خان کے محل پر قبضہ کرلیا۔ سکھوں کے ہاتھ میں صرف چھاؤنی اور گڑھی رہ گئی۔ اسی اثنا میں مولوی خیرالدین سید صاحب کے فرمان کے مطابق محاذ کے سالار اعظم بن کر پہنچ گئے۔ غازیوں کی ابتدائی کامیاب یورش کے بعد زبردست خان کو اطمینان سے بیٹھنے کا موقع مل گیا۔ اس اطمینان کا اس نے ناجائز فائدہ یہ اٹھایا کہ سکھوں سے خفیہ نامہ و پیام شروع کر دیا جس کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ غازیوں کے ساتھ اس نے جو امداد کا وعدہ کیا تھا، اس میں ٹال مٹول کرنے لگا۔ مولوی خیرالدین بار بار اس سے تقاضہ کرتے کہ ساز و سامان جنگ مہیا کرو، تاکہ ہم آگے بڑھ سکیں مگر وہ لیت و لعل کرتا رہا۔ یہاں تک غازیوں کو اس کے خفیہ نامہ و پیام کی خبر ہوگئی۔ اس خبر سے بعض غازیوں کو اتنا رنج ہوا کہ وہ سالار اعظم سے اجازت لیے بغیر مظفر آباد کی چھاؤنی پر ہلہ بول دیا۔ بڑی سخت جنگ ہوئی، سکھوں کا جمعدار اور بہت سے ساتھی مارے گئے اور چھاؤنی غازیوں کے قبضہ میں آگئی۔ سپہ سالار کی اجازت کے بغیر یہ اقدام بڑی غلطی تھی مگر چوں کہ چھاؤنی پر قبضہ ہوگیا تھا اس لیے ان لوگوں کی غلطی معاف کردی گئی۔

چھاؤنی پر قبضہ کے بعد مولوی صاحب نے زوردار طریقہ سے ساز وسامان کا جنگ کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا، تاکہ گڑھی جس پر سکھوں کا قبضہ ہے اس کو بھی خالی کرالیا جائے۔ کیوں کہ گڑھی پر اگر قبضہ نہ کیا جاتا تو مظفر آباد کے جتنے حصہ پر قابض ہو چکے تھے وہ بھی خطرہ میں پڑا رہتا۔ زبردست خان برابر ٹال مٹول کرتا رہا۔ وہ طبعاً بہت بخیل تھا، اس کی خواہش تھی کہ کچھ خرچ کیے بغیر ہی سارے مقاصد پورے ہوجائیں۔ اسی اثنا میں خبر ملی کہ شیر سنگھ اور نجف خان مختلف علاقوں میں پھر پھرا کر گڑھی حبیب اللہ خان پہنچ گئے ہیں۔ اب زبردست کی حالت خراب ہونی شروع ہوئی۔ اس نے مولوی صاحب سے پوچھا کہ کیا کرنا چاہئے؟ مولوی صاحب نے کہا کہ اس خطرہ کا اندیشہ مجھے پہلے ہی سے تھا اگر تم نے سامان جنگ مہیا کر دیا ہوتا تو اب تک دفاع کے سارے انتظامات ہوچکے ہوتے۔ بہر حال روک تھام ضروری ہے، اب سامان مہیا کردو ہم انتظام کرلیں گے۔ زبردست نے مولوی صاحب کی بات مان لی اور وعدہ کرلیا کہ صبح میں پورا سامان غازیوں کے حوالے کردیا جائے گا۔

فجر کی نماز کے بعد مولوی صاحب نے دیکھا کہ پہاڑ کے راستہ پر واقع چھوٹی مسجد کے قریب زبردست خان کا سامان گٹھوں میں بندھا رکھا ہوا ہے۔ گویا یہ فرار کی تیاری تھی۔ مولوی صاحب حیران تھے کہ رات بھر میں کیا غیر معمولی حادثہ پیش آ گیا ہے کہ بھاگنے کے لیے تیار ہے؟ اس سے پوچھتے تو وہ صرف یہی کہتا کہ ’چلئے چلئے پہاڑوں میں چلئے۔‘ اور اس کے آدمی ہراس زدگی کے عالم میں پہاڑوں پر چڑھے جا رہے تھے۔ جب گڑھی کے سکھوں نے یہ حال دیکھا تو زبردست کے آدمیوں پر گولہ باری شروع کر دی۔ مولوی صاحب نے غازیوں کو مقابلہ کا حکم دیدیا سکھ تھوڑی دیر میں مقابلہ سے ہٹ گئے مگر بستی کے چند مکانوں میں آگ لگا دی۔ زبردست خان کو جب خود ہی بھاگنے پر تلا دیکھا تو مولوی صاحب بھی غازیوں کو لے کر بالاکوٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔

بالاکوٹ کی جنگ:

سید صاحب پیچوں میں تھے اور آپ کے ساتھ مولانا بھی تھے۔ خیال تھا کہ سکھ درہ بھوگڑ جنگ پر حملہ کریں گے مگر مظفر آباد سے مولوی خیر الدین کا پیغام آیا کہ سکھوں نے شیر سنگھ سے کمک مانگی ہے۔ سید صاحب نے خوانین کو جمع کر کے مشورہ کیا، ابھی طریقہ کار طے نہیں ہوا تھا کہ حبیب اللہ خان کی طرف سے دوسرا پیغام آیا کہ شیر سنگھ بالاکوٹ پر چڑھائی کرنے والا ہے۔ اس لیے آپ بالاکوٹ آ جائیں۔ سید صاحب نے یہ تجویز منظور فرمالی اور بالاکوٹ کی جانب روانہ ہوئے۔

۵/ذی قعدہ کو سید صاحب نے بالاکوٹ کے لیے رخت سفر باندھا۔ پہلی منزل جبوڑی میں کی، دوسری صبح جبوڑی سے چلے تو پہاڑ کی چڑھائی شروع ہو گئی۔ پہاڑ پر پہنچنے کے بعد دیکھا کہ کئی چشمے جاری ہیں۔ سید صاحب وہیں ٹھہر گئے اور ظہر کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد نشیب کی جانب سفر شروع ہوا۔ تھوڑی دور کے بعد ایک وسیع میدان ملا اس میں چشمہ تھا۔ سید صاحب نے مولانا سے فرمایا کہ آپ چل کر بالاکوٹ میں انتظام کریں ہم عصر کی نماز کے بعد یہاں سے روانہ ہوں گے۔ آپ کے ساتھ تقریباً ایک سو غازی بھی ٹھہر گئے۔ مولانا کے رخصت ہونے کے بعد سید صاحب کا ارادہ بدل گیا، پیغام بھجوایا کہ ہمارا انتظار نہ کیا جائے، رات ہم پہاڑ پر بسر کر کے صبح آئیں گے۔

غازیوں کا سامان مولانا کے ساتھ بالاکوٹ جاچکا تھا کسی کے پاس اوڑھنے کا کوئی سامان نہ تھا۔ غازیوں کو پریشانی شروع ہوئی کہ رات پہاڑ پر کیوں کر بسر ہوگی؟ سید صاحب کو اس پریشانی کا علم ہوا تو فرمایا کہ ’پروردگار نے میرے ساتھ بڑی مہمان داری کا وعدہ فرمایا ہے ان میں سے ایک مہمانی آج کی رات بھی سہی۔‘ مغرب کی نماز کے بعد آپ چشمے کے کنارے بیٹھ گئے اور رب العالمین کی رزاقیت و ربوبیت کا ذکر چھیڑ دیا، اسی میں عشا کا وقت ہوگیا۔ عشا کے بعد درختوں کی جھنڈ کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ پندرہ سولہ غازی تھے۔ تھوڑی دور جا کر فرمایا کہ ’بھائیو! اگر چند روز کی مہلت دو تو جی چاہتا ہے کہ کسی پہاڑی پر تنہا بیٹھ کر اپنے پروردگار کو خوب راضی کرلوں۔ آپ لوگ بھی عبادت میں لگ جائیں۔‘ درختوں کے قریب پہنچے تو انسانوں کی آہٹ پا کر پرندے بولنے لگے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ ’یہ پرندے جا بجا دانا چن کر پیٹ بھرتے ہیں مگر اپنے پروردگار کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔ انسانوں کو دیکھو کہ طرح طرح کی نعمتیں بے رنج و مشقت اللہ کھلاتا پلاتا ہے، پھر بھی ہم اس کو یاد نہیں کرتے۔‘ پھر آپ تنہا درختوں کی طرف چلے گئے اور اتنی دیر لگا دی کہ ساتھی گھبرا گئے۔ پہاڑوں میں درندے بھی تھے، اس لیے دلوں میں طرح طرح کے وساوس پیدا ہونے لگے۔ واپس آئے تو صرف اتنا فرمایا کہ ’بہت دیر ہوگئی۔‘

یہاں آپ کا رنگ طبیعت یکسر بدل گیا تھا۔ اس نمایاں تغیر کو سب لوگوں نے محسوس کیا۔ اس سے پہلے جہاد کی تدبیروں سے اتنی دلچسپی رہتی تھی کہ ایک معاملہ کی چھان پھٹک کرتے، مشورہ کرتے، جب تک شرح صدر نہ ہو جاتا کوئی حکم جاری نہیں فرماتے۔ درختوں کے جھنڈ سے واپس آئے تو تفویض و توکل کا رنگ غالب ہوگیا، تدبیروں کی تفصیلات سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی۔

واپسی کے بعد ساتھیوں نے ایک کپڑا اچھا دیا، آپ لیٹ گئے اور لوگ پاؤں دبانے لگے۔ اسی اثنا میں بہت دور تین مشعلیں دکھائی دیں۔ مشعلیں قریب ہوئیں تو معلوم ہوا کہ چند آدمی ملاقات کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ وہ لوگ اپنے ساتھ ایک چارپائی، ایک بستر، کمبلوں کا ایک بڑا سا گھٹا، روٹیوں کی ٹوکری اور دودھ کے گھڑے لائے تھے۔ سید صاحب نے ان سے تھوڑی دیر بات کی پھر وہ لوگ چلے گئے۔ سب نے کھانا کھایا۔ سید صاحب کے لیے چارپائی پر بستر لگا دیا گیا۔ غازیوں میں کمبل تقسیم کر دیا گیا۔ سب نے سکون کے ساتھ رات گزاری۔ فجر کے

وقت روانہ ہوتے وقت سارا سامان سید صاحب کے حکم سے وہیں ایک کنارے رکھ دیا گیا کہ مالک خود کسی وقت آ کر لے جائیں۔ یہ واقعہ "یرزقه من حیث لا یحتسب" کا جیتا جاگتا نمونہ۔ سید صاحب کی زندگی میں اس طرح کے متعدد واقعات ملتے ہیں۔

رزم گاہ بالاکوٹ:

بالاکوٹ ضلع ہزارہ کی تحصیل مانسہرہ کا مشہور قصبہ ہے۔ سید صاحب بالاکوٹ پہنچے تو سکھوں کا لشکر بھی بالاکوٹ سے دو اڑھائی کوس کی دوری پر پہنچ چکا تھا۔ سید صاحب نے پہنچتے ہی سب سے پہلے کام یہ کیا مختلف ناکوں اور گذرگاہوں کی حفاظت کا پورا بندوبست کر دیا اور ہر اس جگہ جہاں سے حملہ کا اندیشہ تھا دفاعی مورچہ بیٹھا دیا۔ سکھوں کی لشکر گاہ دریائے کنہار کے مشرقی کنارے بالاکوٹ سے تقریباً پانچ چھ میل کے فاصلے پر تھا۔ شیر سنگھ کا غالباً ابتدا میں یہ ارادہ تھا کہ دریا کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کرتا ہوا بالاکوٹ کے عین مقابل پہنچ جائے گا اور دریا عبور کر کے جنگ کرے مگر بعض مشکلات کی وجہ سے اس تدبیر پر عمل نہیں کیا اور غور وخوض کے بعد یہ طے کیا کہ پہاڑوں میں سے گزر کر لشکر مٹی کوٹ کے ٹیلے تک پہنچایا جائے۔ وہاں سے بالاکوٹ پر حملہ آسان تھا۔ اسی آسانی کی وجہ سے یہ مثل مشہور ہوگئی کہ ''جس کا مٹی کوٹ اس کا بالاکوٹ۔''

شیر سنگھ نے مٹی کوٹ پہنچنے کے لیے پورا لشکر لشکر گاہ سے نہیں ہٹایا بلکہ لشکر کا ایک حصہ لے کر مٹی کوٹ کی طرف روانہ ہوا۔ ادھر سید صاحب نے پہاڑی پگڈنڈی کے مورچے کی حفاظت کے لیے ملا لعل محمد کو متعین فرمایا۔ بعض لوگوں کی رائے ہوئی کہ سردی زیادہ ہے، اس لیے تھوڑے دنوں کے لیے لعل محمد کے جیش کو وہاں سے ہٹا کر انھیں آرام کا موقع دیا جائے اور ان کی جگہ دوسرے جیش کو متعین کیا جائے۔ اس تجویز پر سید صاحب نے صاد کیا اور ان کی جگہ پر مرزا احمد بیگ کو ساٹھ ستر غازیوں کے ساتھ متعین فرما دیا۔ اس تبدیلی کے دوسرے دن ظہر کے وقت مرزا کے مورچے سے گولیوں کی آواز آئی، تمام پہریدار چوکنے ہوگئے، عصر کے وقت مرزا کا قاصد آیا اور بتلایا کہ سکھوں نے پگڈنڈی سے پہاڑی پر چڑھ کر مرزا کے مورچے پر حملہ کر دیا ہے۔ اس حملہ میں سکھوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور مرزا صاحب کا جیش اس کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر تھا۔ مگر انھوں نے قلت تعداد کی پرواہ کیے بغیر جان توڑ ان سے مقابلہ کیا مگر تا کجے؟ دو چار سو ہوتے تو روکا جا سکتا تھا

مگر یہاں معاملہ ہزاروں کا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا کے ساتھی ان کے سیل میں بہہ کر پسپائی پر مجبور ہو گئے۔

سید صاحب کو اس حملہ کی اطلاع ملی تو فوراً آپ نے ایک کمک بھیجی مگر اس وقت تک سکھ پہاڑ پر چڑھ چکے تھے۔ اترنے کے لیے ان کے پاس بیسیوں راستے تھے، دو چار راستے ہوتے تو ان کو روکا بھی جا سکتا تھا۔ اور پھر تعداد کا تفاوت! دو تین سو لوگوں کا مل کر اتنے بڑے لشکر کو روکنا ممکن نہیں تھا۔ غرض سکھ منفذ پر قابض ہو کر بھاری تعداد میں مٹی کے کوٹ کے ٹیلے پر پہنچ گئے مگر رات ہو جانے کی وجہ سے آگے نہیں بڑھے۔

اسی وقت نجف خان کا خفیہ خط سید صاحب کو ملا کہ ''میں سکھوں کو مظفر آباد کے لیے لایا تھا۔ یہ خیال نہ تھا کہ بالاکوٹ میں آپ سے مڈبھیڑ ہو جائے گی۔ شیر سنگھ کے پاس ہزار بندوقچی ہیں اگر مقابلہ کر سکتے ہیں تو ٹھہریں ورنہ بہتر ہوگا کہ پیچھے پہاڑ پر چلے جائیں۔ لشکر خود بخود واپس چلا جائے گا، یا راتوں رات دریا کے مشرقی کنارے پر آ جائیں اور سکھ لشکر پر چھاپہ مار دیں۔''

خط ملنے کے بعد سید صاحب نے ناصر خان بھٹ گرامی اور حبیب اللہ خان سے مشورہ کیا۔ ناصر خان کی رائے یہ تھی یہ خط فریب پر مبنی ہے، اس کی باتوں میں نہیں آنا چاہئے۔ حبیب اللہ خان نے کہا کہ ہم کو اس کے فریب یا خلوص سے کچھ لینا دینا نہیں ہے مگر بظاہر اس کا مشورہ درست ہے۔ ہمارے لیے پہاڑ کے پیچھے چلے جانا بہتر ہے۔ حبیب اللہ خان کی بات سن کر سید صاحب نے فرمایا ''خان بھائی! آپ کہتے تو سچ ہیں لیکن اب کفار کے ساتھ یہیں لڑیں گے۔ اسی میدان میں...... اور اسی میں جنت ہے۔ جنت کے سامنے ساری دنیا کی ریاست بے حقیقت ہے۔ اگر کُل دنیا کی عزیز ترین چیزیں دے کر پروردگار کی رضامندی حاصل ہو جائے، یہاں تک کہ میری جان بھی اسی راہ میں قربان ہو جائے تو ایسا ہی ہے جیسے تنکا توڑ کر پھینک دیا۔''

اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر سید صاحب چاہتے تو بآسانی بچ کر نکل سکتے تھے۔ آپ کے بچ نکلنے کی کئی راہیں تھیں، مثلاً پہاڑ کے عقب میں جا سکتے تھے اور سکھ ان کا تعاقب نہیں کر پاتے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ پل عبور کر کے دریا کے مشرقی کنارے چلے جاتے، یا وادی کاغان چلے جاتے جہاں کے سادات آپ کی حمایت کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ ایک راستہ یہ بھی تھا کہ راتوں

رات دس بارہ میل فاصلہ طے کر کے کوٹی پہنچ جاتے۔ کوٹی کا سردار ضامن شاہ اس وقت آپ کے ساتھ بالا کوٹ میں موجود بھی تھا۔ مگر آپ نے ان وسائل سے فائدہ نہ اٹھا کر شجاعت ومردانگی کو ترجیح دی۔ فرض کر لیجیے کہ اگر سید صاحب ان وسائل سے فائدہ اٹھا کر بچ نکلتے تو آئندہ کے لیے اس کے نتائج کیا ہوتے؟ سکھ بالا کوٹ پہنچ کر حسب عادت عوام پر ظلم کرتے، قصبے کو لوٹتے، مکانوں کو جلاتے تو پھر سید صاحب کے لیے کاروبار جہاد کے اجرا کی کون سی خوشگوار شکل باقی رہتی؟ اور اس کا کیا فائدہ ہوتا؟ مفت میں مجاہدین کی وجہ سے بالا کوٹ کی عوام پسی جاتی۔ اور پھر بالا کوٹ کا حشر دیکھ کر کون سی بستی یا علاقے کے لوگ ہوتے جو بعد میں بطیّب خاطر مجاہدین کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوتے۔ یہ ظاہر ہے کہ بچ نکلنے میں ہزاروں آفتیں تھیں یا کم از کم اتنا تو یقینی تھا کہ مجاہدین کے شبیہہ خراب ہوتی اور آئندہ کے لیے علاقائی اعانت ورفاقت سے ہاتھ دھونا پڑتا۔ اس کے مقابلہ میں مردان حق کی طرح لڑنے میں فتح مندی کا امکان تھا۔ پہلے راستے کی مضرتیں واضح تھیں دوسرے راستہ میں سید صاحب کے نقطہ نظر سے سرے سے کوئی مضرت ہی نہیں تھی۔ یا تو فتح یا پھر شہادت۔ اور دونوں مجاہدین کا مقصود تھا۔ ایک کا تعلق دنیا سے تھا اور دوسرے کا تعلق آخرت سے۔ اس لیے سید صاحب نے وہی راستہ اختیار کیا جو عقل سلیم، ایمانی غیرت اور دینی حمیت کے عین مطابق تھا۔ رہا انجام کا معاملہ تو جس کی راہ میں یہ لوگ لڑ رہے تھے اس نے انجام کا مکلّف انھیں سرے سے بنایا ہی نہیں تھا۔ جو ان کا دردسر نہیں تھا اس کی دردسری خواہ مخواہ کیوں مول لیتے۔ انجام کو انجام ساز کے حوالے کر کے بلا خوف وتردد سکھوں سے لوہا لینے کے لیے تیار ہو گئے۔

آخری رات اور صبح شہادت:

سکھ مٹی کوٹ کے ٹیلے پر چڑھنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ لڑائی ٹیلے اور قصبہ کے درمیان ہوگی۔ اس لیے سید صاحب نے جا بجا دفاعی مورچوں پر موجود غازیوں کو واپس بلا لیا اور فرمایا کہ ’رات میں خوب استغفار کرو اور دعائیں مانگو۔ صبح مقابلہ ہے۔ خدا جانے کس کی شہادت ہو اور کون زندہ رہے؟‘

رات ہی میں لڑائی کی اسکیم تیار کر لی گئی۔ وہ یہ تھی کہ سکھ ٹیلہ سے اتر کر نشیب میں قصبے اور ٹیلے کے درمیان جب پہنچیں گے تو ان پر حملہ کر دیا جائے گا۔ اسی غرض سے اس زمین میں رات

میں پانی چھوڑ دیا گیا تھا تا کہ زمین دلدلی بن کر سکھوں کے لیے پریشان کن ہو جائے۔ اولاً سکھ ٹیلہ سے اترتے تو انھیں دلدلی زمین سے سابقہ پڑتا۔ اس کو عبور کر لیتے تو قصبہ کی سمت میں چڑھائی تھی۔ دلدل میں نقل وحرکت مشکل ہو جاتی اور پھر چڑھائی میں سانس پھول جاتا جس کی وجہ سے تیزی سے پیش قدمی نہ کر سکتے۔ اور پھر سید صاحب نے اردگرد ایسے طریقہ پر مورچہ بندی کر دی تھی کہ ٹیلہ سے اترنے کے بعد سے قصبہ میں داخل ہونے تک مستقل یہ لوگ غازیوں کے نشانہ پر ہوتے۔ مورچوں میں موجود غازی آسانی سے ان پر گولیاں برسا سکتے تھے۔ یہ تھی لڑائی کی اسکیم۔ اب سید صاحب کی طرف آتے ہیں۔

سید صاحب نے عشا کی نماز کے بعد کھانا کھایا اور پھر پارچوں میں سے کچھ جوڑے منگا کر کچھ لوگوں میں تقسیم کیے اور ایک جوڑا پہننے کے لیے الگ کر لیا۔ پھر ساتھیوں سے فرمایا کہ اب آرام کرو اور خود بھی باطمینان تمام سو گئے۔ حسب معمول رات کے آخری حصہ میں اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھی اور پھر ذکر وفکر میں مشغول ہو گئے۔ فجر کی نماز کے لیے مسجد بالا میں تشریف لے گئے جہاں بہت سے غازی پہلے سے موجود تھے۔ آپ نے امامت فرمائی۔ نماز سے فراغت کے بعد قیام گاہ پر تشریف لائے اور دیر تک وظائف میں مشغول رہے۔ سورج نکلنے کے بعد اشراق کی نماز ادا کی پھر نور محمد جراح حجامت کا سامان لے کر آئے۔ آپ نے لبیں ترشوائیں، ریش مبارک میں کنگھی کی، سرمہ لگایا اور رات میں جو لباس الگ کیا تھا اسے زیب تن فرمایا۔ ایک پستول، ایک ولایتی چھری، ایک کٹار اور ایک تلوار باندھ کر تیار ہو گئے۔ لباس پہن کر اور ہتھیار سجا کر آپ مسجد بالا تشریف لے گئے۔ اس وقت دن چڑھے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ گزر چکے تھے۔

مسجد بالا میں دیگر غازیوں کے ساتھ سردار حبیب اللہ خان بھی موجود تھے۔ اس نے کسی سے بات کرتے ہوئے کہا کہ سکھوں کا لشکر بہت بڑا ہے اور ہم تھوڑے ہیں۔ مقابلہ کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ بات سید صاحب نے بھی سن لی۔ فرمایا ’’خان بھائی! فتح وشکست اللہ کے اختیار میں ہے جس کو چاہے دیوے۔ بہت لوگوں یا تھوڑے پر موقوف نہیں ہے۔ کبھی اللہ تعالی تھوڑوں کو بہتوں پر غالب کر دیتا ہے کبھی بہتوں کو تھوڑوں پر۔ اور ہم کو تو اپنے پروردگار کی رضامندی درکار ہے۔ فتح وشکست سے کچھ غرض نہیں۔ پروردگار کی خوشنودی میں بہرصورت ہماری

فتح ہے۔“

گذشتہ صفحہ میں نجف خان کے خفیہ خط کا تذکرہ ہوا ہے۔ مسجد بالا میں ایک اور خط اسی مضمون کا سید صاحب کو ملا۔ یعنی ’اگر سکھوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں تو ٹھہریں ورنہ پچھلے پہاڑ پر چلے جائیں یا دریا کے مشرقی کنارے پر جا کر بیٹھ جائیں۔‘ ابھی بھی سید صاحب کے پاس موقع تھا کہ آپ غازیوں سمیت پہاڑ پر جاسکتے تھے مگر آپ کا فیصلہ غیر متزلزل تھا۔ آپ نے نجف خان کو جواب دیا کہ:

”دو خط آپ کے دربار کے ہمارے پاس آئے، مضمون ان کا معلوم ہوا۔ فی الحقیقت آپ نے ہماری خیر خواہی کا جو حق تھا، ادا کیا۔ اللہ تعالی جزائے خیر عطا کرے۔ مگر ادھر خلاصہ ہمارے مطالب کا یوں ہے کہ ہم کو اپنے پروردگار کی رضامندی منظور ہے۔ تھوڑے بہت لوگوں کا اصلاً خیال نہیں۔ اور نہ غیرت اسلام اس بات کو چاہتی ہے کہ مقابلۂ کفار سے ہٹ جائیں۔ اب اسی بالاکوٹ کے میدان میں ہم لوگوں کے واسطے جو کچھ منظور الٰہی ہے، وہ ہوگا۔“

اس کے بعد سید صاحب تمام جماعتوں کے سرداروں کو تاکید فرمادی تھی کہ سب بھائی مورچوں میں بیٹھے گولیاں چلاتے رہیں۔ باہر نکل کر کوئی اس وقت تک حملہ نہ کرے جب تک ہمارا نشان آگے بڑھتا ہوا نظر نہ آئے۔ یہ حکم اس مصلحت پر مبنی تھا کہ سکھوں کی جماعت بڑی ہے، غازی کے چھوٹے چھوٹے گروہ کے متفرق حملے غیر موثر رہیں گے۔ سکھ پہاڑ سے اتر کر میدان میں پہنچ جائیں تو ان پر مختلف سمتوں سے اجتماعی یورش کی جائے گی تو انھیں زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جاسکے گا۔

ضروری ہدایات وتاکیدات کے بعد آپ نے قریب موجود غازیوں سے فرمایا کہ ’بھائیو! ہم اندر جا کر اکیلے دعا کریں گے، کوئی بھائی ہمارے ساتھ نہ آئے۔‘ چنانچہ آپ اندر چلے گئے، دروازہ بند کرلیا، تھوڑی دیر دعا میں مشغول رہے۔ اور پھر دروازہ کھول کر پوچھا کہ مجھے کسی نے آواز دی ہے؟ عرض کیا گیا نہیں۔ پھر آپ نے دروازہ بند کرلیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھول کر یہی پوچھا۔ اسی طرح تین مرتبہ آپ نے کیا۔ اس آواز وندا کی کیا حقیقت تھی؟ اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ اس کے بعد نہ کسی نے آپ سے اس کے بارے میں پوچھا اور نہ خود آپ نے

بیان کیا۔

دعا کے بعد سید صاحب نکلے۔ تمام غازی جو مسجد کے سائبان میں تھے آپ کے ساتھ ہو گئے۔ جب معلوم ہوا کہ آپ میدان کی طرف جا رہے ہیں تو بعض غازیوں نے نشان کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ 'دادا ابوالحسن کا نشان ہمارے ساتھ آگے آگے چلے'۔ اس وقت مسجد میں تین نشان تھے۔ ایک دادا ابوالحسن کا، دوسرا ابراہیم خان خیر آبادی کا۔ یہ دونوں سیاہ تھے۔ اور تیسرا ملکیوں کا جو سرخ و سپید تھا۔

جنگ کا آغاز:

سید صاحب مسجد بالا سے جہاں دعا میں مصروف تھے نکل کر مسجد زیریں میں آئے۔ سکھوں کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ قرابین دار اور لمبی مار کے بندوق والے ہمارے ساتھ آگے چلیں اور خود آپ تکبیر کہتے ہوئے تیزی سے مسجد سے باہر نکلے اور مٹی کوٹ کے ٹیلے کی طرف چل پڑے جہاں سے سکھ نشیب کی طرف اتر رہے تھے۔ کھیتوں کی مینڈوں سے گزر کر آپ تیزی سے اس مقام پر پہنچ گئے جو مٹی کوٹ کے دامن میں سکھوں کی فرودگاہ سے قریب تھا۔ وہ جگہ ایسی تھی کہ وہاں بڑے بڑے پتھروں کی آڑ موجود تھی۔ دیگر غازی جو آپ کے ساتھ مسجد سے نکلے تھے وہ دو چار دس پندرہ کر کے منتشر ہو گئے اور مناسب اوٹ تلاش کر کے لڑائی شروع کر دی۔ سید صاحب جہاں تھے وہاں سے قریب سکھوں کا ایک بڑا جمگھٹا تھا۔ یہ حملہ اتنا زوردار اور بروقت تھا کہ ٹیلے سے جتنے سکھ نیچے اتر کر جمع ہوئے تھے ان میں سے سب یا اکثر مارے گئے۔ اس حملہ کی کیفیت مولوی سید جعفر علی نقوی کی زبان سے سنئے:

''سید صاحب اور آپ کے ساتھی بجلی اور آندھی سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ سکھوں کے سر پر پہنچے۔ ان میں سے بعض نے نیزہ شمشیر اٹھانے کا حوصلہ کیا۔ باقی بھاگ نکلے لیکن راہ گریز کہاں تھا؟ وہ پہاڑ سے نیچے اتر چکے تھے اور دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ نہیں سکتے تھے۔ پس جتنے نیچے اترے تھے مارے گئے۔ جو سکھ اوپر تھے وہ گولیاں چلا رہے تھے، ان کی گولیاں نہ اپنوں کو چھوڑتی تھیں نہ بے گانوں کو۔ گولیاں اولوں کی طرح برس رہی تھیں۔ کارتوس کے کاغذ ہوا میں اڑ رہے تھے۔ دونوں طرف سے ایک دوسرے پر پتھر بھی پھینکے جا رہے تھے۔ میں (سید جعفر علی) اور منشی

انصاری اس وقت موقع پر پہنچے جب تھوڑے سے سکھ زندہ تھے۔ وہ بھی طرفۃ العین میں مارے گئے۔“

سید صاحب کی شہادت:

سید صاحب نے مسجد زیریں سے نکل کر سکھوں پر یورش کی تھی اور ان کو مارتے ہوئے مٹی کوٹ کے دامن تک پہنچ گئے تھے۔ آپ کے ساتھ غازیوں کا ایک بڑا گروہ مٹی کوٹ کی طرف چلا تھا مگر جنگی مصلحتوں کی وجہ سے اکثر کو ادھر ادھر منتشر ہونا پڑا۔ اور جو خوش نصیب مٹی کوٹ کے دامن تک سید صاحب کے ساتھ تھے وہ تمام افراد شہید ہو گئے۔ اس لیے سید صاحب کی شہادت کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کہی جاسکتی کہ آپ کی شہادت کیسے اور کس جگہ پر واقع ہوئی۔ دیگر غازی جو جنگ میں مصروف تھے تھوڑی دیر کے بعد انھیں سید صاحب کی تلاش ہوئی، پھر کشاں کشاں پورے لشکر میں سید صاحب کی گمشدگی کی خبر پھیل گئی۔ جو غازی جہاں تھا وہیں سید صاحب کو تلاش کرنے اور آپ کو پوچھنے لگا۔ بعض غازی نے محض تخمینے اور اندازے سے ایک سمت میں جدھر ہجوم زیادہ تھا اشارہ کیا کہ سید صاحب اس ہجوم میں ہیں۔ مگر سکھوں پر حملہ کرنے کے بعد آپ کو دیکھا کسی نے نہیں تھا۔ بعض غازیوں سے یہ بھی سنا گیا کہ سید صاحب کو گوجرست بنے کے نالے کے اس پار بحفاظت لے گئے ہیں مگر یہ بھی محض سنی سنائی تھی، چشم دید نہیں تھی۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ سید صاحب کی گمشدگی کی وجہ سے غازیوں کو کس درجہ قلق اور اضطراب ہوا ہوگا۔ بہت سے غازی محض آپ کو تلاش کرنے میں میدان میں شہید ہو گئے مگر کہیں سے نہ آپ کا سراغ ملا اور نہ جسد مبارک ہی کہیں پڑا ہوا ملا۔

سید صاحب کی شہادت کے بارے میں اگرچہ کوئی حتمی روایت نہیں ملتی۔ کیوں کہ جو غازی آپ کے ساتھ آخر تک رہے اور جو آپ کی شہادت کو بیان کر سکتے تھے وہ خود شہید ہو گئے تھے اور جو کیفیت دیکھی اسے سنائے اور بیان کیے بغیر عالم بقا میں چلے گئے تھے۔ مگر اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہئے کہ سید صاحب مٹی کوٹ کے نالے میں دامن کوہ کے قریب زندگی کی آخری سانس تک لڑتے رہے اور اسی حالت میں آپ شہید ہوئے۔ اس حقیقت کو ماننا اس لیے بھی ناگریز ہے کہ جس مقام پر آپ پہنچ کر سکھوں سے لڑ رہے تھے وہ شجاعت کا مقام تھا تدبیر کا نہیں کہ آپ جل

دے کر ادھر ادھر نکل جاتے۔ آپ عین اس مقام کے مقابل کھڑے تھے جہاں سکھوں کا لشکر ٹیلے سے نیچے اتر رہا تھا۔ گویا دشمن سے سب سے زیادہ قریب آپ ہی تھے اور پھر آپ کے زخمی ہو کر نکلنے یا نکالے جانے کی ایک بھی شہادت موجود نہیں ہے۔ اس لیے لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ آپ کی شہادت مٹی کوٹ کے دامن میں واقع ہوئی ہے اگرچہ شہادت کی کیفیت مجہول ہے۔

یہ افسوس ناک اور رنجدہ واقعہ ۲۴؍ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ (۶؍ مئی ۱۸۳۱ء) بروز جمعہ گیارہ یا بارہ بجے دن کا ہے۔

مولانا اسماعیل صاحب کی شہادت:

مولانا نے بھی معرکہ بالاکوٹ میں داد شجاعت دیتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ آپ کی شہادت کے سلسلے میں بھی روایتوں میں تعدد ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپ کے سر میں گولی لگی تھی، زخم اگرچہ ہلکا تھا مگر خون سے داڑھی تر تھی۔ اسی حالت میں امان اللہ خان سے ملاقات ہوئی، بندوق بھری ہوئی تھی اور لبلبی چڑھی ہوئی تھی۔ پوچھا امیر المومنین کہاں ہیں؟ امان اللہ خان نے مٹی کوٹ کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس وقت ادھر سے بکثرت گولیاں آ رہی تھیں مولانا نے کہا کہ بھائی! میں ادھر ہی جا رہا ہوں۔

میاں امام الدین بڈھانوی کا بیان ہے کہ ’جب غازی امیر المومنین کی تلاش میں تھے تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ مولانا رائفل کندھے پر رکھے چہل قدمی کر رہے ہیں اور پیشانی سے خون جاری تھا‘

لعل محمد جگدیش پوری مٹی کوٹ کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ’میرے بائیں طرف مولانا رائفل کندھے پر رکھے اور ننگی تلوار ہاتھ میں لیے میرے پاس آئے۔ پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔ پوچھا کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ میں نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اس ہجوم میں ہیں۔ یہ سن کر مولانا اسی طرف جھپٹتے ہوئے چلے گئے‘۔ کسی بھی روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مولانا کی شہادت کیسے واقع ہوئی؟ اور کہاں واقع ہوئی؟ مولانا کی قبر مٹی کوٹ سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر قصبہ کے شمال مشرق میں ست بنے کے نالے کے پار ہے۔ قرین قیاس ہے کہ مولانا لڑتے لڑتے دشمن کے دباؤں میں مٹی کوٹ کے دامن سے پیچھے ہٹتے ست بنے کے پار پہنچ گئے اور

وہیں جہاں ان کی قبر ہے، شہید ہوئے۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ ان کی شہادت گولی سے واقع ہوئی یا پھر تلوار سے؟

معرکہ بالاکوٹ میں غازیوں کا جانی نقصان تین سو افراد سے زائد نہیں ہوا۔ اس کے مقابلہ میں سکھ مقتولین کی تعداد سات سو بتائی جاتی ہے۔ لڑائی کے تیسرے دن سکھ بالاکوٹ سے چلے گئے تو اہل قصبہ واپس آبادی میں آئے اور شہدا کی تدفین کی۔

سید صاحب کا مدفن:

معرکہ کے بعد غازیوں کا ایک گروہ بالاکوٹ سے نکل کر انگرہ پہنچ گیا جس میں شیخ ولی محمد، خضر خان قندھاری وغیرہ تھے۔ انگرہ سے چلتے وقت شیخ ولی محمد نے خضر خان قندھاری اور الہ دین پلکھی کو بالاکوٹ بھیج دیا کہ وہاں کے حالات معلوم کر کے آئیں۔ وہ لوگ واپس آئے تو بتلایا کہ بعض غازی زندہ شیر سنگھ کے ہاتھ گرفتار ہوگئے تھے۔ شیر سنگھ نے ان سے کہا کہ ہم کو خلیفہ صاحب کی لاش پہچان کر بتلا دو کہ کون سی ہے؟ اگر تم لوگوں نے سچ بتلا دیا تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے۔ ان لوگوں نے کھیت میں گھوم کر جابجا پڑی لاشوں کو دیکھا۔ ایک لاش بے سر کی تھی اس کے بارے میں کہا کہ یہ خلیفہ صاحب کی معلوم ہوتی ہے۔ اگر اس کا سر بھی مل جائے تو ہم زیادہ اعتماد کے ساتھ بتا سکیں گے۔ شیر سنگھ نے سر تلاش کر کے منگوایا اور اس کو لاش سے ملا دیا تب ان لوگوں نے تصدیق کی کہ ہاں یہی خلیفہ صاحب کی لاش ہے۔ پھر شیر سنگھ نے ایک دوشالہ اس لاش پر ڈلوا دیا اور پورے اعزاز واحترام کے ساتھ کفن وغیرہ پہنا کر بالاکوٹ کے پشتے کے نیچے جنوبی ومشرقی سمت میں دریا کے کنارے دفن کرا دیا۔

دوسرے دن شیر سنگھ بالاکوٹ سے چلا گیا۔ اس کے ساتھ فوج کا بھی بڑا حصہ رخصت ہوگیا۔ صرف اکالیوں اور نہنگ سکھوں کی ایک جماعت باقی رہ گئی۔ رات میں اس باقی ماندہ سکھوں کی جماعت نے ایک وحشت ناک حرکت کی۔ اس لاش مذکور کو جس کو شیر سنگھ نے دفن کرایا تھا، ان لوگوں نے قبر سے نکال کر ندی میں ڈال دیا اور اپنے لشکر کی طرف چلے گئے۔

سر پہلے ہی سے جدا تھا، دریا میں گرتے ہی سر اور دھڑ الگ ہوگئے۔ دھڑ تیرتا ہوا تلہٹہ پہنچا جو بالاکوٹ سے تقریباً نو میل جنوب میں کنہار کے مشرقی کنارے کا ایک گاؤں ہے۔ وہاں کے

لوگوں نے تن کو دیکھا تو اسے دریا سے نکال کر کسی نامعلوم جگہ دفن کر دیا۔ تن کے مدفن کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ سر بہتا ہوا گڑھی حبیب اللہ خان پہنچا۔ ایک بڑھیا جو دریا سے پانی بھرنے کے لیے آئی تھی، اس کی نگاہ سر پر پڑی تو اس نے دوڑ کر خان کو اطلاع دی۔ خان دوڑا ہوا آیا اور سر کو دریا سے نکال کر کنارے دفن کر دیا۔ پہلے قبر چھوٹی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ یہ صرف سر کی قبر ہے مگر اب سیمنٹ کی پوری قبر بنا دی گئی ہے۔

سید صاحب کی پیش گوئی:

سید صاحب کی پوری زندگی سنت کی ترویج اور بدعات کو ختم کرنے میں گزری ہے۔ آپ کو پیر پرستی اور گور پرستی سے شدید نفرت تھی۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے عرض کیا کہ آپ گور پرستی کی بدعت سے بہت منع کرتے ہیں حالاں کہ آپ کے مرید بے شمار ہیں جو ہر ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کیا یہ اندیشہ نہیں ہے کہ آپ کی وفات کے بعد وہ لوگ قبر پر جمع ہو کر اس بدعت کو رواج دیں گے؟ سید صاحب نے جواب دیا کہ 'میں کارساز حقیقی کے دربار میں التجا کروں گا کہ میری قبر معدوم اور میرے مدفن کو بے نشان بنا دیا جائے۔'

مولوی یوسف پھلتی، میاں جی محی الدین وغیرہ نے کئی بار بے تکلف آپ سے عرض کیا کہ ہندوستان میں لوگ ادنی ادنی پیروں کی قبر کو پوجتے ہیں۔ آپ تو پیروں کے پیر ہیں۔ لہٰذا آپ کی مزار کی تو خوب پوجا ہوگی اور اس پر چڑھاوے چڑھائے جائیں گے۔

سید صاحب نے فرمایا کہ 'بے فکر رہو۔ مجھے جناب الٰہی سے کئی مرتبہ اشارہ ہوا ہے کہ کوئی شخص تجھ پر جادو کرے یا زہر دے، ان صدموں سے تو نہیں مرے گا۔ اور جب تیری موت کا وقت آئے گا تو کوئی تیری لاش نہ پائے گا۔ جب لاش نہیں ملے گی تو قبر کیوں کر بنے گی؟ اور اس کی پوجا کس طرح جائے گی؟'

سید صاحب کے اصل الفاظ کیا تھے اس کا تو علم نہیں مگر مذکورہ عبارت کا جو مفہوم ہے اس کے درست ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ سید صاحب کی لاش یقیناً ملی مگر معاملہ اخیر تک مشتبہ رہا کہ جس لاش کو آپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ واقعتاً آپ ہی کی ہے یا کسی اور کی؟ کچھ لوگ اسے سید صاحب کی لاش مانتے ہیں اور کچھ لوگ یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ سید صاحب دوران جنگ

گوجروں کے ساتھ پہاڑ پر چلے گئے تھے۔ تو ان کی لاش ملنے کا کیا مطلب؟ اور جہاں ان کی لاش کو دفن کیا گیا تھا اکالیوں نے وہاں سے نکال کر دریا کے حوالے کر دیا تھا۔ سر کہیں چلا گیا، تن کہیں پہنچ گیا۔ ایک زمانہ تک مدفن بے نشان رہا، نصف صدی سے کچھ زائد وقت گزرنے کے بعد اس کو نشان زد کیا گیا۔ اللہ جانے جس جگہ کو آپ کی قبر کے طور پر متعین کیا گیا ہے اس کی تعیین درست مقام پر ہوئی ہے یا واقعی آپ کا عارضی مدفن اس سے ہٹا ہوا ہے۔ بہر حال مزار کے معاملہ میں ایک گہری دھند ہے جس میں حقیقت حال کو تلاش کرنا اب از حد مشکل ہے۔

غیبوبت کا مسئلہ:

شہادت کے بعد چوں کہ کسی معتبر آدمی نے آپ کو بحالت شہادت دیکھا نہیں تھا اور پھر میدان بالاکوٹ میں یہ خبر بھی گرم ہو گئی تھی کہ آپ زخمی ہوئے اور گوجر آپ کو ست بنے کے نالے کے راستے میدان سے باہر لے کر چلے گئے ہیں۔ مزید یہ کہ اوپر سکھوں کے ہاتھوں گرفتار غازیوں کا تذکرہ ہوا ہے، جن کے بارے میں ہے کہ ان لوگوں نے سید صاحب کی لاش کی تصدیق کی تھی، ان کے نام و پتہ بھی مجہول ہیں۔ نہیں معلوم کہ یہ تصدیق کرنے والے کون تھے؟ اور کہاں کے تھے؟ چوں کہ یہ عوامل شہادت میں اشتباہ پیدا کرنے کے لیے خاصے قوی تھے۔ اس لیے ابتدا میں بعض طبیعتیں خبر شہادت کے قبول کرنے میں متامل رہیں اور تسکین قلب کے لیے ان لوگوں نے غیبوبت کی بات کہنی شروع کر دی کہ سید صاحب شہید نہیں ہوئے ہیں بلکہ غائب ہوئے ہیں۔ عنقریب ہی ظہور فرمائیں گے۔ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ خوشگوار امیدوں کی شکست بہت مشکل سے قبول کرتا ہے۔ اور کسی بڑے حادثے کو جھٹلانے کے لیے چھوٹا سا بہانہ بھی کافی ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس تامل کو غیر معقول بھی نہیں کہا جا سکتا۔ یہ تامل انسان کی بہانہ جو طبیعت کے عین مطابق تھا۔ مخلصین صادق پور نے خاص طور سے آپ کی غیبوبت پر زور دیا تھا مگر اب اس غیبوبت کا فیصلہ مرور ایام نے کر دیا کہ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ محض تسکین قلب کے لیے ایک ذہنی اختراع تھی۔ حقیقت یہی ہے کہ معرکہ بالاکوٹ میں ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو آپ کی شہادت ہو گئی تھی۔

❑❑❑

(نوٹ) یہ مضمون از اول تا آخر غلام رسول مہر صاحب کی کتاب ’’سید احمد شہید‘‘ جو کہ دیوبند سے ’’تحریک سید احمد شہید‘‘ کے نام سے شائع ہوئی ہے، سے ماخوذ ہے۔ بلکہ کہہ لیجیے کہ ایک طرح سے اس کی ابتدائی دو جلدوں کی تلخیص ہے۔ کسی بھی طرح کی تفصیل یا حوالہ کے لیے اسی کتاب سے رجوع کیا جائے۔

عارف باللہ حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب نوراللہ مرقدہ کے احوال وکوائف، ان کے اوصاف وکمالات اور تلامذہ ومسترشدین کے ساتھ ان کے مربیانہ ومشفقانہ سلوک کے بارے میں جاننے کے لیے مطالعہ کیجیے کتاب

سراپا اعجاز

حیات وخدمات

عارف باللہ حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب نوراللہ مرقدہ
کا

صفحات: ۵۵۰   قیمت: ۵۰۰ روپے۔ رعایت کے ساتھ ۳۰۰ روپے
ناشر: مدرسہ سراج العلوم سراج نگر چھپرا ضلع مئو یوپی
کتاب حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں اس نمبر پر
9936391085-9936029463
یا ای میل کریں۔ arfatazmi89@gmail.com پر

□□□

عبقری شخصیت استاذ العلما حضرت مولانا محمد افضال الحق جوہر قاسمی نوراللہ مرقدہ کے بارے میں جاننے کے لیے مطالعہ کریں مدرسہ سراج العلوم سراج نگر کے غیر موقت رسالہ ''سراج الاسلام'' کی خصوصی اشاعت بیاد استاذ العلما حضرت مولانا محمد افضال الحق جوہر قاسمی کا۔

صفحات: ۲۸۵   قیمت: ۱۱۰
ناشر مدرسہ سراج العلوم سراج نگر چھپرا ضلع مئو یوپی
کتاب حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں نمبر درج بالا نمبر یا ای میل پر۔

تصانیف حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

(۱) **تسہیل الجلالین** ’’شرح اردو جلالین شریف‘‘ (جلد اول)

(سورہ بقرہ تا سورہ نساء، سوا پانچ پارے)، صفحات:648 قیمت:400

(۲) **حدیث دوستاں**

دینی و اصلاحی اور علمی و ادبی مکاتیب کا مجموعہ، صفحات:730 قیمت:350

(۳) **حدیث دردِ دل**

مجلّہ المآثر، الاسلام، اور ضیاء الاسلام کے اداریئے صفحات:592 قیمت:300

(۴) **کھوئے ہوؤں کی جستجو**

مختلف شخصیات پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ، صفحات:616 قیمت:200

(۵) **حیاتِ مصلح الامت**

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اعظمی کی مفصل سوانح، صفحات:528 قیمت:150

(۶) **مدارسِ اسلامیہ، مشورے اور گزارشیں** (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

مدارس سے متعلق مضامین کا مجموعہ، صفحات:312 قیمت:150

(۷) **بطوافِ کعبہ رفتم** ـــ (سفرنامۂ حج) (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

حرمین شریفین (مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ) کے سفر کی روداد، صفحات:464 قیمت:300

(۸) **تہجد گزار بندے** (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

تہجد کی اہمیت و فضیلت اور تہجد گزار بندوں کا تفصیلی تذکرہ، صفحات:472 قیمت300

(۹) ذکرِ جامی

ترجمان مصلح الامت ؒ مولانا عبدالرحمٰن جامی کے حالاتِ زندگی، صفحات:216 قیمت:90

(۱۰) حضرت چاندشاہ صاحب اوران کا خانوادۂ تصوف

حضرت چاندشاہ صاحب ٹانڈوی اوران کے خلفاء کے حالات، صفحات:180 قیمت:70

(۱۱) تذکرہ شیخ ہالیجوی ؒ: سندھ کے معروف شیخ طریقت وعالم اورمجاہد فی سبیل اللہ

حضرت مولانا حماداللہ صاحب ہالیجوی کا مفصل تذکرہ۔ صفحات:224، قیمت:56

(۱۲) مودودی صاحب اپنے افکارونظریات کے آئینہ میں

مولانا بنوری ؒ کی عربی کتاب الاستاذ المودودی کا ترجمہ۔ صفحات:184، قیمت:95

(۱۳) حکایت ہستی (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

خودنوشت سوانح، ابتداء حیات سے اختتام طالب علمی تک۔ صفحات:400، قیمت:250

(۱۴) **کثرتِ عبادت** عزیمت یا بدعت؟ قیمت ۲۸/روپئے

(۱۵) **قتل ناحق** قرآن وحدیث کی روشنی میں قیمت ۱۶/روپئے

(۱۶) تعویذات وعملیات کی حقیقت وشرعی حیثیت قیمت ۲۰/روپئے

(۱۷) شب برأت کی شرعی حیثیت قیمت ۴۰/روپئے

(۱۸) اخلاق العلماء علماء کیلئے خاص چیز قیمت ۲۰/روپئے

(۱۹) دینداری کے دودشمن حرصِ مال وحب جاہ قیمت ۴۰/روپئے

(۲۰) فتنوں کی طغیانی ٹی۔وی پر ایک فکرانگیز تحریر! قیمت ۱۵/روپئے

(۲۱) اہل حق اور اہل باطل کی شناخت قیمت ۶۰/روپئے

(۲۲) مالی معاملات کی کمزوریاں اورانکی اصلاح قیمت ۴۰/روپئے

(۲۳) منصب تدریس اور حضرات مدرسین	قیمت ۴۵/روپئے
(۲۴) حج وعمرہ کے بعض مسائل میں غلو اور اس کی اصلاح	قیمت ۳۵/روپئے
(۲۵) برکات زمزم ماءِ زمزم کی فضیلت واہمیت کا بیان	قیمت ۲۵/روپئے
(۲۶) تصوف ایک تعارف!	قیمت ۸۰/روپئے
(۲۷) خواب کی شرعی حیثیت	قیمت ۴۰/روپئے
(۲۸) تکبر اور اس کا انجام	قیمت ۳۰/روپئے
(۲۹) مسئلۂ ایصالِ ثواب	قیمت ۶۰/روپئے
(۳۰) مروجہ جلسے بے اعتدالیاں اور ان کی اصلاح	قیمت ۳۰/روپئے
(۳۱) رمضان المبارک: نیکیوں کا موسم بہار	قیمت ۴۰/روپئے
(۳۲) علوم ونکات: (مجموعۂ مضامین) جلد اوّل، دوم	قیمت ۱۰۰۰/روپئے
(۳۳) نمونے کے انسان	قیمت ۲۵۰/روپئے
(۳۴) کاروانِ حرم (سید احمد شہیدؒ کے سفر حج کی روداد)	قیمت ۲۵۰/روپئے

اسٹاکسٹ

مکتبہ ضیاء الکتب اترا ری، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)
PIN:276403 MOB:9235327576

دیوبند میں ہماری کتابیں ملنے کا پتہ
کتب خانہ نعیمیہ، جامع مسجد دیوبند (01336223294)

دہلی میں ہماری کتابیں ملنے کا پتہ
فرید بک ڈپو، پٹودی ہاؤس دریا گنج نئی دہلی۲ (01123289786)